بعونِ صناعِ مکین و مکان بفضلِ خلاقِ زمین و زمان
۱۱۴
اُردو کا کلاسیکی ادب
تذکرہ
خوش معرکۂ زیبا
از
سعادت علی خاں ناصر
ناشر
مجلسِ ترقیٔ ادب
۲۔ نرسنگھ داس گارڈن
کلب روڈ
لاہور

طبع اول : اپریل ۱۹۷۰ع

تعداد ۱۱۰۰

: سید امتیاز علی تاج ، ستارۂ امتیاز
ناظم مجلس ترقیِ ادب ، لاہور

طابع : سید ظفرالحسن رضوی

مطبع : ظفر سنز پرنٹرز ، لاہور

گرد پوش وغیرہ : مطبع عالیہ ۱۲۰/۵ ٹمپل روڈ ، لاہور

فہرست

۱- صحیح نام ''مرزا علی قلی''۔ ملاحظہ ہو : تحقیق نامہ ۔ (مرتب)

۱- متن میں ''شیخ پیر محمد'' چھپا ہے جو سہو طباعت ہے ۔ (مرتب)
۲- صحیح نام ''مرزا علی رضا''۔ ملاحظہ ہو : تحقیق نامہ ۔ (مرتب)
۳- صحیح نام ''میر امداد علی'' ہے ۔ ملاحظہ ہو : تحقیق نامہ (مرتب)

مقدمہ

سعادت خاں ناصر :

مصحفی[1] پہلا تذکرہ نگار ہے جس نے ناصر کا ذکر کیا ہے ، لیکن اُس نے اِس کے سوا کچھ نہیں بتایا کہ ناصر مذنب کا شاگرد ہے ۔ ریاض الفصحا (آغاز : ۱۲۲۱ھ ۔ اختتام : ۱۲۳۶ھ) میں استاد اور شاگرد دونوں کے تراجم ہیں ۔ مصحفی نے مذنب کی عمر بتیس برس لکھی ہے ، ظاہر ہے کہ شاگرد کی عمر اس سے کم ہی ہوگی ۔ ہمارے پاس اس کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ناصر کا صحیح سنہ پیدائش معلوم کیا جا سکے ۔

ہمارے پاس یہ جاننے کا بھی کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ناصر کی وفات کب ہوئی ۔ خوش معرکۂ زیبا کے نسخۂ پٹنہ پر جو حواشی ہیں ان میں ۱۸۵۷ع کے ہنگامے کے بعد کے زمانے کے واقعات بیان کیے گئے ہیں ۔ صفا بدایونی نے شمیم سخن[2] (جلد اول) میں ناصر کا ذکر کیا ہے ۔ اس جلد میں ان شعرا کا حال ہے جن کی وفات ۱۲۸۸ھ سے قبل ہوئی ۔ ان شواہد کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۷ع) اور ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ع) کے درمیانی زمانے میں ناصر کا انتقال ہوا ۔

۱۔ ریاض الفصحاء ، مرتبۂ مولوی عبدالحق ، صفحہ ۳۲۴ (شائع کردہ انجمن ترقی اردو ، اورنگ آباد ، ۱۹۳۴ع)

۲۔ مطبوعہ مراد آباد ، صفحہ ۲۳۰ ۔

محسن نے 'سراپا سخن' میں آنیس مقامات پر ناصر کا کلام دیا ہے اور ہر جگہ اس کے مختصر حالات لکھے ہیں'۔ ان حالات سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے والد کا نام رسالت خاں تھا، وہ نگینہ (ضلع بجنور) کا رہنے والا تھا۔ اور شاعری میں وہ محمد حسن مذنب عرف چھوٹے مرزا کا شاگرد تھا۔ بعد کے تذکرہ نگاروں نساخ، گارسین دتاسی، نادر اور صفا بدایونی وغیرہ[۲] نے ان معلومات پر کوئی اضافہ نہیں کیا۔ صرف صفا بدایونی نے یہ لکھا ہے کہ اس کا انتقال لکھنؤ میں ہوا۔

ناصر کا ادبی و علمی ذوق اعلیٰ معیار کا تھا جس کا سب سے

۱۔ سراپا سخن، میر محسن علی محسن، تصنیف ۱۲۶۹ھ، مطبع نول کشور، لکھنؤ، ۱۸۷۵ء، صفحات ۱۹، ۳۲، ۴۲، ۵۲، ۵۵، ۶۰، ۹۳، ۱۱۶، ۱۵۷، ۱۷۰، ۱۷۷، ۱۸۷، ۲۰۴، ۳۷۵، ۳۱۳، ۳۲۳، ۳۲۷، ۳۴۴، ۳۴۶۔

۲۔ الف ۔ سخن شعرا، عبدالغفور خاں نساخ، مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۸۷۴ع، صفحہ ۴۹۷۔

ب ۔ تاریخ ادب ہندی و ہندوستانی، گارسین دتاسی، مطبوعہ پیرس، ۱۸۷۶ع، جلد سوم، صفحہ ۱۳۱۔

ج ۔ دیوان غریب، مرزا کلب حسین خاں نادر، مطبع دل کشا فتح گڑھ، ۱۲۸۴ھ، صفحہ ۵۱۰۔

د ۔ شاگردان سودا، مقالہ از حسرت موہانی، رسالہ 'اردوے معلیٰ' کان پور، بابت مارچ ۱۹۱۱ع، صفحہ ۴۔

ھ ۔ قاموس المشاہیر، جلد دوم، نظامی بدایونی، نظامی پریس بدایوں، ۱۹۲۶ع، صفحہ ۲۵۰۔

و ۔ تذکرۂ ارباب سخن، حسرت موہانی، مطبوعہ کان پور، ۱۹۲۹ع صفحہ ۹۔

بڑا ثبوت خود یہ تذکرہ ہے ۔ اُسے تاریخ اور مذہب سے بھی گہری دل چسپی تھی اور اسی دل چسپی کے نتیجے میں اس نے مذہبی مثنویاں لکھیں اور تاریخی کتابوں کا ترجمہ کیا ، جن کی تفصیل آیندہ سطور میں پیش کی جائے گی ۔ ان تصانیف سے قطع نظر عملی طور پر بھی وہ مذہبی آدمی تھا ۔ وہ نماز روزے کا پابند تھا (ترجمۂ انیس') ، مجالس میں شرکت کرتا تھا (ترجمۂ عشق ، حسین مرزا) اور مرثیہ گوئی کو مذہبی فریضہ سمجھتا تھا (تراجم ظہور و خلیق) ۔ اہل بیت سے اس کی محبت عشق کے درجے تک پہنچی ہوئی تھی جس کا اظہار جا بجا اس تذکرے سے ہوتا ہے ۔ ناصر کے مذہبی خیالات میں اعتدال اور میانہ روی پائی جاتی ہے ۔ تبرّے کو وہ پسند نہیں کرتا (ترجمۂ ناصر ، مرزا میر) اور اس قسم کے اشعار کو انتخاب میں شامل کرتا ہے :

نبی کو خاطرِ اصحاب کیوں نہ ہو منظور
کہ زیب و زینتِ مجلس ہے چار یاروں سے

(عظیم الدین آشفتہ)

مذہبیت کے باوجود ناصر رنگین طبع بھی تھا ۔ اس کا اندازہ تذکرے کے اُن حصوں سے ہوتا ہے جن میں مختلف شعرا کی امرد پرستی اور عشق و عاشقی کے واقعات کو مزے لے لے کر بیان کیا گیا ہے ۔ ایک جگہ تو ناصر نے اپنی رنگینیِ طبع کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے ۔ کرامت علی اظہر کے ذکر میں لکھا ہے :

"مدتِ سی سال سے مؤلف کا آشنا ، عنفوانِ شباب میں عشقِ سادہ رویاں سے بےتاب رہتا تھا اور اُلفتِ امردانِ

۲- اس نوعیت کے تمام حوالے خوش معرکۂ زیبا کے ہیں ۔

رشکِ حور سے ناصبور ۔ یہ احقر محرم راز بلکہ دم ساز تھا ۔"

ناصر نہایت حاضر دماغ تھا اور بدیہہ گوئی میں کمال رکھتا تھا ۔ ایک مرتبہ طپش نامی شاعر، جو مذنب کا شاگرد تھا ، اپنے استاد کے پاس آیا اور یہ مصرع :

صاحب لگانا تیر ذرا دیکھ بھال کے

پڑھ کر دوسرے مصرعے کا طالب ہوا ۔ ناصر بھی اس وقت وہاں موجود تھا ، اس نے فوراً دوسرا مصرع کہہ دیا :

حسرت زدہ نہ بھیس میں ہووے غزال کے

(ترجمۂ طپش)

ایسا ہی ایک واقعہ ترجمۂ شہیدی میں بھی ملتا ہے ۔ ایک صاحب نے شہیدی کا یہ شعر پڑھا :

قاتل نے پیس قبضۂ شمشیر سے نمک
رگڑا کباب پہلوے نخچیر سے نمک

اور کہا "ایسا کہنا خیلے دشوار ہے" ۔ ناصر نے فی البدیہہ یہ مطلع پڑھا :

پہنچا نہ جب وہاں کسی تدبیر سے نمک
زخمِ جگر میں اس نے بھرا تیر سے نمک

زیر نظر تذکرے میں ایسے چند واقعات اور بھی ملتے ہیں ۔

ناصر نے اپنی جن تصانیف کا خود ذکر کیا ہے اور جن کی اطلاع دوسرے ذرائع سے ملی ہے ، ان کی تعداد اچھی خاصی ہے ۔ ان تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زود گو شاعر تھا ۔ مثنوی

"شمہٌ فضایل" جو ۲۸۹۰ شعروں پر مشتمل ہے ، صرف دو ماہ میں مکمل کی گئی تھی ۔ اس سے اس کی شعر گوئی کی رفتار کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔

ناصر اپنے نام سے تو لکھتا ہی تھا ، دوسروں کے نام سے بھی لکھنے کا ثبوت ملتا ہے ۔ پیر بخش خاں فاطر ، مذنب کا شاگرد تھا ۔ فاطر کی طرف سے مذنب کے پاس جب شعر کہنے کی فرمائشیں آتی تھیں تو ناصر بھی "شریکِ محنتِ اُستاد رہتا تھا"۔ (ترجمہٌ فاطر)

ملازمت :

ناصر نے اپنے شاگرد نواب مہدی علی خاں حسن کے ترجمے میں لکھا ہے : "یہ بندہ مدت سے اس سرکارِ دولت مدار میں نوکر اور شرفِ اُستادی سے ناسور"۔ حسن ، شجاع الدولہ کے پڑپوتے اور مرزا امام الدین حیدر کے بیٹے تھے ۔ وہ علمی ذوق رکھتے تھے اور انھوں نے ''تاریخ اقنداریہ'' کے نام سے اودھ کی ایک تاریخ بھی لکھی تھی ۔ (حسن کے مفصل حالات کے لیے ملاحظہ ہو 'تحقیق نامہ')۔ ناصر کے علمی ذوق کے پیش نظر یہ بعید نہیں ہے کہ حسن نے مذکورہ تاریخ ناصر ہی کے مشورے سے لکھی ہو ۔ اس تاریخ میں ۱۸۶۳ع (۱۲۸۰ھ) تک کے حالات ہیں اور اسی سال کا مکتوبہ نسخہ کتب خانہٌ آصفیہ (حیدر آباد دکن) میں محفوظ ہے[۱] ۔

ناصر نے واجد علی شاہ اختر کے حکم سے ''روضۃ السیر'' کا

۱۔ کتب خانہٌ آصفیہ (اسٹیٹ سنٹرل لائبریری) کے اردو مخطوطات ، نصیرالدین ہاشمی ، جلد اول ، صفحات ۳۶ - ۲۴۴۔

فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا تھا[1] ۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ناصر کا واجد علی شاہ سے باقاعدہ ملازمت کا تعلق رہا ہوگا ۔

علاقہ بیسواڑہ کے ناظم سید احمد علی خاں (بن سید ناصر خاں داماد نواب منورالدولہ) سے بھی ناصر کا تعلق رہا اور اس تعلق کا ذکر اس نے ان الفاظ میں کیا ہے : ''یہ مؤلف رفاقت میں اس والا جاہ کی شرفِ امتیاز رکھتا تھا'' ۔ (ترجمۂ شہیدی)

زیر نظر تذکرے کے نسخۂ پٹنہ میں مولوی محمد بخش شہید کے بارے میں ناصر نے جو حاشیہ لکھا ہے ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ع کے ہنگامے کے بعد جب ''زر ٹیکس'' کی وصولی کے لیے سخت گیری کی گئی تو اس زمانے میں شہید سے بھی باز پرس ہوئی ۔ اس سلسلے میں داروغہ عاشق علی خاں نے شہید کی گرفتاری کا حکم دیا تو ناصر اس وقت داروغۂ مذکور کے دفتر میں موجود تھا ۔ ناصر نے یہ نہیں بتایا کہ وہ وہاں کیوں موجود تھا ؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ انتزاعِ سلطنتِ اودھ کے بعد ناصر نے سرکاری ملازمت اختیار کر لی ہو ؟ یہ محض ایک قیاس ہے اور اس سلسلے میں یقین سے کوئی بات اس وقت تک نہیں کہی جا سکتی جب تک کہ قوی شواہد موجود نہ ہوں ۔

شاگرد :

ناصر نے اپنے دو شاگردوں نواب مہدی علی خاں حسن اور مرزا امیر علی خاں شوق کے تراجم داخلِ تذکرہ کیے ہیں ۔ حسن کے تفصیلی حالات ''تحقیق نامہ'' میں دیے گئے ہیں ۔ شوق کا ذکر کسی دوسری جگہ نہیں ملا اور ''خوش معرکۂ زیبا'' ہی اس کے بارے میں واحد ذریعۂ معلومات ہے ۔

۱- کلیات ذکی (مہدی علی) ، مطبوعہ نول کشور ، صفحات ۱۷ - ۳۱۶ ۔

حسرت موہانی نے ناصر کے ایک اور شاگرد شیدا کا ذکر کیا ہے ، نام نہیں دیا ، صرف اتنا لکھا ہے :''صاحبِ دیوانِ قلمی ۔'' (تذکرۂ ارباب سخن ، ص ۹ ، مطبوعہ کانپور ، ۱۹۲۹ع) شیدا کا ذکر بھی کسی دوسری جگہ نہیں ملتا اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ شیدا ، سعادت خاں ناصر ہی کا شاگرد تھا یا ناصر تخلص کے کسی اور شاعر کا ۔ ناصر نے اپنے تذکرے میں متعدد شعرا کے تراجم بعد میں اضافہ کیے ہیں لیکن اپنے شاگردوں کی فہرست میں کسی نام کا اضافہ نہیں کیا ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناصر کو بہ حیثیت شاعر کوئی خاص مرتبہ حاصل نہیں تھا ، ورنہ لکھنؤ میں اس زمانے میں شعرا کی اس حد تک بہتات تھی کہ معمولی شاعروں کے بھی بہت سے شاگرد ہوتے تھے اور اس کا ثبوت خود ناصر ہی کے تذکرے سے ملتا ہے ۔

احباب :

ناصر کے ذاتی تعلقات کا دائرہ بہت وسیع تھا ۔ اس تذکرے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اکثر شعرا سے ملاقات رہتی تھی اور بعض سے گہرے دوستانہ مراسم تھے ۔ ناصر نے جن شعرا سے اپنے تعلقات کا ذکر کیا ہے یا ان سے ملاقاتوں کی تفصیل لکھی ہے ، وہ مندرجہ ذیل ہیں :

۱ ۔ کرامت علی اظہر کو اپنا تیس سال کا دوست بتایا ہے اور اپنے آپ کو اس کا ''محرمِ راز'' اور ''دم ساز'' لکھا ہے ۔
(ترجمۂ اظہر)

۲ ۔ مرزا علی حسین اوج کو ''مشفقی و محبی'' لکھا ہے نیز بتایا ہے :''نیاز مند کو قدیم سے اس خاندانِ پاک سے ایک نیاز ۔''
(ترجمۂ اوج)

۳ - آغا علی رضا خاں عالی کے بارے میں لکھا ہے: ''نیاز مند کو ان کی خدمت میں ہمیشہ سے نیاز ۔'' (ترجمۂ عالی)

۴ - ناسخ سے بھی ناصر کی ملاقاتیں رہتی تھیں ۔ ایک ملاقات کا مفصل حال ترجمۂ ناسخ میں ہے ۔ دوسری ملاقات کا بیان ترجمۂ شائق (سیوا رام) میں ہے ۔ مرزائی صاحب نے ناسخ سے کچھ قرض مانگا تھا اور ناسخ نے رقم بھیجنے کے ساتھ ساتھ ''کہ دارالضرب در شلوار داری'' والا شعر بھی لکھ بھیجا تھا ۔ یہ واقعہ ناصر کی موجودگی میں پیش آیا تھا ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناسخ و ناصر کے باہمی تعلقات خاصے بے تکلفانہ تھے ۔

۵ - مہدی حسن آباد سے بھی ملاقات رہتی تھی ۔ ایک ملاقات کا حال ترجمۂ آباد میں درج کیا ہے ۔

۶ - میر علی اوسط رشک اور ان کے صاحب زادے میر علی ضامن شوق سے بھی گہرے مراسم تھے ۔ ناصر اکثر ان کے ہاں جاتے رہتے تھے ۔ (تراجم رشک و شوق)

۷ - مرزا خانی نوازش سے خاصے مراسم تھے جس کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے : ''بندہ ان کی ملاقات سے گاہے گاہے بہرہ اندوز'' (ترجمۂ نوازش) ۔ تذکرے میں متعدد مقامات پر مرزا خانی نوازش کے حوالے سے شعرا کے بارے میں واقعات درج کیے گئے ہیں ۔

۸ - مرزا علی اکبر مضطرب کو ''رفیق بے بدل'' اور ''ندیم بے مثل'' کہا ہے ۔ (ترجمۂ مضطرب)

۹ - مصحفی سے بھی تعلقات تھے اور ان سے ملاقات رہتی تھی ۔ (ترجمۂ انشا)

۱۰ - میر ہدایت علی جلیل کو اپنا ''محبِ دلی'' بتایا ہے ۔
(ترجمۂ جلیل)

۱۱ - نواب عاشور علی خاں سے بھی تعلقات تھے۔ ان کے حوالے سے بھی بعض شعرا کے بارے میں روایات درج تذکرہ کی گئی ہیں ۔
(ترجمۂ عاشور)

۱۲ - لالہ فتح چند شائق کو اپنا ''محب بے ریا'' اور ''دوست با وفا'' لکھا ہے ۔ (ترجمۂ شائق)

۱۳ - محمد علی مسیحا کو ''آشنائے ثابت ، دوستِ راسخ'' لکھا ہے ۔ (ترجمۂ مسیحا)

اسی طرح اس تذکرے سے ہمیں اشرف خاں خاں ، کرامت اللہ فرخ ، میر محسن علی محسن ، میر ظفر علی اسیر ، خواجہ وزیر لکھنوی ، اسمٰعیل حسین منیر ، مرزا مغل سبقت ، میر محمد شائق ، اصغر علی خاں نسیم وغیرہ سے بھی ناصر کے تعلقات کا علم ہوتا ہے ۔

مشاعرے :

ناصر مجلسی آدمی تھا ۔ وہ اکثر مذہبی ، ادبی اور ثقافتی تقریبات میں دل چسپی لیتا تھا ۔ محرّم کی مجلسوں اور مرثیہ گوئی کی محفلوں میں شرکت کے ساتھ ساتھ امانت کی اندر سبھا بھی اس کے لیے جاذبِ توجہ تھی ۔ مشاعروں میں وہ خصوصیت سے شرکت کرتا تھا ۔ اس تذکرے سے متعدد مشاعروں کا حال معلوم ہوتا ہے ۔ مثلاً :

۱ - مشاعرہ بر مکان اللہ بخش سحاب ۔ (تراجم سخن و سحاب)

۲ - مشاعرہ بر مکان شیریں طوائف ، جس میں ولایت حسین سرور نے طرحی غزل میں یہ مقطع پڑھا تھا :

فرہاد اپنے وقت کا ہوں میں بھی اے سرور
شیریں کو دیکھتا ہوں محبت کی آنکھ سے

(ترجمۂ سرور)

۳ - حکیم محمد ابراہیم کے مکان پر بھی مشاعرہ ہوتا تھا ، جس کی تاریخ "صحبتِ شاعرانِ نیک نہاد" (۱۲۶۲ھ) شیخ کرامت علی اظہر نے کہی تھی - (ترجمۂ اظہر)

۴ - نواب حسین علی خاں اثر کے ہاں بھی ہر ہفتے مشاعرہ ہوتا تھا - (ترجمۂ اثر)

۵ - مرزا حاجی قمر کے ہاں بھی مشاعرہ ہوتا تھا - (ترجمۂ فرخ)

۶ - مولوی محمد بخش شہید اپنے اور مرزا محمد رضا برق کے شاگردوں کو جمع کرکے ہر جمعے کو مشاعرہ منعقد کرتے تھے - (ترجمۂ شہید)

۷ - واجد علی شاہ اختر نے تخت نشینی کے ابتدائی زمانے میں جو مشاعرہ کیا تھا ، اس کا ذکر میر بہادر علی شجاعت کے حال میں ملتا ہے -

۸ - سراج الدولہ کے ہاں بھی مشاعرہ ہوتا تھا جس کے مدارالمہام خواجہ آتش تھے - (ترجمۂ جوہر ، جواہر سنگھ)

تصانیف :

ناصر نے زیر نظر تذکرے میں اپنی مندرجہ ذیل تصانیف کا ذکر کیا ہے :

۱ - پانچ دیوان "کہ ہر ایک مثنوی اور قصائد سے معمور" ہے -
۲ - مثنوی مظہر معجزات "اخبار میں حضرت [illegible]

۳ - مثنوی مختار نامہ -

۴ - گلشن سرور ، یعنی قصہ' اگر و گل -

ان تصانیف میں سے کوئی بھی ''قصہ' اگر و گل'' کے سوا اب دستیاب نہیں ہوتی - بعد کے تذکرہ نگاروں نے ان میں سے پانچ دیوانوں کا حوالہ تو دیا ہے لیکن کسی اور تصنیف کا ذکر نہیں کیا - خوش معرکہ' زیبا کی تالیف کے بعد ناصر ایک عرصے تک زندہ رہا اور اس کے علمی و ادبی اشغال جاری رہے - اس کی جن تصانیف کا علم ہو سکا ہے ، وہ مندرجہ ذیل ہیں :

قصہ' اگر و گل :

قصہ اگر و گل ، ناصر کی واحد تصنیف ہے جو چھپ چکی ہے ، لیکن اسے ناصر کے نام سے شہرت نہیں ہوئی ، بلکہ عاصی نام کے ایک مصنف کی تصنیف سمجھا گیا اور جہاں کہیں اس قصے کا ذکر آیا ہے ، اسے عاصی ہی سے منسوب کیا گیا ہے[1]۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مطبوعہ نسخے کے آغاز میں ذیل کا شعر ہے جس میں لفظ ''عاصی'' کو تخلص سمجھ لیا گیا ہے :

سراپا نور یزداں وہ شہِ لولاک ہیں ، عاصی !
مرا کیا منہ کروں گر دعوی' نعت اور ثنا خوانی

لیکن خاتمے کے اس شعر میں تخلص ''ناصر'' نظم ہوا ہے :

۱- بلوم ہارٹ : برٹش میوزیم میں مطبوعہ ہندوستانی کتابوں کی فہرست (انگریزی) ، لندن ۱۸۸۹ع ، صفحہ ۳۰ -
ڈاکٹر گیان چند : اردو کی نثری داستانیں ، ۱۹۶۹ع ، صفحہ ۳۹۷ (''نول کشور پریس نے اشتہار میں عاصی کو مصنف ظاہر کیا ہے''-)

الٰہی بحقِ شہِ انبیاء
تو کر عفو ناصر کے جرم و خطا

ڈاکٹر گیان چند کہتے کہ "یہ لازمی نہیں ہے کہ یہ شعر مصنف ہی کا ہو"[1] - لیکن یہ خیال درست نہیں ، اس لیے کہ خوش معرکۂ زیبا میں ناصر نے اس قصے کو اپنی تصنیف بتایا ہے -

یہ قصہ کئی مرتبہ چھپ چکا ہے - ڈاکٹر گیان چند کے سامنے جو مطبوعہ نسخہ ہے ، وہ نول کشور کا شائع کردہ ہے - سالِ طباعت ۱۲۶۳ھ (۱۸۴۶ع) ہے - گویا یہ ناصر کی زندگی ہی میں چھپ چکا تھا ، لیکن ناصر نے زیر نظر تذکرے میں اس کی طباعت کا حوالہ نہیں دیا - مجلس ترقی ادب لاہور کی لائبریری میں اس کے تین نسخے[2] ہیں - پہلا مطبع نول کشور کانپور سے جنوری ۱۸۷۳ع میں چھپا تھا ، بلوم ہارٹ کے پیش نظر یہی نسخہ تھا - دوسرا مطبع دبدبۂ احمدی سے مارچ ۱۸۹۳ع میں چھپا تھا اور تیسرا مطبع نول کشور لکھنؤ سے مئی ۱۹۲۹ع میں شائع ہوا تھا - اس طرح اس قصے کے چار ایڈیشنوں کا سراغ ملتا ہے -

جیسا کہ ۱۸۷۳ع کے ایڈیشن کی تمہید سے واضح ہے ، ناصر نے یہ قصہ "بعض احباب" کی فرمائش سے فارسی سے اردو میں منتقل کیا تھا - ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں :

> "اس قصے کو . . . . . فارسی اور اردو میں بہت شخصوں نے لکھا - فارسی میں اس کا نام "قصۃ الجواہر

۱- اردو کی نثری داستانیں ، صفحہ ۳۹۸ -

۲- ان نسخوں کے بارے میں جناب کاہب علی خاں صاحب فائق رام پوری نے معلومات فراہم کی ہیں ، جس کے لیے میں ان کا ممنون ہوں - (م - خ)

اور شہنشاہ عادل'' بھی ملتا ہے ۔ فارسی نسخے اٹھارویں صدی کے نصف تک ملتے ہیں ۔ اس میں 'گل' شہزادے کا نام ہے اور 'اگر' شہزادی ہے جو ہمیشہ مردانہ لباس میں رہتی ہے ۔ قصہ غیر دل چسپ اور پلاٹ ناقص ہے ۔ طرزِ تحریر سیدھا سادہ ہے[۱] ۔''

ڈاکٹر گیان چند نے ''قصہ اگر و گل'' کی نثر کا جو نمونہ دیا ہے ، وہ یہ ہے :

''کہتے ہیں کہ جب منصور شاہ بادشاہ اور خوش حال وزیر اس درویشِ روشن ضمیر سے رخصت ہو کر اپنے شہر خشخاش میں پھر آئے ، تینوں وزیروں کی جان میں جان آئی ، رعیت اور سپاہ کے دل کو خوشی ہوئی ۔ بادشاہ نے وقتِ شب محلِ خاص میں آرام فرمایا ، تحفہ درویش کا کھلایا ، بزمِ حرم کو رشکِ ارم بنایا ۔''

مثنوی در بیان عقائد :

ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں ''مثنوی ناصری'' کے نام سے ۹۹ اوراق کا ایک مخطوطہ ہے ۔ اس میں ناصر کی دو مثنویاں ہیں ۔ پہلی اعتقادات کے بارے میں ہے اور دوسری حضرت علیؓ کے فضائل کے بیان میں ہے ۔

پہلی مثنوی مختصر ہے اور مخطوطے کے تیرہ اوراق میں مکمل ہوتی ہے ۔ اس میں ابتداً حمد ہے ، پھر نعت ہے اور اس کے بعد ''عقائد'' ہیں جو پانچ حصوں میں ہیں ۔ ''عقیدۂ پنجم'' کے بعد ''قسم دیگر'' کے عنوان کے تحت از روئے حدیث ''کافروں کی روحوں'' کا

۱- اردو کی نثری داستانیں ، ۱۹۶۹ع ، صفحہ ۳۹۸ ۔

بیان ہے ۔ آخر میں میر علی اوسط رشک کا مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثنوی ۱۲۶۶ھ میں لکھی گئی تھی :

ناصر خوش عقیدہ کی یہ نظم
ہے گواہ اعتقاد کی باللہ
اطلاع عقیدہ لازم ہے
با خرد کرتے ہیں یہی باللہ
اس طرح رشک نے کہی تاریخ
اعتقاداً یہ مثنوی باللہ

۱۲۶۶ھ

مثنوی شمۂ فضایل :

مذکورہ مخطوطے کی دوسری مثنوی حضرت علیؓ کے فضایل کے بیان میں ہے ۔ اس کا نام تاریخی ہے جو ذیل کے دو اشعار سے واضح ہے :

فضل حیدر نہیں جو اس میں تمام
اس کا ہے ''شمۂ فضایل'' نام

۱۲۶۶ھ

نام کا نام سال کا ہے سال
ہے یہ [افضالِ] ایزدِ متعال

اس مثنوی میں حمد و نعت کے بعد سببِ تالیف ان اشعار میں بیان کیا گیا ہے :

شعر گوئی سے اے خراب و تباہ
سر بسر نامۂ عمل ہے سیاہ
پانچ دیواں ترے وہ ایک ورق
ایک کو کیا ہزار پر ہو سبق

تا کجا مشقِ جرم اے ناداں
دشمنِ دیں ہے غفلتِ انساں
گو اسی کا بنا ہے پُتلا تو
قصد کر فضلِ مرتضیٰ کا تو
شغل کا شغل اجر کا ہے اجر
منقبت کا بہت بڑا ہے اجر
تھی مری فکر رہنما میری
تھی زباں اس سے آشنا میری
دو مہینے میں اک کتاب لکھی
مثنوی میں نے لاجواب لکھی
معجزے وہ لکھے جو تھے منقول
بات کوئی نہیں ہے اس میں فضول
ہے کتابوں میں ہر کسی کی سند
گو نہ قائل ہوں اس کے اہلِ حسد
اہلِ صدق و یقیں سے مطلب ہے
کیا ہمیں مشرکیں سے مطلب ہے

اس مثنوی کے اشعار کی تعداد ۲۸۹۰ ہے ۔ یہ تمام اشعار دو ماہ کی مختصر مدت میں لکھے گئے ، اس سے ناصر کی پُر گوئی اور مشاق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔

اس مثنوی میں حضرت علیؓ کے فضائل کو شاعرانہ انداز میں نہایت جوش و عقیدت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ۔ جگہ جگہ ناصر نے اپنے حال زار کی تصویر بھی کھینچی ہے اور حضرت علیؓ سے مدد چاہی ہے ۔ مثلاً :

یا علی ! داد خواہ ہے ناصر   رحم اس پر ، تباہ ہے شاعر

یاعلی ! چاہِ غم میں ہے ناصر روز فکرِ الم میں ہے ناصر

یا علی ! میری بھی مراد ملے ناصرِ خستہ دل کی داد ملے

ترجمۂ روضۃ السیر :

مہدی علی ذکی مراد آبادی کے دیوان میں کتاب "روضۃ السیر" کے ترجمے کے بارے میں دو قطعات تاریخ ملتے ہیں ، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ناصر نے مذکورہ کتاب کا ترجمہ "ہندی" میں ۱۲۷۰ھ میں واجد علی شاہ اختر کے حکم سے کیا تھا ۔ یہ ترجمہ ناپید ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ نثر میں تھا یا نظم میں ۔ ذکی کے قطعات یہ ہیں :

تاریخ ترجمۂ کتاب روضۃ السیر حسب الحکم بادشاہ لکھنؤ

کتاب ِ سیرِ روضۂ باصفا است
مترجم شدش ناصرِ اہل ایمان

بہ ہندی چناں ترجمہ کرد واضح
کہ شد بے تکلف عیاں معنیِ آں

ذکی سال تاریخ آں گفت شعرے
کہ شش مادۂ زاں برآید بہ امعاں

سرِ مصرعے ہست و منقوط ہر دو
ز بے نقطہ ہم آشکارا بدیں ساں

ز یک معجمہ وز دگر مہملہ گیر
ز عکسش دگر ہم چناں شد نمایاں

بیا بشنو ایں شعر تاریخ از من
بہ فکر امتحانش بکن اے سخن داں

کتابِ منور چو مقصود و افکار
نگارِ صفا چون بہارِ گلستان[1]

قطعۂ دیگر ترجمۂ روضۃ السیر

زان روضہ کہ باصفا ست معروف بہ دہر
این ترجمہ ہندی بہ معالم آمد
از جودتِ طبع ترجہان شد ناصر
عالم ہمہ زان نوشتہ عالم آمد
فرمود بہ لطف بہر تاریخ بمن
وان امر بہ امتثال لازم آمد
گفتم شعرے بہفت گانہ تاریخ
ہر ہفت سخن بہ فکر سالم آمد
اعدادِ حروف ہر یک از مصراعش
صوری ز یکے حجت قائم آمد
بس معجمہ و مہملۂ ہر دو بہم
با وفق و خلاف ازان ملاذم آمد
وین شعر گرفتہ با امید کرمے
تاچیز ذکی پیش مکارم آمد
در شش دو صدی و سی دگر چل با وے
ناصر بوقوف او مترجم آمد[2]

ان دونوں قطعوں سے مختلف طریقوں سے سنہ ۱۲۷۰ھ برآمد ہوتے ہیں -

۱- کلیات ذکی ، نول کشور ، صفحات ۱۳ - ۳۱۲ -
۲- ایضاً ، صفحات ۱۷ - ۳۱٦ -

ترجمۂ حیات القلوب :

'حیات القلوب' ملا محمد باقر مجلسی اصفہانی (متوفیٰ ۱۱۱۱ھ) کی مشہور فارسی تصنیف ہے ۔ ناصر نے اس کا منظوم ترجمہ اردو میں ۱۲۷۱ھ میں کیا تھا ۔ اس کی اطلاع ہمیں میر مظفر علی اسیر کے دیوان سوم ، مطبوعہ نول کشور ۱۲۸۶ھ (۱۸۷۰ع) سے ملتی ہے جس میں مندرجہ ذیل دو تاریخیں (صفحہ ۴۷۸) شامل ہیں :

شد از ناصر خوش بیان ترجمہ
باندازِ نیکو بآئینِ خوب
قلم سالِ تاریخِ آن ثبت کرد
بہ اردوست کشف حیٰوۃ القلوب

۱۲۷۱ھ

زہے ناصرِ خوش بیان ؛ خوش سخن
ائمہ کا مدّاح ، آگہِ فن
مرِ دست کی اس نے نظمِ صحیح
کتابِ حیٰوۃ القلوبِ فصیح
کہی اس کی تاریخ ہاتف نے خوب
کہ منظوم جلدِ حیٰوۃ القلوب

۱۲۷۱ھ

یہ ترجمہ بھی اب ناپید ہے ۔

واسوختِ ناصر :

لکھنؤ یونیورسٹی میں 'مجموعۂ واسوخت' کے نام سے ۸۱۹۱۰۴۳۱۸۱/ایم ۲۲ این نمبر پر ایک مخطوطہ ہے جس میں پیارے صاحب نقی ، مرزا حاجی قمر ، میر تقی میر اور مصحفی وغیرہ کے

واسوخت شامل ہیں ۔ آخری واسوخت سعادت خاں ناصر کا ہے جو بیالیس بند پر مشتمل ہے ۔ اس واسوخت کا پہلا اور آخری بند یہ ہے :

ایسے تم تفرقہ پرداز کہاں تھے آگے
غیر یوں ہم دم و ہم راز کہاں تھے آگے
مجھ سے بے جا یہ ترے ناز کہاں تھے آگے
قصہ کوتاہ ، یہ انداز کہاں تھے آگے
اب تو کچھ ڈھنگ نرالے ہیں ، خدا خیر کرے
پیٹ سے پاؤں نکالے ہیں ، خدا خیر کرے

تپ فرقت کا مہینوں سے مجھے ہے آزار
آپ بھی جانتے ہیں ، ہوتا ہے بدخو بیمار
اس شکایت سے بھی معذور ہے ناصر اے یار
اپنی خاطر کو مکدر نہ رکھو تم زنہار
اس سے آزردگی کیا ہے ، یہ غلام آپ کا ہے
آپ سے لطف عجب کیا ہے ، یہ کام آپ کا ہے

قطعات تاریخ :

ناصر کو تاریخ گوئی سے بھی دلچسپی تھی ۔ اگرچہ اس کے بہت کم قطعات تاریخ ملتے ہیں ، تاہم ان سے ناصر کی مشاق کا اندازہ ضرور ہوتا ہے ۔ اس تذکرے میں اس کے چار قطعات تاریخ شامل ہیں ؛ ایک تو اپنے استاد مذنب کا قطعۂ تاریخ وفات کہا ہے ، اور تین قطعے اس تذکرے کی تاریخ تکمیل (۱۲۶۲ھ) سے متعلق ہیں ۔ مثنوی 'شمۂ فضایل' کا قطعۂ تاریخ بھی ناصر کا زائیدۂ فکر ہے ۔

قصائد :

ناصر کے اپنے بیان کے مطابق اس نے قصیدے بھی لکھے تھے، لیکن اب اس کا کوئی قصیدہ دستیاب نہیں ہوتا ۔ اس کے مذہبی رجحان اور اہل ثروت سے تعلق کی بنا پر قیاس ہے کہ اس کے قصائد دینی اور دنیاوی دونوں طرح کی شخصیات کی مدح میں ہوں گے ۔ محمد علی شاہ (شاہ اودھ) کی مدح میں ایک قصیدہ لکھنے کی اطلاع زیرِ نظر تذکرے سے ملتی ہے ۔ یہ قصیدہ پیر بخش فاطر نے جو محمد علی شاہ کا رضاعی بھائی تھا ، خود اپنے نام سے پیش کر دیا تھا ۔ اس پر ناصر نے ان الفاظ میں ناراضی کا اظہار کیا ہے :

> "اس خود غرض نے وہ قصیدہ حضور بادشاہ میں اپنے نام سے پڑھا اور صلۂ شائیگاں لیا ۔ شکر صد شکر کہ غریب کا احسان دولت مند پر ہوا اور میں بار منت سے سبک دوش رہا ۔" (ترجمۂ فاطر)

دیوانِ ناصر :

ناصر نے اپنے جن پانچ دیوانوں کا ذکر کیا ہے ، وہ اب دستیاب نہیں ہوتے ۔ مثنوی شمۂ فضایل (۱۲۶۶ھ) کی تصنیف کے وقت تک ناصر کے ان پانچ دیوانوں میں اضافہ نہیں ہوا تھا ۔ اس کے بعد وہ عرصے تک زندہ رہا ۔ یہ ممکن نہیں کہ اس نے مزید دیوان مرتب نہ کیے ہوں ۔ اس کی زود گوئی اور مشاقی میں کسی قسم کا کوئی شبہہ نہیں ۔ ناصر نے خوش معرکۂ زیبا کی تصنیف کے بعد اپنا زیادہ وقت مثنوی نگاری پر صرف کیا ۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ اس زمانے میں اس کی توجہ غزل گوئی کی طرف پہلے جیسی نہ رہی ہوگی ۔ بہر حال ناصر کا ایک دیوان اب بھی محفوظ ہے اور وہ خدا بخش اورینٹل پبلک

لائبریری بانکی پور پٹنہ میں ہے اور وہاں کے اردو مخطوطات کی فہرست[1] میں اس کا سلسلہ‌وار نمبر ۱۹۵ ہے - بقول فہرست نگار سنہ کتابت ۱۲۶۰ھ ہے اور کاتب کا نام نیاز حسین ہے - اس دیوان میں صرف غزلیں ہیں - اوراق باسٹھ ہیں اور کسی صفحے پر آٹھ اور کسی پر نو شعر ہیں - خط پختہ نستعلیق ہے - پہلا شعر یہ ہے :

تپشِ دل نے کیا ہی کام کیا
جملہ جھگڑا مرا تمام کیا

اور دیوان کا خاتمہ اس شعر پر ہوا ہے :

سوزشِ عشق کی تکلیف کہوں کیا ناصر
آبلے پڑتے ہی دل میں مرے ناسور ہوئے

غزلوں کی تعداد ۶۳ ہے - ردیف الف میں چار ، 'د' میں تین ، 'ر' 'ک' 'ل' ، اور 'و' میں دو دو ، 'ن' میں آٹھ اور 'ی' میں چوبیس غزلیں ہیں - باقی ردیفوں میں ایک ایک غزل ہے - شعروں کی مجموعی تعداد سات سو آناسی ہے - یہ ناصر کے ابتدائی پانچ دیوانوں میں سے نہیں ہے ، بلکہ بعد کے دیوانوں میں سے ہے ، اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ بقول ناصر اس کے ابتدائی پانچ دیوانوں میں قصیدے اور مثنویاں بھی تھیں ، اس دیوان میں صرف غزلیں ہیں - نیز ناصر نے زیر نظر تذکرے میں اپنے پانچوں دیوانوں کا انتخاب دیا ہے - اس انتخاب کا کوئی شعر دیوان زیر تبصرہ میں نہیں ہے - خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری کی محولہ بالا فہرست میں دیوان کا

۱- فہرستِ مخطوطاتِ اردو ، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری ، بانکی پور - جلد اول ، مرتبہ عابد امام زیدی ، مطبوعہ کلکتہ ، ۱۹۶۲ع ، صفحہ ۱۴ -

سنہ کتابت ۱۲۶۰ھ لکھا ہے لیکن پروفیسر سید حسین کے بیان[۱] کے مطابق مخطوطے میں سنہ کتابت کی صراحت نہیں کی گئی - پروفیسر سید کے بیان کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ یہ دیوان اگر ۱۲۶۰ھ کا مکتوبہ ہوتا تو ناصر اپنے تذکرے میں اس کا ذکر ضرور کرتا -

مولانا حسرت موہانی ناصر کی غزل گوئی کے بارے میں لکھتے ہیں :

"تذکرہ سراپائے سخن (کذا) میں ان کی پچیس چھبیس غزلیں نظر سے گزریں - ان سے جہاں ان کی مشاق اور قادرالکلامی کا ثبوت ملتا ہے ، وہیں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ سودا و مذنب کے دہلوی جذبات کی تصویر لکھنوی تصنع کے زیر اثر اپنے اصلی حسن سے محروم ہوتی جاتی ہے - پھر بھی اتنی بات ضرور ہے کہ ناصر کا کلام اپنے ہم عصر شعرا میں شاگردان ناسخ کی بجائے شاگردان آتش سے بہت کچھ مشابہ پایا جاتا ہے[۲] -"

اگرچہ مولانا حسرت نے صرف آن غزلوں کو پیش نظر رکھا ہے جو "سراپا سخن" میں ہیں ، لیکن دیوان ناصر (نسخۂ پٹنہ) اور ناصر کے پانچوں دیوانوں کے انتخاب کے مطالعے کے بعد بھی مولانا کی رائے پر کوئی اضافہ ممکن نہیں ہے - ناصر نے اپنے دیوان میں نظیری اور رند وغیرہ کے تتبع کا ذکر کیا ہے ، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ناصر نہ تو کسی کی پیروی میں کامیاب ہو سکا ہے اور نہ ہی

۱- مکتوب بنام راقم الحروف ، مورخہ ۲۵ اپریل ۱۹۶۸ع -
۲- اردوے معلیٰ ، بابت مارچ ۱۹۱۱ع ، مضمون "شاگردان سودا" ترجمۂ ناصر ، صفحہ ۳ -

اپنا کوئی رنگ قائم کر سکا ہے ۔ اس کی 'قادرالکلامی' اور 'مشاق' میں کوئی شبہ نہیں ، لیکن یہ دونوں خصوصیات ناصر کے اچھا شاعر ہونے کی ضامن نہیں ہو سکتیں ۔ ناصر پر اپنے عہد کے اساتذہ سے زیادہ اپنے 'ہم مشقوں' کا اثر پڑا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی شاعری دور از کار تشبیہوں اور رعایت لفظی کی خاطر کہے جانے والے شعروں سے بھری ہوئی ہے ۔

ناصر نے اردو کے علاوہ فارسی میں بھی شعر کہے ۔ اب اس کی فارسی شاعری کا صرف ایک نمونہ ملتا ہے اور وہ مذنب کی تاریخ وفات کا قطعہ ہے ، اس سے بھی ناصر کی قادرالکلامی ہی کا اندازہ ہوتا ہے ، شاعری کا نہیں ۔

خوش معرکۂ زیبا :

۱۱۶۵ھ سے ۱۲۱۵ھ تک نصف صدی کے عرصے میں شعرائے اردو کے تقریباً ڈیڑھ درجن تذکرے لکھے گئے ۔ یہ سب کے سب فارسی زبان میں تھے ۔ علی لطف کا ''گلشن ہند'' شعرائے اردو کا پہلا تذکرہ ہے جو اردو میں ہے ۔ اسی زمانے میں ''گلشن ہند'' ہی کے نام سے حیدر بخش حیدری نے شعرائے اردو کا تذکرہ لکھا ۔ ان دونوں تذکروں میں صرف نام ہی کی یکسانیت نہیں ، ایک اور قدرِ مشترک بھی ہے اور وہ یہ کہ دونوں ''گلزار ابراہیم'' کے خوشہ چین ہیں ۔ فرق صرف یہ ہے کہ علی لطف نے ''گلزار ابراہیم'' کا حوالہ دیا ہے اور حیدری نے گلزار کا نام تک نہیں لیا ، بلکہ یہ دعویٰ کیا ہے کہ مختلف دواوین کے مطالعے کے بعد اس نے یہ تذکرہ لکھا ہے ۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حیدری کا تذکرہ بڑی حد تک گلزار ابراہیم کا لفظی ترجمہ ہے ۔ ۱۸۴۴ع/۱۲۶۰ھ میں صہبائی کا ''انتخابِ دواوین''

شائع ہوا۔ یہ تذکرہ نہیں انتخاب ہے ۔ اس کے ایک سال بعد ''گلدستۂ نازنیناں'' (کریم الدین) چھپا ۔ یہ صہبائی ہی کی آواز بازگشت ہے ۔ یہی زمانہ تھا جب ناصر نے اپنے تذکرے کا آغاز کیا ۔ ''خوش معرکۂ زیبا'' تاریخی نام ہے جس سے تذکرے کا سال آغاز ۱۲۶۱ھ برآمد ہوتا ہے ۔ ناصر نے تذکرے کی تمہید میں ''عبارت ہندی'' کو اپنی ایجاد کہا ہے ، یقین ہے کہ ناصر کی نظر سے علی لطف ، حیدری ، صہبائی اور کریم الدین کی تالیفات نہیں گزری ہوں گی ۔

ناصر نے اپنے تذکرے کو عام روش سے ہٹ کر مرتب کیا ہے ۔ شعرا کے تراجم حروف تہجی کے اعتبار سے جمع نہیں کیے ، بلکہ ترتیب تذکرہ کی بنیاد استادی شاگردی کے تعلق پر رکھی ہے ۔ پہلے استاد کا ذکر کیا ہے اور پھر اس کے شاگردوں کا ۔ اس ''طرز اسامی شعرا'' کو بھی ناصر نے اپنی ایجاد کہا ہے اور اس کا یہ دعوی درست ہے ۔ خوش معرکۂ زیبا سے پہلے اور بعد میں بھی کوئی تذکرہ اس نہج پر مرتب نہیں ہوا ۔

یہ تذکرہ تین حصوں پر مشتمل ہے ۔ پہلے حصے میں ایسے شعرا کا ذکر ہے جن کی ''استادی شاگردی معلوم'' ہے ۔ دوسرے حصے میں وہ شعرا ہیں جن کی ''استادی شاگردی نامعلوم'' ہے ۔ تیسرا حصہ شاعرات سے متعلق ہے ۔ شاعروں کی کل تعداد آٹھ سو چوبیس ہے[1] ۔ ان میں سے چھ سو ترتالیس پہلے حصے میں ، ایک سو سڑسٹھ دوسرے حصے میں اور چودہ تیسرے حصے میں ہیں ۔ اصل تذکرہ پہلے حصے

۱- ان میں سے چند شاعر ایسے بھی ہیں جن کا ترجمہ ایک سے زائد مرتبہ درج ہوا ہے ۔ ان شعرا پر ''تحقیق نامہ'' میں بحث کی گئی ہے ۔

ہی کو سمجھنا چاہیے ۔ ناصر نے تمام توجہ اسی پر صرف کی ہے ۔ اس حصے میں اساتذہ ، ان کے شاگردوں اور پھر شاگردوں کے شاگردوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے ۔ اس طریق کار کی وجہ سے شعرائے لکھنؤ کی ایک بڑی تعداد کا ذکر اس تذکرے میں آ گیا ہے اور یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ شعرائے لکھنو کے سلسلے میں ''خوش معرکۂ زیبا'' سے بہتر کوئی ماخذ نہیں ہے ۔ ناصر نے اپنے ہم عصر شعرا اور ان شعرا کے بارے میں ، جو اس سے کچھ عرصہ قبل گزر چکے تھے ، ایسی معلومات پیش کی ہیں جو کسی دوسری جگہ نہیں ملتیں ۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس تذکرے میں تقریباً ایک سو ایسے شعرا کے تراجم ہیں ، جن کا نام تک کسی دوسرے تذکرے یا کتاب میں نہیں ہے ۔ لکھنؤ کے شعرا کی اتنی بڑی تعداد سے واقفیت حاصل کرنے کا واحد ذریعہ یہی تذکرہ ہے ۔

خوش معرکۂ زیبا کی شہرت تکمیل سے پہلے ہی ہو گئی تھی ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ناصر مجلسی آدمی تھا اور اس کا حلقۂ احباب خاصا وسیع تھا ۔ ان احباب سے تذکرے کی تالیف کا ذکر ہوتا ہوگا ۔ شعرا یہ جاننے کے بھی مشتاق رہتے تھے کہ ناصر نے ان کے بارے میں کیا لکھا ہے ۔ ایسا ایک واقعہ ترجمۂ آباد (مہدی حسن) میں ملتا ہے :

> ''جن روزوں یہ تذکرہ تالیف ہوتا تھا ، اسمٰعیل گنج میں ایک حلوائی کی دکان کے اوپر مجھ سے ملاقات ہوئی ۔ پوچھنے لگے مجھے کیا لکھا ہے ؟ میں نے کہا 'شاعرِ خوش فکر ، شاگردِ ناسخ' ۔ بد مزا ہو کر کہا 'اپنا ہی شاگرد لکھا ہوتا ۔''

جب یہ تذکرہ مکمل ہوا اور لوگوں کی نظر سے گزرا تو اس کی شدید مخالفت ہوئی ۔ مخالفت کے بہت سے اسباب نظر آتے ہیں :

۱ ۔ جہاں کہیں موقع ملا ہے ، ناصر نے تلامذۂ ناسخ کے خلاف لکھا ہے اور یہاں تک کہہ دیا ہے کہ "افسوس کہ شیخ کا ہرشاگرد آپ کو اس سے بہتر جانتا ہے" (ترجمہ آباد) ۔ ناسخ کی امرد پرستی کا ذکر بھی ناصر نے قدرے تفصیل سے کیا ہے ۔ لکھنؤ میں ناسخ کے سلسلے کے شعرا کی بڑی تعداد تھی ، ظاہر ہے وہ ناصر کے اس قسم کے بیانات سے ناخوش ہوئے ہوں گے ۔

۲ ۔ مصحفی کے تلامذہ کے خلاف بھی ناصر نے لکھا ہے ، مثلاً شیخ محمد بخش واجد کے بارے میں "استاد کو اس سے رغبت کم" کے الفاظ لکھے ہیں ۔ یا شیخ عبداللہ ذوق کے حالات میں لکھا ہے : "ارباب انصاف سے یہ احقر داد طلب ہے کہ میاں صاحب [مصحفی] نے اپنے تلامیذ کو موافق اس (کذا) کی حیثیت کے رقم فرمایا ہے اور میں نے بعض کو بطور پہیلی اور چیستان کے لکھا ہے ، اس پر بھی وہ بنے ہوئے اشراف مجھ سے ناراض ہیں" ۔ گویا خود ناصر کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ مصحفی کے شاگرد ان سے خوش نہیں ہیں ۔

۳ ۔ ناصر نے بعض شعرا کے کردار پر انگشت نمائی کی ہے ، جس کی تفصیل آیندہ سطور میں آئے گی ۔ یہ بھی ناصر کی مخالفت کا ایک بڑا سبب ہے ۔

۴ ۔ جن دنوں یہ تذکرہ لکھا گیا ، لکھنؤ کی ادبی فضا بڑی ہنگامہ خیز تھی ۔ آتش و ناسخ کی چپقلش ان کے شاگردوں میں منتقل ہوچکی تھی ۔ انیس و دبیر کے طرف داروں نے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا ۔

ایسے عالم میں کسی تذکرہ نگار کا ہر طبقے کے شعرا میں مقبول ہونا ممکن نہ تھا ۔ ناصر کی بے باکی اور اظہار رائے کی آزادی اس کے لیے ''بلا'' ثابت ہوئی اور اہل لکھنؤ نے اس تذکرے کی جی بھر کے مخالفت کی ۔

۵ - ممکن ہے ناصر نے بعض ہم عصر شعرا کے بارے میں من گھڑت واقعات لکھے ہوں یا کمزور روایات پر بھروسا کیا ہو (جن کی تصدیق و تردید کا آج ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں) اور اس بنا پر بھی اس کی مخالفت ہوئی ہو ۔

ناصر کو اس کا احساس تھا کہ اس نے اشاروں کنایوں میں شعرا کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے ، اس نے ناراضی کی عام فضا پیدا کر دی ہے ۔ ترجمۂ واجد کا اقتباس اوپر گزر چکا ہے ۔ ترجمۂ خاکسار میں ناصر لکھتا ہے :"میاں مصحفی تذکرے میں لکھتے ہیں کہ محمد تقی میر اس کے منظور نظر تھے۔ جو شخص ایما و کنایہ پر مجھ سے رنجیدہ ہیں ، وہ منصف ہوں کہ اہل تذکرہ کیا کیا کہتے ہیں''۔ اسی طرح تذکرے کے خاتمے میں لکھا ہے : ''کذب و افترا سے یہ تذکرہ پاک ہے اور نور صداقت سے تابناک ۔ کہیں کہیں بطور معما افشائے راز ، جس سے جفتے شان میں پڑیں وہ قلم انداز'' ۔ گویا ناصر کو اس سے انکار نہیں کہ اس نے ایما و کنایہ کے پردے میں رازوں کو فاش کیا ہے ۔

اس تذکرے کی جو مخالفت ہوئی اس کا اندازہ تذکرے کے خاتمے کے اس اقتباس سے بھی ہوتا ہے :

> '' . . . . انجام اس کا حسبِ دل خواہ اور ہر طرف سے شورِ واہ واہ ہوا ۔ خاطرِ احباب اس گلدستے سے باغ اور سینۂ حساد داغ . . . . دوست سے سازش اور دشمن سے کاوش نہیں ۔

راستی اس کا ہو تو ہو باعث
مجھ سے احباب کو جو ہے اکراہ
بیت سعدی کی کرتا ہوں تضمین
تا وہ اس واردات پر ہو گواہ
''گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ''

ناصر نے تذکرے کی جو تاریخیں لکھی ہیں ، ان میں بھی حاسدوں کا ذکر کیا ہے ۔ ان تاریخوں سے بھی تذکرے کی مخالفت پر روشنی پڑتی ہے :

واہ کیا خوب تذکرہ ہے یہ
دل کا مرغوب تذکرہ ہے یہ
طرز اور طور میں نرالا ہے
جب تو عالم میں اس کا شہرا ہے
باتیں تحقیق کرکے لکھی ہیں
بیتیں تصدیق کرکے لکھی ہیں
ایک دامن پہ دو نہیں ہیں ہات
فکرِ یکتا کی اپنی ہے کیا بات
ذکرِ حسب و نسب بعینہ ہے
حال جو ہے وہ سب بعینہ ہے
حاسدوں کو اگر پسند نہیں
دل مرا اس سے درد مند نہیں
اس کی تاریخ ہے وہ سحر حلال
جس کے قائل ہیں اہلِ فضل و کمال

میرا خامہ ہے یہ دُرر افشاں
یادگارِ سخن ورانِ جہاں

در تاب و تب حسرت بگداختہ شد دشمن
کم وزن نشد لیکن نقد سرۂ ناصر
از تذکرۂ ناصر چون دشمنی بیرون شد
تاریخِ سنینِ او شد 'تذکرۂ ناصر'

اس تذکرے کی جو مخالفت ہوئی ، اس کا کچھ اندازہ تو ناصر کے اپنے بیانات سے ہوتا ہے اور کچھ دوسروں کے ۔ میر علی اوسط رشک اور سید محسن علی محسن (صاحب سراپا سخن) سے ناصر کے گہرے مراسم تھے اور یہ دونوں سلسلۂ ناسخ سے تعلق رکھتے تھے۔ تذکرے کی تالیف کے دوران محسن نے ناصر کی بہت مدد کی اور کانپور سے ڈاک کے ذریعے شعرا کا کلام بھیجا ۔ ناصر نے محسن کی اس اعانت کا تذکرے کے خاتمے میں اعتراف بھی کیا ہے ۔ میر علی اوسط رشک سے اس حد تک تعلقات تھے کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے اور بعض دوسرے شعرا کے حالات فراہم کیے بلکہ تذکرے کے دو قطعات تاریخ بھی لکھے۔ ناصر نے تذکرے کا نام 'خوش معرکہ' رکھا تھا ۔ رشک نے لفظ 'زیبا' بڑھا کر اس کی تاریخ نکالی اور تذکرہ اسی نام سے مشہور ہوا ۔ رشک نے اس تذکرے کی خوب تعریف کی ہے :

یہ تذکرہ اچھا ہے طور اس کا نرالا ہے
نام اس کا مصنف نے خوش معرکہ ٹھہرایا

اے رشک پسند آئی اس نسخے کی زیبائی
تاریخ یہی پائی 'خوش معرکۂ زیبا'،

لیکن رشک و محسن نے تذکرے کو تکمیل کے بعد دیکھا تو ان کی رائے یک سر بدل گئی ۔ رشک نے اس کی ایک نئی تاریخ 'تذکرۂ شرکا' (۱۸۴۶ع) کے الفاظ سے نکالی اور محسن نے سرا (پا سخن صفحہ ۳۲۳) میں یہ تاریخ درج کرکے ان الفاظ میں تبصرہ کیا : ''واقعی یہ تذکرہ اسی اسم کے قابل ہے'' ۔ اس صورت حال سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس تذکرے کو دیکھ کر ناصر کے انتہائی قریبی دوست بھی اس سے ناراض ہو گئے ۔

سلسلۂ ناسخ کے ایک اور شاعر مرزا حاتم علی بیگ مہر نے بھی اس تذکرے کی تصنیف کا قطعۂ تاریخ لکھا ہے جو ان کے دیوان 'الماس درخشاں' میں شامل ہے :

بہ بدی یاد کرد نیکاں را
وہ چہ یاوہ سراست ایں بد بخت
پئے تاریخ گفت ہاتف غیب
ہیچ شد ہیچ از زبانِ کرخت[1]

لیکن ہم عصروں کی اس مخالفت کی وجہ سے اس تذکرے کی قدر و قیمت کم نہیں ہوتی ، یہ اپنی گونا گوں خصوصیات کی بنا پر شعرائے اردو کے بہترین تذکروں میں سے ایک ہے ۔

۱- قاضی عبدالودود : مقالہ ''مصحفی اور انشا'' اردو ادب ، جنوری و اپریل ۱۹۵۱ع ، حاشیہ صفحہ ۳۰۵ [زبان کرخت = ۱۲۸۰— ۱۸ (ہیچ) = ۱۲۶۲ھ]

تذکرے کی تکمیل کے بعد ناصر ایک عرصے تک زندہ رہا ، اور وہ اس میں ترمیم و اضافہ کرتا رہا ۔ لکھنؤ میں اس زمانے میں طباعت کی سہولتیں عام ہو چکی تھیں ، لیکن اس تذکرے کی طباعت کی نوبت نہ آئی ۔ ممکن ہے اس کی وجہ بھی تذکرے کی عام مخالفت ہو ۔ البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی متعدد نقلیں تیار ہوئیں جن کی وجہ سے اس کا مطالعہ محدود نہ رہا ۔ لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ بعد کے تذکرہ نگاروں میں محسن کے سوا کسی نے بھی اس سے فائدہ نہیں اٹھایا ۔ سخن شعرا میں ایک جگہ (صفحہ ۴۷) اس کا حوالہ آیا ہے ۔ میر مہدی بیدار کے احوال میں نساخ نے ناصر کے اس بیان کی تردید کی ہے کہ بیدار ، ثناءاللہ فراق کا شاگرد تھا ۔ ناصر کا تذکرہ نساخ کی نظر سے نہیں گزرا ۔ نساخ نے ''سراپا سخن'' کو (جس میں بیدار کے بارے میں ناصر کا مذکورہ بیان دیا گیا ہے) پیش نظر رکھ کر خوش معرکہ زیبا کا ذکر کیا ہے ۔ ''انتخاب یادگار'' میں ایک جگہ (حصہ دوم ، صفحہ ۱۸۳) قدرت اللہ شوق کے احوال میں ''تذکرۂ سعادت خاں ناصر'' کا ذکر آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر مینائی کی نظر سے یہ تذکرہ گزرا تھا ۔ جن تذکروں میں ترجمۂ ناصر شامل ہے ، ان میں ''خوش معرکۂ زیبا'' کا نام تو لیا گیا ہے لیکن اس سے استفادہ نہیں کیا گیا ۔

محسن نے سراپا سخن میں کئی جگہ خوش معرکۂ زیبا کا حوالہ دیا ہے ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سراپا سخن کی تالیف کے وقت یہ تذکرہ اس کے پیش نظر رہا ہے ۔ محسن کی ایک دوسری تیالف ''ترجمۂ مخزن نکات'' میں بھی خوش معرکۂ زیبا کا ذکر آیا ہے ۔ یہ ترجمہ ہنوز غیر مطبوعہ ہے اور اس کا ایک نسخہ رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے ۔ اس نسخے کی ایک نقل راقم الحروف کے

پیش نظر ہے ۔ محسن نے اس میں دو جگہ ناصر پر تنقید کی ہے ، دونوں اقتباسات یہاں پیش کیے جاتے ہیں ۔

ناصر نے ترجمۂ آبرو میں ''مکابرہ مظہر و آبرو'' کا ذکر کیا ہے اور دونوں کا ایک ایک شعر ایک دوسرے کے خلاف لکھا ہے ۔ اس پر محسن نے ان الفاظ میں تنقید کی ہے :

''عقلِ سلیم کسی عاقل کی باور نہ کرے گی کہ مرزا مظہر ایسے باوضع اور عالی دماغ نکتہ داں ، صاحبِ علم و فضل ، عارف باللہ ، برگزیدۂ خدا ، تارک الدنیا ، رہبر اہل صفا ، یہ سخن پوچ زبان پر لائیں . . . . ایسی بات کے لکھنے سے مشقت تالیف غارت اور برباد ہوتی ہے ۔ چناں چہ ظاہر ہے کہ تذکرہ خان صاحب کا کسی اہل انصاف کو منظور نظر نہیں ہوا ۔''

اسی طرح ترجمۂ خان آرزو میں محسن نے لکھا ہے :

'' . . . سعادت خان صاحب ناصر نے اپنے تذکرے میں یہ شعر لکھا ہے :

رکھے سیپارۂ دل کھول آگے عندلیبوں کے
چمن میں آج شاید پھول ہیں تیرے شہیدوں کے

اور لکھتے ہیں کہ اگرچہ قافیہ عندلیب کا غریب ہوسکتا ہے مگر چند نسخے (کذا) میں یہی دیکھا ہے ۔ اللہ اللہ ! خان آرزو کہ تمام عالم پر دستِ تصرف اس کا دراز اور اس مطلع میں کہ ایطائے جلی ہے ، اس سے بے نیاز ۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے ، ہر چند خوردہ گیری خان صاحب کی بجا ہے مگر خطائے بزرگاں گرفتن خطاست ۔ ظاہر ہے کہ خان آرزو بہر حال علم و فضل میں خان صاحب سے

افضل ہیں ۔ خصوص علم شعر میں آن کو ان سے کیا
مقابلہ . . . .“

تیسری جگہ محسن نے ”خوش معرکۂ زیبا“ سے شاہ حاتم کے ترجمے کا اقتباس نقل کیا ہے لیکن اس پر کسی قسم کی تنقید نہیں کی ۔

آب حیات میں مولانا محمد حسین آزاد نے خوش معرکۂ زیبا سے استفادہ کیا ہے ، لیکن کہیں اس کا حوالہ نہیں دیا ۔ قاضی عبدالودود نے اپنے ایک مقالے ”آب حیات کے دو ماخذ“ (معاصر ، حصہ اول ، صفحہ ۵۰-۱۴۷) میں بتایا ہے کہ آزاد نے آبرو ، سودا ، ضاحک ، میر خلیق ، آتش اور درد کے بارے میں بعض واقعات خوش معرکۂ زیبا سے لیے ہیں ۔ ان واقعات کی نشان دہی ”تحقیق نامہ“ میں کی گئی ہے ۔

رفتہ رفتہ ”خوش معرکۂ زیبا“ قعر گم نامی میں چلا گیا ۔ مولانا حسرت موہانی نے مارچ ۱۹۱۱ع کے ”اردوے معلیٰ“ (صفحہ ۴) میں لکھا : ”تذکرہ اس وقت تک دستیاب نہیں ہوا“۔ قاضی عبدالودود پہلے محقق ہیں جنھوں نے اس تذکرے کو باقاعدہ متعارف کرایا ۔ انھوں نے اس پر کوئی مستقل مقالہ تو نہیں لکھا ، لیکن اس کا ذکر کئی مقالات میں کیا اور ”تذکرۂ ابن طوفان“ کے حواشی میں متعدد مقامات پر اس کے اقتباسات دیے ۔ ڈاکٹر محمد حسن نے سہ ماہی ”اردو“ بابت اکتوبر ۱۹۵۲ع میں اس تذکرے کے نسخۂ لکھنؤ کو پیش نظر رکھ کر ایک مقالہ لکھا جس میں اس کو اہم ادبی ماخذ کی حیثیت سے متعارف کرایا گیا ہے ۔

ماخذ :

ناصر نے تذکرے کے آغاز میں لکھا ہے کہ جب اسے ”تذکر

تالیف کیا ہوا میاں مصحفی صاحب مغفور کا دستیاب ہوا'' تو اس نے اپنے تذکرے کی بنا ڈالی ۔ ناصر نے یہاں یہ صراحت نہیں کی کہ مصحفی کا کون سا تذکرہ اسے ملا ، لیکن خاتمے میں مصحفی کے دو تذکروں کا ذکر کیا ہے :

''چار تذکرے فراہم کیے ، دو میاں مصحفی کے ، تیسرا تذکرہ . . . مصطفیٰ خان شیفتہ کا ، چوتھا . . . کہ مؤلف اس کا اعظم الدولہ سرور ہے ۔''

پٹنہ ، علی گڑھ اور انجمن ترقی اردو پاکستان کے نسخوں میں انھیں چاروں کا ذکر ہے ۔ البتہ نسخۂ لکھنؤ میں مذکورہ اقتباس اس صورت میں ہے :

''چار پانچ تذکرے فراہم کیے دو تو میاں مصحفی کے ، تیسرا تذکرہ . . . . اعظم الدولہ سرور کا ، چوتھا تذکرہ . . . کہ مصنف اس کا مصطفیٰ خان شیفتہ ہے ، چھٹا تذکرہ مسمیٰ بہ ''تذکرۂ احبا'' ، شاہ حسین حقیقت کا ۔''

مذکورہ بالا دونوں اقتباسات میں ذیل کے چار تذکرے مشترک ہیں :

۱۔ تذکرۂ ہندی : مصحفی
۲۔ ریاض الفصحا : مصحفی
۳۔ عمدۂ منتخبہ : سرور
۴۔ گلشن بے خار : شیفتہ

دوسرے اقتباس میں مزید دو تذکروں کا ذکر ہے ۔ ان میں سے ایک کا نام درج نہیں اور دوسرا ''تذکرۂ احبا'' مؤلفہ شاہ حسین حقیقت

ہے ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ تذکرہ کون سا ہے ، جس کا نام نسخۂ لکھنؤ میں کاتب کے سہوِ قلم سے درج ہونے سے رہ گیا ؟ اس سلسلے میں کسی نتیجے تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ اُن تذکروں پر نظر ڈالی جائے جن کا ناصر نے اپنے تذکرے کے متن میں کہیں کہیں حوالہ دیا ہے ۔

مذکورہ بالا تذکروں کے علاوہ ناصر نے مندرجہ ذیل تذکروں کا ذکر خوش معرکۂ زیبا کے متن میں کیا ہے :

۱۔ **نکات الشعرا :** شرف الدین مضمون کے احوال میں ناصر نے یہ شعر :

مضمون شکر کر کہ ترا اسم سن رقیب
غصے سے بھوت ہوگیا لیکن جلا تو ہے

درج کرکے لکھا ہے : ”میر تقی میر صاحب اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ اسم کی جا نام تھا ، خان آرزو نے اسم بنایا ، خوب اصلاح ہے ، کس واسطے اہل دعوت اسم پڑھتے ہیں نہ نام“۔

میر کی اصل عبارت یہ ہے : ”شاعر مسطور بجائے اسم نام موزوں کردہ بود ، اسم اصلاح خان صاحب است ، وہ چہ اصلاح ، زیرا کہ اہلِ دعوت اسم می خوانند نہ نام[1] ۔“

ناصر نے جو کچھ لکھا ہے وہ میر کی عبارت کا لفظی ترجمہ ہے ۔ صرف یہی ایک مثال ہے جس کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ ”نکات الشعرا“ ناصر کی نظر سے گزرا ہو گا ، لیکن اگر ایسا ہوتا تو

۱۔ نکات الشعرا ، شائع کردہ انجمن ترقی اردو ، اورنگ آباد دکن ، ۱۹۳۶ع ، صفحہ ۱۸ ۔

ناصر اپنے تذکرے میں اور مقامات پر بھی اس سے استفادہ کرتا، مگر کسی دوسری جگہ میر کے تذکرے کا حوالہ ہے، نہ اس کے مطالب سے استفادے کا قرینہ پایا جاتا ہے۔ اس لیے خیال ہے کہ ناصر نے میر کی عبارت سے استفادہ حقیقت کے تذکرے کے توسط سے کیا ہوگا۔

۲۔ **تذکرۂ قائم** : محمد حسین کلیم کے حال میں ہے : "محمد قائم نے اس کو شاگرد اپنا بہت تعریف کے ساتھ لکھا ہے"۔ لیکن یہ تذکرہ بھی ناصر کی نظر سے نہیں گزرا۔ یہ مصحفی کے بیان کی صدائے باز گشت ہے[۱]۔

۳۔ **تذکرۂ میر حسن** : ترجمۂ خاکسار میں انتخاب کلام سے پہلے ناصر نے یہ لکھا ہے : "یہ چند شعر اس کے کہ میر حسن کے تذکرے سے سفینہ بہ سفینہ نقل ہوتے آئے ہیں، لکھے جاتے ہیں"۔ یہ بھی مصحفی ہی کی تقلید میں ہے۔ مصحفی نے تذکرۂ ہندی (صفحہ ۸۸) میں خاکسار کے اشعار میر حسن کے حوالے سے درج کیے ہیں۔

۴۔ **آفتابِ عالم تاب** : قاضی محمد صادق اختر کے اس تذکرے کا ذکر ترجمۂ اختر میں ہے۔ اختر کی تصانیف کے ذیل میں اس کا نام آیا ہے، اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ تذکرہ ناصر کی نظر سے گزرا ہوگا۔

۵ - **سراپا سخن** : ترجمۂ محسن میں ناصر لکھتا ہے :

"سید موصوف نے ایک تذکرہ اشعار تعریف سراپا میں لکھنا شروع کیا ہے، الٰہی انجام اس کا بخیر ہو۔"

۱۔ مصحفی نے لکھا ہے "محمد قائم تعریفش در تذکرۂ خویش بہ مبالغہ نوشتہ۔" (تذکرۂ ہندی، صفحہ ۱۹۰)۔

ہماری رائے میں یہی آخری تذکرہ 'خوش معرکہ زیبا' کا وہ ماخذ ہے جس کا نام نسخہ لکھنؤ کے مندرجہ بالا اقتباس میں پانچویں نمبر پر درج ہونے سے رہ گیا ہے۔

"سراپا سخن" ۱۲۶۹ھ کے آغاز میں مکمل ہوا۔ محسن و ناصر کے تعلقات کے پیش نظر یہ بعید نہیں ہے کہ محسن نے اپنا تذکرہ تکمیل کے بعد ناصر کو بھجا ہو۔ یہ بھی یقینی ہے کہ تذکرۂ احبا جو محسن کے والد شاہ حسین حقیقت کی تصنیف ہے، ناصر کو محسن ہی کے ذریعے ملا ہوگا۔ "خوش معرکہ زیبا" کے نسخہ لکھنؤ میں ناصر نے آخر تک اضافے کیے ہیں۔ اس میں اکہتر شاعر ایسے ہیں جو خوش معرکہ زیبا کے کسی اور نسخے میں نہیں ہیں۔ ظاہر ہے ان میں سے بیشتر کا ماخذ 'تذکرۂ احبا' اور 'سراپا سخن' ہوں گے۔ سترہ شاعر ایسے ہیں جو یقیناً 'سراپا سخن' سے لیے گئے ہیں، اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ان کا جو کلام دیا گیا ہے، وہ 'سراپا' سے تعلق رکھتا ہے اور 'سراپا سخن' میں موجود ہے۔ شعرا کے حالات بھی وہی ہیں جو محسن نے دیے ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ محسن نے ناصر سے استفادہ کیا ہو۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ محسن کا موضوع محدود تھا۔ اس نے صرف سراپا سے متعلق اشعار جمع کیے تھے۔ ناصر کا بھی ایسے ہی اشعار کو اپنے تذکرے میں متعدد مقامات پر جگہ دینا ظاہر کرتا ہے کہ اس نے محسن سے استفادہ کیا ہے۔ اگر خوش معرکہ زیبا کے نسخہ لکھنؤ کے علاوہ دیگر نسخوں میں بھی یہ شاعر ملتے تو کہا جا سکتا تھا کہ محسن نے ناصر سے استفادہ کیا ہے، لیکن اصل صورت حال یہ نہیں ہے۔ محسن نے جن شعرا کی پوری پوری غزلیں دی ہیں یا غزلوں کے بڑے حصے درج کیے ہیں، ناصر نے ان شعرا کے ایک ایک

دو دو شعر انتخاب کیے ہیں ۔ ایسا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے جسے ہم ناصر و محسن کا مشترک ماخذ قرار دے سکیں ، لہٰذا یہ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ناصر نے محسن کے تذکرے سے استفادہ کیا ہے ۔

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ خوش معرکۂ زیبا ، سراپا سخن کی تالیف کے وقت محسن کے سامنے تھا اور اُس نے اِس سے استفادہ کیا ہے ۔ یہاں صرف اُن شعرا سے بحث ہے جن کا ناصر نے نسخۂ لکھنؤ میں بعد میں اضافہ کیا ہے ۔ جن شعرا کا حال اور کلام ناصر نے 'سراپا سخن' سے لیا ہے ، ان کے نام یہ ہیں :

۱۔ نعیم ، نعیم اللہ (شاگردِ حاتم) ۔
۲۔ راسخ ، ظفر یاب خاں (شاگردِ منصور خاں مہر) ۔
۳۔ جوش ، احمد حسن خاں ، عرف اچھے صاحب (شاگردِ راسخ) ۔
۴۔ ماہ ، مرزا عنایت علی (شاگردِ آتش) ۔
۵۔ ناطق ، شیخ احمد شاہ (شاگردِ ماہ) ۔
۶۔ مہر ، مرزا حاتم علی بیگ (شاگردِ ناسخ) ۔
۷۔ خفی ، مرزا محمد (شاگردِ ناسخ) ۔
۸۔ قاصر ، مرزا ببر علی بیگ ۔
۹۔ کیوان ، شیخ بدلی (شاگردِ نادر) ۔
۱۰۔ اخگر ، میاں حیدری (شاگردِ نادر) ۔
۱۱۔ راجا ، راجا بلوان سنگھ (شاگردِ مہر) ۔
۱۲۔ تنہا ، منشی کفایت علی (شاگرد مہر) ۔
۱۳۔ تاثیر ، کنہیا لال (شاگردِ منیر) ۔
۱۴۔ رضوان ، واجد علی خاں (شاگردِ منیر) ۔

۱۵- سفیر ، خواجہ بادشاہ (شاگردِ وزیر) ۔
۱۶- عیش ، میر علی حسین (شاگردِ وزیر) ۔
۱۷- تجلی حیدرآبادی ، شاہ ۔

مرزا بہر علی بیگ قاصر کا ذکر ناصر تلامذہ فراق میں کر چکا تھا۔ تلامذۂ ناسخ میں بھی اس کا حال لکھا ہے اور یہ 'سراپا سخن' ہی کی تقلید میں ہے ۔ ناصر سے یہ غلطی ہوئی ہے کہ اس نے قاصر کو تلامذۂ ناسخ میں شمار کیا ہے ۔ محسن نے اسے شاگردِ فراق و مصحفی لکھا ہے ۔ اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ناصر اور محسن دونوں نے ایک دوسرے سے استفادہ کیا ہے اور دونوں نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے ۔ یہاں یہ امر ذہن نشین رہنا چاہیے کہ 'سراپا سخن' صرف مذکورہ سترہ شعرا ہی کی حد تک ناصر کا ماخذ ہے ، پورے تذکرے میں اس سے استفادہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعض شعرا کا کلام محسن نے کانپور سے ناصر کو بذریعہ ڈاک بھیجا تھا اور ناصر نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے ۔

ناصر نے جن تذکروں سے استفادہ کیا ہے ، وہ اپنی جگہ بہت اہم ہیں ، لیکن جن تذکروں کو اس نے نظر انداز کر دیا ہے ، ان کی اہمیت بھی اپنی جگہ مسلّم ہے ۔ حیرت ہے کہ میر ، گردیزی، قائم اور حسن وغیرہ کے تذکرے، جو بنیادی اہمیت رکھتے ہیں اور کسی حالت میں بھی نظر انداز نہیں کیے جا سکتے تھے ، ناصر نے ان کی طرف توجہ نہیں کی ۔ یہ کچھ ایسے نادر و نایاب بھی نہ تھے کہ ناصر کو باوجود تلاش کے نہ ملتے ۔ اگر یہ ہوتا تو ناصر ضرور اس کا ذکر کرتا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ناصر کی زیادہ تر توجہ اپنے عہد کے شعرا پر رہی ، اس لیے اس نے زیادہ سے زیادہ

تذکروں سے استفادہ کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور جو تذکرے بآسانی مل گئے انھیں پر اکتفا کی ۔

ماخذ تذکروں سے استفادہ کرنے کے سلسلے میں ناصر کا طریق کار یہ ہے کہ اس نے ایک شاعر کے لیے ایک ہی تذکرے کے بیانات کو پیش نظر رکھا ہے ۔ اگر کسی شاعر کا ذکر ایک سے زیادہ تذکروں میں ہے تو اس نے ایک سے استفادہ کیا ہے اور باقی تذکروں کو نظر انداز کر دیا ہے ۔ اس وجہ سے خوش معرکۂ زیبا' میں جامعیت پیدا نہیں ہو سکی ۔ ناصر کے سامنے جو تذکرے تھے، اگر وہ ہر شاعر کے سلسلے میں ان سب کے بیانات کو پیش نظر رکھتا تو یہ تذکرہ موجودہ صورت سے کہیں زیادہ بہتر ہوتا ۔

ناصر نے اکثر جگہ اختصار سے کام لیا ہے ۔ اگر ماخذ تذکرے میں کسی شاعر کے مفصل حالات ملتے ہیں تو ناصر نے انھیں نظر انداز کر دیا ہے ۔ صرف شاعر کا نام و تخلص لکھنے ہی پر اکتفا کی ہے ۔ مرزا رضا قلی آشفتہ ، میر امداد علی آشوب اور میر نجف علی بیباک وغیرہ متعدد شعرا کے حالات ماخذ تذکروں میں تفصیل سے ملتے ہیں لیکن ناصر نے ان سے فائدہ نہیں اٹھایا ۔ اسی طرح ناصر نے یہ بھی کیا ہے کہ ماخذ تذکروں سے جزوی طور پر حالات لے لیے ہیں اور بعض اہم امور کو چھوڑ دیا ہے ۔ اس کی مثالیں حافظ عبدالرحمان احسان ، مرزا جواد علی احقر اور میر امانی اسد وغیرہ کے تراجم میں ملتی ہیں ۔

بعض جگہ ایسا بھی ہوا ہے کہ ناصر نے ماخذ تذکروں سے فائدہ نہیں اٹھایا اور شعرا کے حالات از خود لکھے ہیں ۔ مثلاً حسین علی خاں اثر ، احسان لکھنوی ، شیخ مہدی علی ذکی اور سودا وغیرہ

کے جو حالات ماخذ تذکروں میں ملتے ہیں ، ناصر نے انھیں نظر انداز کر دیا ہے اور جو کچھ لکھا ہے ، اپنی طرف سے لکھا ہے ۔

ماخذ تذکروں سے استفادہ کرتے ہوئے بعض عبارتوں کا ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے ۔ مثلاً آفتاب رائے رسوا ، میر درد ، سعادت یار خاں رنگین ، طالب کشمیری ، شاہ کمال ، محمد حسین کلیم اور متعدد دوسرے شعرا کے تراجم میں ایسی عبارتیں ملتی ہیں جو ماخذ تذکروں کی عبارتوں کا لفظ بلفظ ترجمہ ہیں ۔ استفادے کی یہ صورت جہاں کہیں ملتی ہے ، وہاں ناصر نے بڑی حد تک اصل کی پیروی کی ہے لیکن کہیں کہیں بعض مطالب کا اضافہ بھی کر دیا ہے ۔ مثلاً میر درد اور شاہ عالم کا واقعہ جو ناصر نے ترجمۂ درد میں لکھا ہے ، ان الفاظ میں ہے :

> "۔ ۔ ۔ بادشاہ عالی گوہر شریکِ صحبت ہوتے تھے ۔ ایک دن دو زانو بیٹھنے کا دیر اتفاق رہا ، قدم مبارک درد کر اٹھا ، بادشاہ نے ایک زانو کو دوسرے زانو پر رکھ لیا ۔ نظر خواجہ صاحب کی ناگاہ بادشاہ پر جا پڑی ۔ وہ کھنڈی کہ فقیروں کے پاس ہوتی ہے ، بہ قوتِ تمام بادشاہ کے زانو پر ماری ۔ بادشاہ نے شکوے کے عوض عذر دردِ پا پیش کیا ۔ میر درد صاحب نے کمال بے دردی سے فرمایا کہ ایں خانۂ درد است ، سراپا درد شو ، وگرنہ ازیں جا بیروں رو ۔"

تذکرۂ ہندی میں یہ واقعہ اس طرح ہے :

> "۔ ۔ ۔ روزے حضرت ظل سبحانی برائے زیارت ایشان

آمدہ بودند ۔ بعد نشستن در مجلس عذر درد بمیان آوردہ ، اندکی پا را دراز ساختند ۔ مشار الیہ از مشاہدۂ ایں حالت منغض شدہ ، ایں قاعدہ را خلاف معمول دانستہ ، خودہم بہ طرف بادشاہ پا دراز ساخت"۔(ترجمہ درد ، صفحہ۹۳-۹۲)

ناصر نے اس واقعے میں جو ترمیم اور اضافہ کیا ہے وہ ظاہر ہے ۔ دراصل یہ ناصر کا قصہ گوئی کا شوق ہے جو اسے ہر واقعے کو دلچسپ سے دلچسپ بنانے پر مجبور کرتا ہے ۔ اسی طرح محمد حسین کلیم کے بارے میں لکھا ہے :

"محمد قائم نے اس کو شاگرد اپنا بہت تعریف کے ساتھ لکھا ہے ۔"

یہ مصحفی کے اس جملے (تذکرۂ ہندی ، صفحہ ۱۹۷) کا ترجمہ ہے :

"محمد قائم تعریفش در تذکرۂ خویش بہ مبالغہ نوشتہ ۔"

'شاگرد اپنا' کے الفاظ ناصر کا اضافہ ہیں اور مصحفی نے ایسی کوئی بات نہیں لکھی ۔

ناصر نے مصحفی ، سرور اور شیفتہ کے تذکروں سے جزوی طور پر استفادہ کیا ہے ۔ ان تذکروں کے شعرا کی ایک بہت بڑی تعداد کو اس نے نظر انداز کر دیا ہے ۔ ان میں بے شمار شاعر ایسے ہیں جن کا 'خوش معرکۂ زیبا' کے پہلے دونوں حصوں میں تذکرہ آ سکتا تھا ۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ناصر اپنے تذکرے کو زیادہ ضخیم بنانا نہیں چاہتا تھا ، اس لیے اس نے ماخذ تذکروں سے ایسے شعرا انتخاب کر لیے جو اس کے نزدیک اہم تھے ۔ کسی شاعر کی اہمیت کا معیار ناصر کے نزدیک کیا تھا ؟ اس کی صراحت ناصر نے

کی ہے اور نہ ہم کر سکتے ہیں ، تاہم اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ ناصر نے اپنے تذکرے میں چند اساتذہ ہی کے سلسلے کو بیان کرنے پر اکتفا کی ہے۔ اگر وہ تمام شعرا کے شاگردوں اور پھر ان کے شاگردوں کا ذکر کرتا تو یہ تذکرہ موجودہ صورت سے کہیں زیادہ ضخیم ہوتا نیز اگر وہ صرف اپنے ماخذ تذکروں ہی کے تمام شاعروں کا احاطہ کرتا تو شعرا کی تعداد کئی ہزار تک جا پہنچتی۔

ناصر نے عموماً ماخذ تذکروں کے بیانات کو من و عن قبول کرلیا ہے ، لیکن کہیں کہیں ان تذکروں پر تنقید بھی کی ہے اور ان کے بیانات کو پرکھنے کی کوشش کی ہے۔

یہ عمل عموماً ایسے مقامات پر ہوا ہے جہاں ناصر متعلقہ شاعر سے ذاتی طور پر واقف تھا ، اگر وہ کسی ایک ہی شاعر کے بارے میں ماخذ تذکروں کے بیانات کا باہمی مقابلہ کرتا تو اسے بہت سے مقامات پر تنقیدی تجزیے کی ضرورت پیش آتی ، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے ، وہ عموماً ایک شاعر کے بارے میں ایک ہی ماخذ تذکرے کے بیانات پر انحصار کرتا ہے اور یہ نہیں دیکھتا کہ اسی شاعر کے بارے میں دوسرے تذکرہ نگاروں نے کیا لکھا ہے۔

ناصر نے تذکرہ نگاروں پر جو تنقید کی ہے ، اس کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ اس کا انداز تحقیق کیا ہے۔ ترجمۂ محزوں (شاہ عالم) میں وہ لکھتا ہے :

> ''میاں مصحفی نے اس کو باشندہ امروہے کا لکھا ہے
> . . . شیفتہ اپنے تذکرے میں مشائخ زادہ گڈھ مکتیشر
> کا قرار دیتے ہیں اور مصحفی پر یہ الزام رکھتے ہیں کہ

دریں جا از وادیِ تحقیق برکراں افتادہ ۔ فقیر نے جو ان
کے تذکرے کی سیر کی ، بہت سا خلاف اس میں دیکھا ۔
چنانچہ مرزا حاجی قمر کو مرزا تقی کا [بیٹا] لکھا ہے ،
وہ فرزند ارجمند مرزا جعفر صاحب کے ہیں ۔ اور
طالب علی خاں عیشی کو شاگرد میاں مصحفی کا قرار
دیا ہے ، ان کو میر انشا اللہ خاں سے تلمذ تھا ۔
کرامت اللہ (کذا) شہیدی کو رہنے والا لکھنؤ کا لکھتے
ہیں ، وہ بانس بریلی کا متوطن ہے ۔ دور دستوں کی روداد
میں ہر شخص معذور ہے"۔

آخری جملہ لکھ کر ناصر نے اپنی کوتاہیوں کا بھی جواز پیش
کر دیا ہے ۔

ناصر نے حتی الامکان شعرا کے حالات میں تفصیل سے کام لیا ہے ۔
اگرچہ اس نے شعرا کے حالات زندگی کی جملہ تفصیلات مہیا نہیں کیں ،
لیکن بعض شعرا کے سلسلے میں ایسی تفصیل سے کام لیا ہے جس کی
مثال اس سے پہلے کہیں نہیں ملتی ۔ سودا ، ذاکر ، مصحفی ، پروانہ ،
انیس ، شہید اور متعدد دوسرے شعرا کے بارے میں تفصیل سے لکھا
ہے اور اس طرح ان شعرا سے متعلق بہت سی نئی معلومات سامنے آتی
ہیں ۔ میر کے بارے میں کئی ایسے واقعات ناصر نے لکھے ہیں ، جن
سے میر کے کردار کی بعض اہم خصوصیات واضح ہوتی ہیں ۔

جہاں کسی شاعر کے بارے میں کوئی واقعہ یا لطیفہ یاد آتا
ہے ، ناصر اسے درج کر دیتا ہے ۔ یہ واقعات ایک طرف شاعر کے
بارے میں نئی معلومات پیش کرتے ہیں اور دوسری طرف تذکرے
میں دل چسپی کی فضا بھی پیدا کرتے ہیں ۔ ناصر کی تذکرہ نگاری کی

یہ خصوصیت ایسی ہے جو اس کے پیش رو تذکرہ نگاروں میں بہت کم پائی جاتی ہے۔ ناصر سے پہلے کے کسی تذکرہ نگار نے شعرا کے بارے میں اتنی کثرت سے واقعات پیش نہیں کیے۔ مولانا آزاد نے ''آب حیات'' میں جو انداز اختیار کیا ہے، اس کے ابتدائی نقوش 'خوش معرکۂ زیبا' ہی میں ملتے ہیں اور کوئی تعجب نہیں کہ شگفتگی اور شگفتہ بیانی کا یہ پیرایہ آزاد نے ناصر ہی کی پیروی میں اختیار کیا ہو۔

مختلف شاعروں سے متعلق جو واقعات ناصر نے بیان کیے ہیں، ان میں سے زیادہ تر ہم عصر شعرا سے متعلق ہیں جو اس کے ذاتی مشاہدے کا نتیجہ ہیں، یا پھر وہ بعض لوگوں کی بیان کردہ روایات پر مبنی ہیں۔ عموماً ہر واقعے کے ساتھ ناصر نے یہ وضاحت کی ہے کہ اس نے یہ واقعہ کسی سے سنا ہے یا خود مشاہدہ کیا ہے۔

ناصر نے بہت سے چشم دید واقعات بھی درج کیے ہیں۔ اس طرح تذکرے میں خود نوشت سوانح عمری کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہے، نیز ان واقعات سے جہاں متعلقہ شاعروں کے بارے میں بعض نئی معلومات سامنے آتی ہیں، وہیں اس عہد کی معاشرت کی تصویریں بھی ملتی ہیں۔ مثلاً:

۱۔ لاڈو جان کے امام باڑے کی مجلس کا واقعہ —— شاگردانِ انیس میں سے ایک صاحب کا حسین مرزا عشق (داماد میر ضمیر) کے بارے میں یہ خیال ظاہر کرنا کہ میر ضمیر نے چند مرثیے عشق کو جہیز میں دیے تھے۔

۲۔ مولوی محمد بخش شہید کی گرفتاری کا واقعہ جب پیش آیا تو ناصر داروغہ عاشق علی خاں کے دفتر میں موجود تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں کی عمل داری میں 'زر ٹیکس'

کی وصولی کے لیے کسی قدر سخت گیری روا رکھی جاتی تھی۔

۳۔ امانت کی اندر سبھا کا آنکھوں دیکھا حال ، جو ناصر نے پیش کیا ہے ، بہت سی نئی معلومات کا حامل ہے۔

ناصر نے صرف اپنے مشاہدے یا معلومات پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ دوسروں سے سنی ہوئی روایات کو بھی درج تذکرہ کیا ہے اور ایسے تمام مقامات پر راوی کا حوالہ دے دیا ہے۔ میر علی اوسط رشک کے حالات خود انھی کی زبانی بیان کیے ہیں۔ میر سے متعلق واقعات مرزا مغل سبقت اور مذنب کی زبانی درج کیے ہیں۔ عیشی ، مصحفی ، پروانہ اور منصور خاں مہر کے تراجم میں بعض واقعات مرزا خانی نوازش کے حوالے سے آئے ہیں۔ ترجمۂ عیشی میں عاشور علی خاں کی بیان کردہ ایک روایت ہے۔ ترجمۂ مصحفی میں اشرف خاں (شاگرد مصحفی) کے حوالے سے ایک واقعہ لکھا ہے۔ نواب حسین علی خاں اثر کے احوال میں آغا حسن شرر کی بیان کردہ ایک روایت درج کی ہے۔ الغرض متعدد مقامات پر ناصر نے اپنے عہد کے دوسرے لوگوں سے سنی ہوئی باتیں انھیں کے حوالے سے سپرد قلم کردی ہیں۔ اس طرح تذکرے میں بہت سے دل چسپ واقعات جمع ہو گئے ہیں ، جن سے ناصر کے واقعات کو قلم بند کرنے کے رجحان کا اور راوی کا حوالہ دینے سے محتاط تحقیقی مزاج کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس تذکرے کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے طنز و مزاح کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ جہاں اسے کوئی ایسی بات نظر آتی ہے جو ہدف طعن بن سکتی ہو تو وہ اسے بیان کرکے فوراً اپنے تیر و نشتر کی تیزی آزماتا ہے۔ اس طریقِ کار نے اگرچہ اس تذکرے میں عام بیانیہ انداز کی بے روح فضا پیدا نہیں ہونے دی ، لیکن اس سے مصنف کو یہ نقصان پہنچا کہ اس کے ہم عصروں

کی دل شکنی ہوئی اور انھوں نے تذکرے اور تذکرہ نگار کی مخالفت کی جس کی تفصیل پیش کی جا چکی ہے۔ ناصر کے طنز میں بلا کی ذہانت پائی جاتی ہے۔ کہیں تو وہ یہ طنز رعایت لفظی سے پیدا کرتا ہے اور کہیں محض بیان واقعہ سے اور کہیں واقعہ بیان کرنے کے بعد اپنے تبصرے سے۔ یہ تبصرہ عموماً ایک مختصر سے جملے پر مشتمل ہوتا ہے۔ حیرت ہے کہ ناصر کی اس ذہانت کا اظہار اس کی شاعری میں کیوں نہیں ہوا۔ اس کے تیر و نشتر کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔ سید ابوتراب انسخ کے حال میں لکھا ہے:

"....پہلے طور تخلص تھا۔ جب مرزا محمد رضا برق نے اپنے شاگرد کا تخلص طور کیا، اس نے باشارۂ استاد اپنا انسخ رکھا۔ بھائی کا عوض نائی سے لیا۔ نئی حکمت اور طرفہ لطیفہ ہے۔"

میر کلو عرش کے تخلص تبدیل کرنے پر یوں تبصرہ کیا ہے:

"پہلے تخلص میر موصوف کا زار تھا، اب اگر تخلص کو باز گشت ہو گی تو سوا لا مکان کے مسکن ہونا معلوم۔"

عنایت اللہ حجام سودا کا شاگرد تھا۔ استادی شاگردی کے تعلق کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

"مرزا سودا کے خط کے بنانے سے اصلاح پذیر ہوا۔"

مزاح پیدا کرنے کے لیے ناصر نے کہیں کہیں خاصی بے دردی سے بھی کام لیا ہے۔ اگر کسی شاعر میں کوئی جسمانی عیب ہے تو اسے بھی نشانۂ تضحیک بنایا ہے۔ میاں رمضانی جولاں، جرأت کے شاگرد

تھے اور نابینا تھے ، ان پر یہ جملہ کسا ہے : ''چشم اس کی نور سے بیکار ، گویا اُستاد کا خاص الخاص یادگار تھا''۔ میر دوست علی زلال کے بڑھاپے کی تصویر کشی یوں کی ہے : ''اب بہ سبب پیر سالی کے وہ زلال درد ہو گیا ہے'' ۔ ناصر نے تذکرے کے خاتمے میں اپنے مزاحیہ انداز کا جواز ان الفاظ میں پیش کیا ہے :

''کہیں کہیں جو لطائف اور ظرائف اس میں ہے ، وہ بھی لطف سے خالی نہیں :

نشانِ مومنیت ہے ظرافت
شعارِ انبیا و اولیا ہے
قدِ معشوق کو کہیے اگر تاڑ
تعلی ہے اہانت اس میں کیا ہے''

ناصر نے جا بجا لطائف بھی بیان کیے ہیں ، جن کا مقصد کہیں تو محض شگفتگیٔ بیان ہے اور کہیں متعلقہ شاعر کی تضحیک ۔ یہ لطائف مرزا خانی نوازش ، اللہ یار خاں سحاب ، میر سوز ، مرزا دبیر ، سید میر جان ذاکر ، ملول اور دوسرے شعرا کے تراجم میں ملتے ہیں ۔

شعرا کے حالات میں ان کے پیشے ، خاندان یا نام و تخلص کی رعایت سے بہت فائدہ اٹھایا گیا ہے ، اور اس طرح متعلقہ شاعر کے بارے میں مزاحیہ و طنزیہ انداز اختیار کیا گیا ہے ۔

قادر علی مجرم کے بارے میں لکھا ہے : ''اگرچہ دلال بازار جفت فروشاں ہے ، لیکن اس کے قالب طبع میں شعر خوب ڈھلتے ہیں ۔'' گور بخش ادیب کے بارے میں کہا ہے :''شخصیت شاعری کا ننگ و عار . . . . قوم کمہار''۔ شیخ بہادر علی شجاعت کے والد کا نام شیخ مداری تھا ، اس پر یہ تبصرہ کیا ہے : ''شرافت نام سے ظاہر''۔ شیخ

مداری ضمیر کے بارے میں بھی یہی بات لکھی ہے : ''شرافت اس کے نام سے عاری ہے ۔''

طنز و مزاح سے ہٹ کر ناصر نے بعض شعرا کے خلاف صاف صاف لفظوں میں اظہار خیال کیا ہے ۔ مثلاً ساحر (شاگرد علی) کے بارے میں لکھا ہے :

''یہ شاعروں میں ایسے ہیں جیسے بادشاہوں میں طائف الملوک ۔''

میر وزیر نور کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے :

''مرد مغرور الفربہ خواہ مخواہ بھلے مانس مشہور ، بی ملانی کے آشنا ، ماشاء اللہ نور علی نور ، رجولیت سے دور ، بالفعل اس کے حضور برائے مسابقہ آمادہ ضرور ۔''

شیخ فیض اللہ محو (شاگرد منیر) کے بارے میں لکھا ہے :

''قدم بہ قدم استاد بلکہ یک دو گام زیاد ۔ موقع و محل سمجھ کر یہ نثر گلستان کی لکھی جاتی ہے : بنیاد[1] ظلم اول اندک بود ، ہر کہ آمد بر آن مزید کرد بدین غایت رسید ۔''

نواب مرزا شوق کے بارے میں یوں اظہار خیال کیا ہے :

''گو فن شاعری میں بہرہ نہیں مگر پانچوں سواروں میں نام ملایا ہے ۔ پیشِ طبیب منجم اور پیش منجم طبیب کا آپ ہی مزا پایا ہے ۔ بے استاد ، تلمذ شعرا سے انکار ہے ، خود استادیِ معلم الملکوت کا اقرار ہے ۔''

۱۔ گلستان کی اصل عبارت یہ ہے : ''بنیاد ظلم اندر جہاں اول اندک بودہ است و ہر کس کہ آمدہ براں مزید کردہ تا بدیں غایت رسید ۔''

اور شوق کی مثنویوں کی زبان کے بارے میں لکھا ہے :

"یہ زبان محلات کی عورات کی نہیں ہے ، ہاں اگر حکیم زادیوں کی ہو تو تعجب نہیں ۔"

امداد علی یاور اور محمد تقی اختر کے بارے میں بھی نہایت سخت زبان استعمال کی ہے ۔

شعرا کے خلاف لکھنے میں ناصر نے زیادہ احتیاط سے کام نہیں لیا ۔ یا تو ذاتی عناد کی وجہ سے لکھا ہے جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے ظاہر ہے ، یا پھر اِدھر اُدھر کے سنے سنائے واقعات لکھ دیے ہیں ۔ ایسا ہی ایک واقعہ میر درد کے بارے میں لکھا ہے کہ انھوں نے ایک مینا کی گردن محض اس لیے مڑوڑ دی کہ وہ 'یا علی مدد' کی صدا لگاتی تھی ۔ اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے میر درد کو 'تعصب پیشہ' کہہ کر یاد کیا ہے ۔ یہ واقعہ صریحاً غلط ہے اور میر درد جیسے بزرگ سے اسے وابستہ کرنا صریحاً زیادتی ہے ۔ اسی طرح مومن خاں مومن کے بارےمیں بھی یہ غیر محتاط بیان دیا ہے : "غرور شاعری از حد ، معاصرین سے کاوش و کد ۔" اس کی تائید کسی دوسرے ذریعے سے نہیں ہوتی ۔

بعض شعرا کے خلاف ناصر نے کسی ذاتی پرخاش کی بنا پر نہیں لکھا بلکہ کسی دوسرے تذکرہ نگار کے بیان کو دہرا دیا ہے ، جیسے مرزا علی نقی محشر کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ مصحفی کے بیان (تذکرۂ ہندی) کی صداے بازگشت ہے ۔ سودا نے جن شعرا کی ہجو لکھی ہے ، ان کےبارے میں بھی ناصر کا رویہ غیر ہمدردانہ ہے ۔ اس نے ضاحک ، قدوی لاہوری ، جعفر علی حسرت اور افسوس وغیرہ کو اچھے لفظوں میں یاد نہیں کیا ۔

ہر جگہ ناصر نے بلا وجہ شعرا کو ہدفِ طعن و ملامت نہیں بنایا ، بعض شعرا کے خلاف لکھنے کے لیے اس کے پاس معقول جواز تھا ۔ مثلاً میر حسین علی تاسف کے لیے ''عادی دخل و تصرف . . . . . نہایت خود بین اور خود پسند ، ارواح مرحومان اس سے درد مند . . . . . '' جیسے الفاظ لکھے ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تاسف نے ایک رسالہ لکھا تھا جس میں اساتذہ کے اشعار پر اعتراضات کیے گئے تھے ۔ ناصر نے ان اعتراضات کے جواب دیے ہیں اور طنز کے چھینٹے بھی اڑائے ہیں ، یا پھر منور خاں غافل کے خلاف اس لیے لکھا ہے کہ اس نے تعزیے کی بے حرمتی کی تھی ۔

ناصر نے عشق و عاشقی خصوصاً امرد پرستی کی داستانیں خوب مزے لے لے کر بیان کی ہیں ۔ ان سے جہاں ایک طرف خود ناصر کی رنگینیِ طبع کا اندازہ ہوتا ہے ، وہیں دوسری طرف اس زمانے کی معاشرت کی تصویر بھی سامنے آ جاتی ہے ۔

محمد بخش شہید اور مکرم علی خاں کے تعلقات کی داستان بیان کرتے ہوئے ناصر نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ مکرم علی خاں نے مولوی صاحب کے انتقال کے بعد ایامِ عدت پورے کیے ۔ شیریں طوائف کے ذکر میں میر مہدی سپہر اور بحر سے تعلقات کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے ۔ ناسخ کی امرد پرستی کے بارے میں تو خوب تفصیل سے لکھا ہے ۔ سیوا رام شائق کے شاگرد شجاعت[1] اور

۱- خود شجاعت کے بارے میں ناصر نے لکھا ہے: ''......سرکار مرزا حاجی صاحب میں واسطے غور پرداخت خیراتی خاں اور لاڈلے پرشاد کے بہ موجب مصرع :

قحبہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی

لازم رہا'' ۔ (ترجمۂ شجاعت)

بانکے بہاری پر ناسخ کی 'نظرِ شفقت' کا حال دل چسپ پیرائے میں پیش کیا گیا ہے۔ 'مرزائی صاحب' سے ناسخ کے خصوصی تعلقات کی داستان بھی خاص انداز میں بیان کی گئی ہے۔ میر عسکری سالم اور بخشو جراح کے لڑکے کے معاشقے کا ذکر بھی دل چسپی سے خالی نہیں۔

اس تذکرے سے متعدد شعرا کے بارے میں ایسی معلومات حاصل ہوتی ہیں جو کسی دوسرے ذریعے سے نہیں ملتیں۔ مثلاً :

١۔ امانت اور اس کی 'اندر سبھا' کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔

٢۔ ناسخ کی امرد پرستی کے بارے میں یہ تذکرہ پہلا اور آخری ماخذ ہے۔

٣۔ مصحفی و انشا کی معرکہ آرائیوں کی جو تفصیل ناصر نے بیان کی ہے، وہ کسی دوسری جگہ نہیں ملتی۔ اسی طرح دوسری ادبی معرکہ آرائیوں کی تفصیل بھی اس میں ملتی ہے، جن کا مفصل بیان آگے آئے گا۔

٤۔ ضمیر و دبیر کی باہمی ناراضی کے واقعے کا علم پہلی مرتبہ اسی تذکرے سے ہوتا ہے۔

٥۔ مثنوی میر حسن کے سببِ تصنیف کا واقعہ بھی ناصر ہی نے پہلی بار بیان کیا ہے۔

٦۔ میر تقی میر کے مزاج کے بارے میں ناصر نے ایسے واقعات لکھے ہیں جو پہلی مرتبہ اس تذکرے کے ذریعے منظر عام پر آئے ہیں۔

ناصر نے اپنے عہد سے پہلے کے اکثر شعرا کے بارے میں زیادہ تحقیق نہیں کی اور کسی ایک ماخذ تذکرے کو بنیاد بنا کر ان کے

حالات لکھ دیے ہیں ۔ اپنے عہد کے شعرا میں سے بعض کے بارے میں
تو بڑی تفصیل سے کام لیا ہے لیکن بیشتر کا ذکر ایک آدھ جملے
میں ختم کر دیا ہے ۔ شعرا کی پیدائش و وفات کے سلسلے میں بھی
کوئی خاص التزام نہیں رکھا ۔ مصحفی کے تذکرے اس کے سامنے تھے،
ان کی تقلید میں ناصر کم از کم شاعروں کی عمریں تو لکھ سکتا تھا،
لیکن اس نے ایسا بھی نہیں کیا ۔ معتدد شعرا کی وفات کی تاریخیں ضرور
دی ہیں (مثلاً سودا ، سوز ، ناسخ ، مذنب ، مصحفی وغیرہ) لیکن اس
سلسلے میں باقاعدگی سے کام نہیں لیا ۔ بعض شعرا کی وفات کی تاریخیں
اس کی دسترس سے دور نہ تھیں لیکن اس نے انھیں درج نہیں کیا ۔

اس تذکرے میں ناصر نے تین جگہ اُردو شعرا کی نثر کے
نمونے بھی دیے ہیں ۔ ایک شیخ مغل فانی کے رقعے کا اقتباس ہے ،
جو رعایت لفظی سے مزین لکھنوی نثر کا مختصر مگر نمایندہ نمونہ
ہے ۔ دوسرا نمونہ میر حسین تأسف کے اُس رسالے کی نثر کا ہے
جس میں بعض شعرائے لکھنؤ پر اعتراضات کیے گئے تھے ۔ ناصر نے
ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے تأسف کے اعتراضات اسی کی زبان
میں نقل کیے ہیں ۔ تیسرا نمونہ ناسخ کی نثر کا ہے ؛ قتیل نے موجی
رام موجی کے شعروں پر اعتراضات کیے تھے ، ناسخ نے ان اعتراضات
کا جواب لکھ کر موجی رام کو دیا تھا ۔ ناصر نے ناسخ کی اصل
عبارت کا اقتباس دیا ہے ، یہ ناسخ کی اُردو نثر کا واحد نمونہ ہے جو
دستیاب ہوا ہے ۔ تأسف اور ناسخ کی تحریریں اُس عہد کی لکھنوی
تنقید کے نمونوں کے اعتبار سے تاریخی اہمیت کی حامل ہیں ۔

انتخابِ کلام کے سلسلے میں ناصر نے کسی اصول کو پیش نظر
نہیں رکھا ۔ شعرا کی بڑی تعداد ایسی ہے جن کے صرف ایک یا دو

شعر انتخاب میں دیے ہیں ۔ خصوصاً تذکرے کے آخری دو حصوں میں تو زیادہ تر ایک ایک شعر ہی دیا ہے ۔ جن شعرا کے تراجم ناصر نے دوسرے تذکروں سے اخذ کیے ہیں ، وہاں انتخاب کے سلسلے میں ایک آدھ کے سوا (مثلاً حسن یار خاں افضل) ہر جگہ متعلقہ تذکروں ہی کی پیروی کی ہے اور عموماً ان تذکروں کے انتخاب ہی میں سے شعر منتخب کر لیے ہیں[1] ۔ اپنے عہد کے شعرا کا انتخاب ناصر نے سیر حاصل دیا ہے ، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ متعلقہ شعرا کے دواوین ناصر کے پیش نظر تھے ۔ اس نے ان شعرا کے انتخاب میں اشعار کی تعداد کی قید نہیں رکھی ۔ بعض کے محض چند شعر دیے ہیں اور بعض مثلاً جرأت ، مصحفی ، انشا ، حسرت ، عیشی ، ہوس ، مومن ، بحر ، برق ، وزیر ، آتش ، ناسخ ، رشک ، صبا وغیرہ کے پچاس پچاس سے بھی زائد شعر لکھے ہیں ۔ ناسخ کے شعر سب سے زیادہ ہیں یعنی ننانوے ۔ اس کے بعد ناصر کا اپنا کلام ہے جو نوے اشعار پر مشتمل ہے ۔

ناصر نے صرف غزلوں ہی کے اشعار منتخب کیے ہیں ۔ بہ قول خود اس نے ''اشعارِ عاشقانہ'' سے یہ تذکرہ مرتب کیا ہے(ترجمۂ سوزاں ، سید حسن علی) اور اس اصول پر پابند رہنے کی یہاں تک کوشش کی ہے کہ تلاش کرکے میر انیس کی ایک غزل شاملِ تذکرہ کی ہے اور اس کے مراثی میں سے انتخاب نہیں کیا ۔ واضح رہے کہ انیس کی یہی ایک غزل ہے جو اب تک دستیاب ہوئی ہے ۔ اس اصولِ اِنتخاب کی سختی سے پابندی کرنے کے باوجود تذکرے میں بعض دوسری اصنافِ سخن کے نمونے بھی ملتے ہیں ۔ مثلاً مشیر ، کرامت علی اظہر ، میر

۱۔ ناصر نے ایسے شعرا کو شامل تذکرہ نہیں کیا جن کا کلام اسے دست یاب نہیں ہوا ۔ چندو لال شاداں کے استاد کا ذکر اسی وجہ سے نہیں کیا گیا ۔(ترجمۂ شاداں)

محمد شائق ، عاشور علی خاں اور دبیر وغیرہ کے انتخاب کلام میں مراثی ، رباعیات ، سلام و منقبت اور قطعات تاریخ وغیرہ کے نمونے ملتے ہیں ۔ ناصر نے جن شعرا کا انتخاب براہ راست ان کے دواوین سے کیا ہے ، ان کی اکثر پوری پوری غزلیں درج کر دی ہیں یا پھر چند غزلوں کے زیادہ سے زیادہ اشعار درج کیے ہیں ۔ مثلاً ناصر نے اپنے پانچوں دیوانوں کا طویل انتخاب دیا ہے ، اس انتخاب میں صرف ۲۲ غزلوں کے اشعار ہیں ۔

تعدادِ اشعار کے سلسلے میں ناصر نے کوئی خاص معیار پیش نظر نہیں رکھا ۔ اکثر شعرا جن کی بے حد تعریف کی ہے ، ان کا ایک آدھ شعر ہی انتخاب میں دیا ہے اور بعض شعرا جن کے خلاف لکھا ہے ، ان کا طویل انتخاب دیا ہے ۔ منور خاں غافل کے خلاف لکھا ہے ، لیکن اس کا انتخاب اچھا خاصا طویل ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ناصر نے شاعر کی ذات کو نہیں ، اس کے کلام کو پیش نظر رکھا ہے ۔

ناصر نے فحش اشعار کے انتخاب میں بھی خاصی بے باکی سے کام لیا ہے ۔ فحش گو شعرا ہی کا انتخاب پیش نہیں کیا بلکہ عام شعرا کے ذکر میں بھی جہاں کہیں موقع ہوا ایسے اشعار داخل کر دیے ہیں جو فحش گوئی کے تحت آتے ہیں ۔ خصوصاً جہاں کہیں شعرا کی معرکہ آرائیوں کا ذکر ہے ، وہاں چن چن کر ایسے اشعار جمع کر دیے ہیں ۔

انتخابِ کلام پیش کرتے وقت ناصر کو جہاں کہیں کسی دوسرے شاعر کا ہم مضمون شعر یاد آ جاتا ہے ، وہ اسے بھی درج کر دیتا ہے ۔ بقا ، فدوی لاہوری اور بعض دوسرے شعرا کے تراجم میں 'ہم مضمون' شعر پیش کیے ہیں ۔ اس سلسلے میں ناصر کا موقف یہ ہے کہ کسی شعر کے جواب میں شعر کہنا معیوب نہیں ۔ (ترجمۂ بقا)

ناصر نے بعض جگہ اشعار سے متعلق لطائف یا واقعات بھی بیان کیے ہیں اور کہیں کہیں اشعار کا پس منظر بھی واضح کر دیا ہے ، مثلاً مظلوم شاہ مظلوم کے اس شعر :

ہو گیا بدظن مجھے زاہد شرابی جان کر
شیشۂ دل سنگ پر مارا گلابی جان کر

کے بارے میں بتایا ہے کہ ''بی جان ایک طوائف ہے ، اس کی تمنا سے یہ غزل اس نے کہی ہے ۔''

انتخاب کلام میں بعض جگہ اشعار کا متن ، ماخذ تذکروں میں مندرج متن سے یا متعلقہ شعرا کے دواوین کے متن سے مختلف ہے ۔ ایسے موقعوں پر یہ گمان گزرتا ہے کہ ناصر نے کہیں عمداً تو ایسا نہیں کیا ؟ 'تحقیق نامہ' میں انتخاب کلام کا ماخذ تذکروں اور شعرا کے دواوین سے مقابلہ کیا گیا ہے ، ایسی بہت سی مثالیں نظر آئیں گی کہ اشعار کے متن میں اختلاف ہے ، اسے ناصر کی 'جرأتِ رندانہ' کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے ؟

ناصر کا تنقیدی شعور پختہ تھا ، اس کا مطالعہ وسیع تھا اور وہ زبان و بیان کی نزاکتوں سے پوری طرح واقف تھا ۔ اس کا ثبوت تذکرے سے جا بجا ملتا ہے ۔ مثلاً ناصر کے مندرجہ ذیل شعر :

ملے نہ رخ سے اگر غازۂ عذار ہوں میں
نہ آنے دے مجھے آنکھوں میں گر خمار ہوں میں

پر ناسخ نے یہ اعتراض کیا کہ اس میں خمار ، نشے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے جو درست نہیں ۔ ناصر نے جواب میں کہا :''خمار کے معنی لغت میں کیفیتِ شراب کے آئے ہیں'' اور ساتھ ہی سند میں ایک فارسی شعر پیش کر دیا ۔ ناصر نے اپنے ایک اور شعر پر بھی ناسخ کے

اعتراض کا جواب درج کیا ہے ۔ ناسخ علم اور شاعرانہ رتبے میں ناصر سے کہیں آگے تھے، اس کے باوجود ناصر نے ان کے سامنے اپنی رائے بے باکی سے پیش کی ، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ناصر اظہار رائے میں کسی مصلحت کو پیشِ نظر نہ رکھتا تھا ۔ ناصر نے میر حسین تأسف کے اعتراضات (جو کلام اساتذہ پر تھے) کا مدلل جواب بھی دیا ہے ۔

انتخاب کلام میں جہاں کہیں ناصر کو کوئی سقم نظر آتا ہے ، وہ اس کی نشان دہی کر دیتا ہے ۔ اس کی مثالیں قدرت ، عیشی ، ممنون ، مصحفی ، فرد ، عظیم اور بعض دوسرے شعرا کے کلام میں ملتی ہیں ۔ یہ اعتراضات زیادہ تر زبان و بیان اور قافیہ و ردیف کے متعلق ہیں اور فنی نوعیت کے ہیں ۔ ان اعتراضات کی نوعیت ذیل کی دو مثالوں سے واضح ہو گی ۔ فرد کا شعر ہے :

وصف ہو سکتا نہیں ہے اس کے حسن پاک کا
بند حیرت سے ہے دم آئینۂ ادراک کا

اس پر یہ اعترض کیا ہے : ''بند ہونا دم کا طوطی و بلبل کے واسطے ہے ، آئینے کا دم بند ہونا اس کی ایجاد ہے ۔''

مرزا عظیم بیگ عظیم کا شعر ہے :

اک دن جو نکلا گھر سے خطِ شعاع کی صورت
بکھرا ہوا بدن پر ہر تار پیرہن تھا

اس شعر پر یوں تبصرہ کیا ہے : ''شعاع کا عین تقطیع میں نہیں آتا ، یہ تکبر و غرور کا عین نتیجہ ہے ۔''

بعض مقامات پر دوسروں کے اعتراضات کو رد بھی کیا ہے اور ان کا جواب دیا ہے اور بعض جگہ غلطیوں کا جواز بھی پیش کیا ہے ۔ خواجہ مصاحب علی راوی نے میر خلیق کی تاریخ وفات کا مادہ

''میر خلیق مر گئے'' کہا تھا ۔ اس پر اعتراض ہوا کہ جس 'ی' پر ہمزہ ہو اس کے بیس عدد شمار کیے جاتے ہیں ، لیکن راوی نے صرف دس عدد شمار کیے ہیں ۔ ناصر اس پر تبصرہ کرتا ہے : ''چونکہ تاریخ اچھی ہے ، اس کی درستی کے واسطے ایک استاد کا قول بیان کیا جاتا ہے ۔ میاں مصحفی نے رام پور کی لڑائی کے فتح ہونے کی یہ تاریخ کہی ہے :

فتح آصف کی ہوئی دشمن بے دیں بھاگا

'ی' کے دس لیے ہیں ، جسے شبہہ ہو ، حساب کر لے ۔''

ناصر نے متعدد مقامات پر شعری تخلیقات یا شاعر کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاعری کو پرکھنے اور اس کی قدر و قیمت متعین کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا ۔ میر غلام علی عشرت کی مثنوی 'پدماوت' کے بارے میں کہتا ہے : ''تلاش کم اور بے ربطی اس میں بہت سی ہے''۔ سودا کی زبان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے : ''چند محاورے ٹھیٹھ ہندی کے جو اس کے کلام میں واقع ہیں ، سبب ان کا اوائل زبان اردو ہے ، اور کتنے روزمرے ایسے ہیں کہ ہنوز دلی کے رہنے والے وہی بولتے ہیں ۔ چناں چہ لفظ 'سیر' ان کی السنہ پر اب بھی مذکر ہے ، یعنی 'سیر کیا'۔ اس صورت میں الزام ان کا متقدمین پر عاید نہیں ہو سکتا''۔ مصحفی کی زود گوئی کو اس کے کلام کی ناہمواری کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے اور لکھا ہے : ''اکثر شبہات کہ اس کے کلام میں واقع ہیں ، سبب اس کا پرگوئی ہے ۔''

کہیں کہیں ناصر نے اساتذہ کی اصلاحوں کا ذکر بھی کیا ہے : مثلاً میر سعادت علی تسکین کے احوال میں دل گیر کے حوالے سے یہ واقعہ درج کیا ہے کہ تسکین نے ناسخ کے سامنے یہ شعر پڑھا :

جس کم سخن سے میں کروں تقریر بول اٹھے
ہے مجھ میں وہ کہاں کہ تصویر بول اٹھے

اس پر ناسخ نے کہا: ''اگر 'کم سخن' کی جگہ 'بے زبان' ہو تو کمال آپ کا ظاہر . . . . . ہو جائے'' ۔ اسی طرح میر علی ضامن شوق نے اپنے والد میر علی اوسط رشک کے سامنے یہ شعر پڑھا :

بختِ تیرہ سے ملا ہے یہ نیا داغ مجھے
روشنی گور پر آئے تو ہوا گل کر دے

رشک نے یوں اصلاح دی :

بخت تیرہ نے دیا ہے یہ نیا داغ مجھے
روشنی گور پر آئے تو ہوا گل کر دے

اس پر ناصر کا تبصرہ ان الفاظ میں ہے : ''سبحان اللہ ! لفظ 'دیا' کیا شعر میں رکھ دیا ہے ۔''

اس قسم کی اصلاحوں سے اس زمانے کے اساتذہ کے طریقِ اصلاح پر روشنی پڑتی ہے ۔ ناصر نے اس طرح کے مباحث کو قلم بند کرکے تذکرے کی افادیت میں اضافہ کیا ہے ۔

لکھنؤ کی ادبی فضا میں مرثیہ گوئی کو بے حد مقبولیت حاصل ہوئی ۔ خود ناصر نے کئی جگہ اس صنفِ سخن کو حصولِ ثواب کا ذریعہ گردانا ہے ، لیکن اس کے ساتھ ہی ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے : ''اگرچہ مرثیہ گوئی سہل اور غزل گوئی دشوار ، لیکن حاصل دین و دنیا اس میں ہے'' (ترجمۂ خلیق) ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس دور میں ہر چھوٹے بڑے شاعر نے مرثیہ گوئی شروع کر دی تھی اور اس طرح یہ عام خیال پیدا ہوگیا کہ مرثیہ گوئی سہل ہے ۔ ناصر کا یہ مختصر سا جملہ اس کے عہد کے ادبی مزاج کی بڑی عمدہ تصویر پیش کرتا ہے ۔

ناصر کے زمانے کے مشاعروں کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ شعرا پر بر سرِ مشاعرہ اعتراضات ہوتے تھے۔ اس قسم کے واقعات تذکرے میں بطور خاص درج کیے گئے ہیں ۔ مثلاً مرزا جعفر کے مشاعرے میں ناسخ نے پروانہ کے ایک شعر پر اعتراض کیا ۔ مرزا جعفر ہی کے مشاعرے کا یہ واقعہ بھی دل چسپ ہے کہ مرزا حاجی قمر اور میر ضمیر کے اکسانے پر قتیل نے موجی رام موجی کے ایک شعر پر اعتراض کیا ۔ اس اعتراض کا جواب ناسخ نے دیا اور ساتھ ہی میر ضمیر کے ایک شعر پر دو اعتراض کیے ۔ موجی رام نے یہ جواب اپنی طرف سے مشاعرے میں پڑھا ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشاعرے محض تفریح کا مرکز نہ تھے بلکہ شاعروں کی ذہنی تربیت کا نہایت عمدہ ذریعہ بھی تھے ۔

اعتراضات کا سلسلہ مشاعروں تک ہی محدود نہ تھا ، بلکہ شعرا ایک دوسرے پر اپنے اعتراضات مختلف ذریعوں سے پہنچاتے تھے اور پھر ان کے جواب دیے جاتے تھے ۔ مثلاً منور خاں غافل اور مرزا محسن کا ناسخ کے شعروں پر اعتراض اور ان کے جوابات ترجمۂ ناسخ میں ہیں ۔ خود ناصر کے شعروں پر ناسخ نے جو اعتراضات کیے تھے۔ ان کی تفصیل بھی 'ترجمۂ ناسخ' ہی میں ہے ۔ میر خلیق کے ایک مصرعے پر ناسخ کا اعتراض اور پھر اس مصرعے کی تصحیح ترجمۂ خلیق میں ہے ۔

شعرا کی معرکہ آرائیاں :

ناصر نے تذکرے کا نام 'خوش معرکہ' محض اسی بنا پر رکھا تھا کہ اس میں شعرا کی معرکہ آرائیوں کی تفصیلات درج ہیں ۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ یہ تذکرہ تمام و کمال معرکہ آرائیوں کا مجموعہ نہیں ، تاہم اس میں جس قدر معرکہ آرائیوں کی تفصیل ہے ، وہ

کسی دوسرے تذکرے میں نہیں ۔ اس میں جو سب سے اہم معرکہ ہے، وہ مصحفی و انشا کا ہے ۔ ناصر نے اس ہنگامے کی مفصل روداد پیش کی ہے اور اس سے اردو ادب کے اس اہم اور دل چسپ مناقشے کے تمام پہلو سامنے آ جاتے ہیں ۔

مصحفی و انشا کے معرکے کے بارے میں قاضی عبدالودود کا خیال ہے کہ یہ معرکہ ۱۲۰۹ھ کے اواخر یا ۱۲۱۰ھ کے اوائل میں وقوع پذیر ہوا[1] ۔ یہ زمانہ غالباً ناصر کی پیدائش سے پہلے کا ہے ۔ ناصر نے جب ہوش سنبھالا ہو گا تو اس وقت اس معرکے میں حصہ لینے والے بہت سے لوگ یہاں تک کہ خود مصحفی بقیدِ حیات تھے اور کوئی تعجب نہیں اگر اس نے متعلقہ شعرا سے اس کی تفصیلات بذات خود معلوم کی ہوں ۔ ناصر نے جس طرح اس معرکے سے متعلق منظومات کو بالترتیب پیش کیا ہے[2]، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے خاصی محنت کی ہے، تاہم بعض مکمل منظومات اور بعض کے متعدد اشعار تک اس کی دسترس نہ ہو سکی، ممکن ہے کہ اس نے ان اشعار یا منظومات کو عمداً نظر انداز کر دیا ہو ۔ لیکن اکیس شعر کا ایک اہم قطعہ جو انشا نے مصحفی کی ایک غزل (سر مشک کا تیرا ہے تو کافور کی گردن) کے جواب میں لکھا تھا اور جس کا پہلا شعر یہ ہے :

سن لیجے گوش دل سے مری مشفقا یہ عرض
مانندِ بید غصے سے مت تھرتھرائیے

اس مباحثے کی ایک اہم کڑی ہے ۔ اسے کسی طرح بھی نظر انداز

۱۔ مقالہ ''مصحفی اور انشا''۔ اردو ادب، جنوری ۔ اپریل ۱۹۵۱ع، صفحہ ۳۰ ۔

۲۔ اس معرکے سے متعلق انشا، مصحفی اور دیگر شعرا کی منظومات کا بیشتر حصہ ایسا ہے جو ان شعرا کے دواوین میں بھی نہیں ہے ۔

نہیں کیا جا سکتا ۔ حیرت ہے کہ ناصر نے اسے اپنے تذکرے میں شامل نہیں کیا حالانکہ یہ قطعہ عمدۂ منتخبہ (ترجمۂ انشا) میں شامل ہے اور یہ تذکرہ ناصر کے پیش نظر تھا ۔

ناصر نے اس معرکے کی تفصیلات پیش کرتے ہوئے کہیں بھی اپنی ذاتی رائے نہیں دی ۔ انشا اور مصحفی میں سے کسی کی طرف داری نہیں کی اور جو کچھ لکھا ہے ، غیر جانب دار ہو کر لکھا ہے ۔

سودا اور ضاحک کی معرکہ آرائی کا حال لکھتے ہوئے ناصر اپنی غیر جانب داری قائم نہیں رکھ سکا ۔ ضاحک کا ذکر اچھے الفاظ میں نہیں کیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بہ قول ناصر —— سلسلہ سودا سے ملتا ہے مرے اُستاد کا —— ناصر نے سودا کی لکھی ہوئی جو ہجو ضاحک (ضاحکا کیوں نہ وہ پرواز کرے زیر فلک) درج کی ہے ، وہ کسی دوسری جگہ نہیں ملتی ۔

جن شعرا کی معرکہ آرائیوں کا ذکر ناصر نے کیا ہے ، وہ یہ ہیں :

۱۔ شاہ مبارک آبرو و مظہر جان جاناں (ترجمۂ آبرو) ۔
۲۔ سودا و فدوی لاہوری (ترجمۂ فدوی) ۔
۳۔ سودا و حسرت (ترجمۂ حسرت) ۔
۴۔ انشا و سبحان قلی بیگ راغب (ترجمۂ راغب) ۔
۵۔ مصحفی و آتش (ترجمۂ مصحفی) ۔
۶۔ جرأت و ظہور اللہ نوا (ترجمۂ نوا) ۔
۷۔ افسوس و جرأت (ترجمۂ جرأت) ۔
۸۔ آتش و ناسخ (ترجمۂ شائق ، سیوا رام) ۔
۹۔ آتش و وزیر (ترجمۂ جوہر ، جواہر سنگھ) ۔

۱۰- مہلت و محشر (ترجمۂ مہلت) -

۱۱- انیس و دبیر (انیس ، دبیر ، میر جان ذاکر اور حسین مرزا عشق کے تراجم)-

ان معرکہ آرائیوں میں ایسی تفصیل تو نہیں جو مصحفی و انشا کے سلسلے میں ملتی ہے ، تاہم ناصر نے جو اشارے کیے ہیں ، ان سے شعرا کے باہمی اختلافات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے - اس ضمن میں ہجویات بھی درج کی ہیں اور بعض جگہ ایسے واقعات بھی بیان کیے ہیں ، جن سے اس زمانے کے ادبی ماحول کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے - مثلاً جواہر سنگھ جوہر کے احوال میں ایک مشاعرے کا مندرجہ ذیل واقعہ درج کیا ہے - جوہر نے :

''خواجہ حیدر علی آتش کی اس غزل کا :

مضمونِ حسن و عشق نہیں کس غزل میں ہے
سنیے اگر تو لطف ہماری زٹل میں ہے

تتبع کیا اور سراج الدولہ کے مشاعرے میں کہ مدارالمہام وہاں کے خواجہ صاحب ہیں ، غزل کو پڑھا - چونکہ صحبتِ گزشتہ سے ، تلامیذ خواجہ صاحب کے ، خواجہ وزیر کی لاف و گزاف سے دل کو پُر آبلہ رکھتے تھے ، اس کی غزل پر ریش خند کیا اور اپنے پھپھولوں کو پھوڑا - جب اس نے خلافِ قاعدہ حرکت ان کی مشاہدہ کی ، تند و تیز ہو کر کہا : 'کیا چیں چیں کرتے ہو ، معلوم ہوتا ہے کہ جہلا جمع ہوئے ہیں' - ہر چند اس کے طعن انہیں دو چار پر تھے ، اس بات سے رنجش عام ہوئی - مرزا حیدر صاحب فیض آبادی نے زجر و توبیخ فرمایا

اور اشارے سے کہا کہ اٹھ جاؤ۔ وہ نادان نہ سمجھا اور بعد تمام کرنے غزل کے جو وہ اٹھا ، چند شاگرد آتش کے کسی بہانے سے اس تلک پہنچے اور آبرو ریز ہوئے۔ خواجہ وزیر کی خاطر اس واقعے سے نہایت پریشان ہوئی اور اس کے تدارک سے حیران ہوئے۔"

اس قسم کے واقعے لکھنؤ کی ادبی فضا میں عام تھے۔ ناصر نے انھیں قلم بند کرکے ہماری ادبی تاریخ کے ایک اہم باب کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے۔

ناصر استادی شاگردی کے تعلق کو بڑی اہمیت دیتا ہے اور اسی وجہ سے اس نے اپنے تذکرے کی ترتیب بھی استادی شاگردی کے تعلق ہی سے قائم کی۔ ایسے شعرا جنھوں نے اپنے استادوں سے انحراف کیا ، ان کا ذکر وہ اچھے الفاظ میں نہیں کرتا۔ مثلاً :

۱۔ مہدی حسن آباد نے بہ روایت ناصر ، ناسخ کی شاگردی سے انکار کیا اور یہ کہا : "اب تو ان سے ہم اچھے ہیں"۔ ناصر اس پر لکھتا ہے :"افسوس کہ شیخ کا ہر شاگرد آپ کو اس سے بہتر جانتا ہے۔ یہ فقط ناحق شناسی ہے"۔ (ترجمۂ آباد)

۲۔ خواجہ وزیر کا یہ بیان : "اکثر مجھے شیخ صاحب [ناسخ] سے بہتر اور بعض برابر جانتے ہیں ۔ میرا دیوان جو دلی گیا وہاں کے صاحب تمیزوں نے شیخ کے دیوان کو دھو ڈالا" درج کرکے ناصر نے ان الفاظ میں اس پر تبصرہ کیا ہے : "سبحان اللہ ! کیا نفسانیت ہے کہ اپنی نمود کے لیے استاد کو مٹاتے ہیں ۔" (ترجمۂ وزیر)

۳- عبدالکریم حنا نے یکے بعد دیگرے کئی استادوں سے زو گردانی کی ۔ اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے : ''مدتوں مثل حنا دست بہ دست رہا ، آخر میر مظفر علی کی آبیاری سے اس نے رنگ پکڑا ، شعارِ حق نا شناسی سے ترکِ استاد کر کے میر وزیر صبا کا آشنا ہوا ۔ کیا کیا رنگ لایا ہے ۔ اگرچہ اب لکھنا اس کو یہاں[1] گنجائش نہ رکھتا تھا مگر میر مظفر علی اسیر کا حق مجھ سے تلف نہ ہو سکا ۔''

۴- میر اکبر علی اختر ، مصحفی کا شاگرد تھا ۔ جب اس نے جرأت کی شاگردی اختیار کرنی چاہی تو جرأت نے کہا : ''واللہ اعلم وہ [مصحفی] تم سے صاف ہیں یا مکدر'' اس پر اختر ، مصحفی سے رقعہ لکھوا لایا ۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد ناصر لکھتا ہے :''سبحان اللہ ! کیا پاس اور اتحاد تھا اور اب کیا بے اعتنائی اور عناد ہے کہ اِس کا شاگرد اُس کے یہاں اور اُس کا اِس کے یہاں'' ۔ (ترجمۂ اختر)

۵- ناسخ کے ایک اور شاگرد شیخ امداد علی بحر کے بارے میں لکھا ہے :''یہ تذکرہ زبان پر کہ شیخ صاحب [ناسخ] کہتے تھے میرے شاگرد مجھ سے بہتر ۔ خود پسندی ان پر تمام اور ناپسند کلام خاص و عام ۔''

مخطوطے :

اس تذکرے کے مندرجہ ذیل چار مخطوطے ملتے ہیں :

۱- نسخۂ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری ، بانکی پور پٹنہ ۔ (اسے آیندہ سطور میں 'نسخۂ پٹنہ' کہا جائے گا)

۱- یعنی تلامذۂ اسیر کے زمرے میں ۔

۲۔ نسخۂ کتب خانۂ خاص انجمن ترقی اردو، کراچی (اسے آئندہ سطور میں 'نسخۂ انجمن' کہا جائے گا) ۔
۳۔ نسخۂ کتب خانۂ لکھنؤ یونی ورسٹی (اسے آئندہ سطور میں 'نسخۂ لکھنؤ' کہا جائے گا) ۔
۴۔ نسخۂ مولانا آزاد لائبریری ، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ (اسے آئندہ سطور میں 'نسخہ علی گڑھ' کہا جائے گا) ۔

نسخۂ پٹنہ :

یہ نسخہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری کی فہرست مخطوطات اردو (جلد اول) میں ۱۴۳ ویں نمبر پر ہے ۔ اوراق ۳۱۳ ہیں[1] ۔ ابتدائی سات اوراق میں فہرست شعرا ہے ۔ ہر صفحے پر پندرہ سطریں ہیں ۔ خط نستعلیق ہے جو صاف اور واضح ہے ۔ کاتب کا نام کالکاپرشاد ہے ، جس نے اس مخطوطے کی کتابت ۲۲ ربیع الثانی ۱۲۶۳ھ کو مکمل کی تھی ۔ یہ مخطوطہ اس تذکرے کا قدیم ترین دستیاب شدہ نسخہ ہے اور اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ اس پر جا بجا حواشی درج ہیں جو خود مصنف کے قلم سے ہیں ۔ ان حواشی میں کہیں تو شعرا کے تراجم اضافہ کیے گئے ہیں اور کہیں متن کی عبارتوں میں اضافہ کیا گیا ہے ۔ جن شعرا کے تراجم حواشی میں اضافہ کیے گئے ہیں ، ان کے نام یہ ہیں :

۱۔ احسان لکھنوی ۔
۲۔ امانت لکھنوی ۔
۳۔ میر انیس ۔

۱۔ فہرست مطبوعہ مرتبہ عابد امام زیدی میں تعداد اوراق ۱۱۷ ہے جو درست نہیں ۔

۴- شیخ گوہر علی مشیر -
۵- سید حسین مرزا عشق -
۶- امداد علی یاور -
۷- نواب مرزا شوق -
۸- محمد تقی خاں اختر -
۹- بہادر علی شجاعت -

ان کے علاوہ تین شاعروں (میر عسکری سالم ، محمد بخش شہید اور سیوا رام شائق) کے تراجم میں حواشی پر اضافہ کیا گیا ہے - چند حواشی ایسے بھی ہیں جو کالکا پرشاد کے قلم سے ہیں - یہ عموماً ان عبارتوں پر مشتمل ہیں جو دوران کتابت چھوٹ گئی تھیں - اول الذکر حواشی کا خط کاتب کے خط سے مختلف ہے اور حواشی کے مطالب سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خود مصنف کے قلم سے ہیں - امانت ، انیس ، شائق اور عشق کے تراجم میں لکھنے والے نے اپنے لیے 'مؤلفِ تذکرۂ ہذا' اور 'راقمِ تذکرۂ ہذا' جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں جو ظاہر ہے کہ ناصر کے سوا کوئی دوسرا نہیں لکھ سکتا - البتہ شہید کے حال میں لکھنے والے نے اپنے آپ کو 'راقم حاشیہ' تذکرۂ ہذا' کہا ہے - چونکہ اس جگہ بھی خط وہی ہے جو باقی حواشی میں ہے ، اس لیے یہ حاشیہ بھی ناصر ہی کا لکھا ہوا ہے - یہ حواشی کب لکھے گئے؟ سب کا تو نہیں البتہ محمد بخش شہید اور میر عسکری سالم کے بارے میں جو حواشی ہیں ، ان کے زمانۂ تحریر کا کچھ کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے -

محمد بخش شہید کے ترجمے میں ۱۸۵۷ع (۱۲۷۳ھ) کے ہنگامے کے بعد کے زمانے کا ذکر ہے - ظاہر ہے کہ یہ حاشیہ ۱۲۷۳ھ کے بعد ہی اضافہ کیا گیا ہوگا - میر عسکری سالم سے متعلق حاشیے میں ان کی وفات

کا ذکر کیا گیا ہے اور بہ قول صفیر بلگرامی ، سالم کا انتقال ۱۲۸۹ھ کے بعد ہوا ۔ (جلوۂ خضر ، جلد دوم ، صفحہ ۲۵۳) لیکن مخطوطہ پٹنہ پر ورق اول (ب) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مالک (محمد ارتضیٰ حسین بن صفدر حسین مرحوم) نے یہ مخطوطہ ۲۲ ربیع الثانی ، ۱۲۸۶ھ (مطابق ۲ اگست ۱۸۶۹ع) کو خریدا تھا ۔ ایسی صورت میں جب کہ مخطوطہ دوسرے کی ملکیت ہو چکا ہو ، ناصر کا اس پر کوئی حاشیہ لکھنا قرینِ قیاس معلوم نہیں ہوتا ۔ ممکن ہے صفیر بلگرامی نے سالم کی تاریخ وفات غلط لکھی ہو ۔ تاریخوں کے معاملے میں صفیر بلگرامی زیادہ محتاط نہیں ہیں ۔ انھوں نے غالب سے اپنی مشہور ملاقات کا 'جلوۂ خضر' میں کئی جگہ ذکر کیا ہے اور ہر جگہ سالِ ملاقات مختلف لکھا ہے ۔ بہر حال یہ طے ہے کہ نسخۂ پٹنہ کا کوئی حاشیہ ۱۲۸۶ھ کے بعد کا نہیں ہو سکتا ۔

خوش معرکۂ زیبا کے چاروں مخطوطوں میں شعرا کی تعداد مختلف ہے ۔ چاروں کی مجموعی تعداد ۸۲۴ ہے ۔ نسخۂ پٹنہ میں یہ تعداد ۷۳۳ ہے ۔ گویا تذکرے کے شعرا کی مجموعی تعداد سے ۹۱ شاعر کم ہیں ۔ ان ''غیر موجود'' شعرا میں سے ۷۱ تو وہی ہیں جو نسخۂ لکھنؤ میں بقیہ تینوں نسخوں سے زائد ہیں اور جن کی فہرست آگے آئے گی ، اور باقی بیس شاعر یہ ہیں جن کے تراجم نسخۂ پٹنہ میں نہیں :

۱۔ انبہ پرشاد ۔

۲۔ انور ، لالہ مہابلی ۔

۳۔ بہجت ، مکھن لال ۔

۴۔ تمنا ، محمد اسحاق خاں ۔

۵۔ ثبات ، مرزا محمد محسن ۔

۶- حبیب ، میر نواب -
۷- حکیم ، محمد اشرف خاں -
۸- ذرہ ، شنکر لال -
۹- ذکی ، شیخ مہدی علی -
۱۰- سعید ، آغا نجف -
۱۱- شوق ، میر علی ضامن -
۱۲- صفدری ، میر عبداللہ -
۱۳- عطا -
۱۴- غیور ، منشی رحمت اللہ -
۱۵- فدا ، شیخ فدا حسین -
۱۶- قدس ، محمد رضا خاں عرف جھمن صاحب -
۱۷- محتشم ، شہزادہ سلطان مرزا محتشم -
۱۸- موج ، میر کاظم حسین -
۱۹- وحید ، حکیم وحید اللہ خاں -
۲۰- ہلال ، مرزا محمد -

مندرجہ ذیل نو شاعر ایسے ہیں جو نسخہ پٹنہ میں ہیں لیکن تذکرے کے کسی دوسرے مخطوطے میں نہیں ہیں :

۱- احسان لکھنوی -
۲- اختر ، محمد تقی خاں -
۳- امانت ، سید آغا حسن -
۴- شجاعت ، شیخ بہادر علی -
۵- شوق ، نواب مرزا -
۶- عشق ، سید حسین مرزا -
۷- مشیر ، شیخ گوہر علی -

۸- نادم [جبار دہلوی] -
۹- یاور ، امداد علی -

نسخۂ انجمن :

یہ نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان (کراچی) کے کتب خانۂ خاص میں اردو مخطوطات کے نمبر الف ۹/۷-۳۶ پر ہے - یہ ۳۰۸ اوراق پر مشتمل ہے - ہر صفحے پر پندرہ سطریں ہیں - کتابت خطِ نستعلیق میں ہے - کاتب کوئی ماہر فن نہیں ، بس صاف ستھرا لکھنا جانتا ہے - ابتدائی چار اوراق پر شعرا کی فہرست ہے - صفحوں پر خانے بنا کر شعرا کے تخلص بقیدِ صفحہ لکھے گئے ہیں - ورق ۴ ب خالی ہے اور اس پر صرف خانے بنے ہیں - بعد میں کسی نے اس پر کچھ اشعار لکھ دیے ہیں - اوپر کی طرف بائیں کونے میں کسی نے قرض کا حساب درج کیا ہے جو شاید ۳ شعبان ۱۲۸۰ھ کو لکھا گیا تھا - یہ تاریخ اور سنہ پوری طرح واضح نہیں - سنہ ۱۲۸ کی حد تک تو واضح ہے لیکن چوتھے ہندسے کی جگہ اس طرح خالی ہے جیسے یہاں کچھ لکھا ہی نہ گیا ہو - اس لیے گمان غالب ہے کہ یہاں صفر ہوگا - ورق ۲ الف پر کتاب کی مالکہ کا نام 'زہرہ بیگم صاحبہ' لکھا ہے اور ۴ الف پر اس مخطوطے کو ''سلطان مرزا محمد محتشم بخت بہادر شاہ زادہ بلند اختر دام اقبالہ و اجلالہ'' کی ملکیت بتایا گیا ہے - ورق ۵ الف سادہ تھا ، شکستگی کی وجہ سے اس پر ایک دوسرا کاغذ چسپاں کر دیا گیا ہے - اصل تذکرہ ورق ۵ ب سے شروع ہوتا ہے ، جس پر صفحہ نمبر ایک ڈالا گیا ہے - یہ صفحات نمبر مسلسل ہیں اور صفحہ ۶۰۷ پر مخطوطہ ختم ہو جاتا ہے - آخری صفحے پر ترقیمے کی عبارت کو چھیل کر مٹانے کی کوشش کی گئی ہے ، تاہم مندرجہ ذیل الفاظ پڑھنے میں آتے ہیں :

"تمام شد تذکرہ . . . . تذکرۂ شعرا . . . . . تمام شد
سنہ ہجری . . . . . اتمام پذیرفت ۔"

یہ مخطوطہ بھی یقیناً مصنف کی نظر سے گزر چکا ہے ، اور اس کے کئی شواہد موجود ہیں :

۱۔ صفحہ ۳۷۲ کے حاشیے پر میر وزیر صبا کے ترجمے کے ساتھ صبا سے متعلق ایک واقعہ درج ہے ۔ لکھنے والے نے اپنے لیے واحد متکلم کا صیغہ استعمال کیا ہے ۔ ظاہر ہے کہ یہ اضافہ مصنف ہی کر سکتا ہے ۔

۲۔ مرزا مہدی ثاقب (صفحہ ۳۷۴) کے ترجمے میں نمونۂ کلام سے پہلے "یہ اس سے یادگار" کے الفاظ لکھے تھے ۔ انھیں کاٹ کر یہ عبارت اضافہ کی گئی ہے :

"جب مصنف اس کا طالب ہوا ، ظاہر ہوا کہ مرزا صاحب یہاں تشریف نہیں رکھتے بلکہ راہی زیارات ائمہ معصومین علیہم السلام ہوئے ہیں ۔ آخر مجبور ہو کے یہ دو غزلیں کہ روز اول واسطے اصلاح فرمائی جناب شیخ صاحب کی خدمت [میں] لے گئے تھے، تیمناً لکھ دی گئیں ۔"

۳۔صفحہ ۴۷۱ اور صفحہ ۴۷۴ کے درمیان کا ایک ورق نکال کر اس کی جگہ دو ورق داخل کیے گئے ہیں اور صفحات کے نمبروں کو مسلسل کرنے کے لیے دو زائد صفحات پر ۴۷۲ ب اور ۴۷۳ب کے نمبر دیے گئے ہیں ۔ اس طرح جو دو زائد صفحات لگائے گئے ہیں ، ان پر میر علی ضامن شوق کا حال لکھا گیا ہے ۔ واضح رہے کہ ترجمۂ شوق اس تذکرے کے کسی دوسرے نسخے میں نہیں ہے ۔ شوق

کے سلسلے میں مصنف نے ایک اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا ہے ، ظاہر ہے کہ یہ اضافہ مصنف ہی کر سکتا ہے ۔

۴۔ مذکورہ حواشی اول اور دوم کا جو خط ہے ، اسی خط میں کئی مقامات پر حواشی میں اشعار کا اضافہ کیا گیا ہے ۔

یہ امور ثابت کرتے ہیں کہ یہ نسخہ مصنف کے پیش نظر رہا ہے اور اس میں وہ اضافے کرتا رہا ہے ۔

نسخۂ پٹنہ کی طرح اس نسخے کے شعرا کی تعداد بھی ۷۳۳ ہے ۔ تذکرے کے شعرا کی مجموعی تعداد ۸۲۴ ہے جو ۹۱ شعرا کم ہیں ان میں سے ۷۱ تو وہی ہیں جو نسخۂ لکھنؤ میں بقیہ تینوں نسخوں سے زائد ہیں ، نو شاعر وہ ہیں جو نسخۂ پٹنہ میں دیگر نسخوں سے زائد ہیں اور جن کی فہرست اوپر درج کی جا چکی ہے ، بقیہ گیارہ شاعر یہ ہیں جو نسخۂ انجمن میں نہیں :

۱۔ حکیم ، محمد اشرف خاں ۔
۲۔ اختر ، قاضی محمد صادق ۔
۳۔ الم [محمد علی] ۔
۴۔ انیس ، میر ببر علی ۔
۵۔ برہا ، گوری شنکر ۔
۶۔ شیدا ، میر فتح علی ۔
۷۔ عاشق ، عباس علی ۔
۸۔ عنایت ، عنایت علی خاں ۔
۹۔ فرحت ، مرزا بالقف بیگ ۔
۱۰۔ قربان ، میر جیون ۔

۱۱- نظیر (شاگرد سودا)۔

مندرجہ ذیل چھ شاعر ایسے ہیں جو صرف نسخۂ انجمن میں ہیں اور تذکرے کے کسی دوسرے نسخے میں نہیں :

۱- بہجت ، مکھن لال ۔

۲- ذرہ ، شنکر لال ۔

۳- شوق ، میر علی ضامن ۔

۴- عطا ۔

۵- محتشم ، شہزادہ سلطان مرزا ۔

۶- موج ، میر کاظم حسین ۔

نسخۂ لکھنؤ :

یہ نسخہ لکھنؤ یونیورسٹی لائبریری میں ۹۱۴۳۲۱۹ ۸۹۱/کے ۲۵ این نمبر پر ہے - ۳۱۸ اوراق ہیں - ورق ۳۱۸ الف پر تذکرہ ختم ہو جاتا ہے ، ۳۱۸ ب خالی ہے - ہر صفحے پر بارہ سطریں ہیں - اس نسخے کی کتابت ۱۰ ذی الحجہ ۱۲۷۶ھ کو مکمل ہوئی - کاتب کا نام درج نہیں - ترقیمے کی عبارت یہ ہے :

''بعون الٰہی و تائید رسالت پناہی و بہ تصدیق حضرات ائمۂ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین ، این تذکرہ بتاریخ دہم ذی حجہ بروز عید یوم شنبہ در سنہ ۱۲۷۶ ہجری نبوی بہ اتمام رسید۔ چوں کہ اصل نسخہ بغایت غلط و ناقص بود بلکہ اکثر جا مصرعہا و نامہا را گذاشتہ بود ازیں جہت از محرر ثانی ہم غلطہا رودادہ ۔ امید از ناظرین خجستہ آئین آنست کہ ہر جا کہ غلطی ملاحظہ فرمایند ، بے تامل بقلم اصلاح درست سازند و مؤلف و کاتب را

نفرین ننمایند ۔ فقط رب اغفر و ارحم و انت خیر الراحمین ۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جس نسخے کی نقل ہے ، اس میں اغلاط بکثرت تھیں اور یہ اغلاط موجودہ نسخے میں بھی راہ پا گئیں ۔

اس نسخے میں شعرا کی تعداد ۲۷۷ ہے جو بقیہ تمام نسخوں سے زیادہ ہے ۔ یہ تعداد تذکرے کے شعرا کی مجموعی تعداد سے ۵۲ کم ہے ۔ ان میں سے سولہ شاعر تو وہی ہیں جو بقیہ تین نسخوں میں زائد ہیں ، باقی ۳۶ شاعر یہ ہیں جو نسخۂ لکھنؤ میں نہیں :

۱۔ احقر ، مرزا جواد علی ۔
۲۔ اشرف ، اشرف علی ۔
۳۔ اظہر ، شیخ اظہر علی ۔
۴۔ الم ، [محمد علی] ۔
۵۔ الم ، صاحب میر ۔
۶۔ تمنا ، خواجہ امجد علی ۔
۷۔ ثابت ، اصالت خاں ۔
۸۔ جری ، مرزا سرفراز علی ۔
۹۔ جعفری ، میر باقر علی ۔
۱۰۔ چرکین ، شیخ باقر علی ۔
۱۱۔ خطا ، نظر علی بیگ ۔
۱۲۔ ذکی ، شیخ مہدی علی ۔
۱۳۔ رنج ، میر محمد نصیر ۔
۱۴۔ سحاب ، اللہ یار خاں ۔
۱۵۔ شاد ، شیخ فضل علی ۔
۱۶۔ شائق ، شیخ امین الدین ۔

۱۷- شگفتہ ، مرزا سیف علی خاں۔
۱۸- شہیدی ، کرامت علی ۔
۱۹- عاشق ، سید ہدایت علی خاں ۔
۲۰- عالی (شہزادۂ دہلی) ۔
۲۱- عالی ، میر بندہ حسین ۔
۲۲- عسکر ، مولوی عسکری ۔
۲۳- عشق ، آغا رضا ۔
۲۴- غافل ، منور خان ۔
۲۵- فرصت ، مرزا ہاتف بیگ ۔
۲۶- قابل ، مرزا عالی بخت ۔
۲۷- قایل ، سید علی جان ۔
۲۸- قدس ، مرزا محمد رضا خاں عرف جھمن صاحب ۔
۲۹- محبت ، پنڈت شیو پرشاد ۔
۳۰- محبت ، نواب محبت خاں ۔
۳۱- مخلوق ، سید احسان علی ۔
۳۲- مصدر ، میر ماشاء اللہ خاں ۔
۳۳- مظہر ، مرزا مظہر [شاگرد مضطرب] ۔
۳۴- معجز ، مرزا محمد رضا ۔
۳۵- منشی ، مول چند ۔
۳۶- ولی ، مرزا محمد علی ۔

اس نسخے میں مندرجہ ذیل ۱۷ شاعر ایسے ہیں جو کسی دوسرے نسخے میں نہیں :

۱- نالاں ، میر احمد علی (شاگرد سودا) ۔
۲- شاداب ، خوش وقت رائے (شاگرد قائم) ۔

۳- حافظ ، کریم الدین خاں (شاگرد قائم) ۔
۴- فارغ [مکند سنگھ] (شاگرد حاتم) ۔
۵- نعیم ، نعیم اللہ (شاگرد حاتم) ۔
۶- فرہاد ، میر ببر علی (شاگرد میر حسن) ۔
۷- شوق ، مرزا حسن علی (شاگرد فرہاد) ۔
۸- رنگین ، راجہ ہلاس رائے (شاگرد شوق) ۔
۹- راجہ ، راجہ بلاس رائے (شاگرد شوق) ۔
۱۰- مضمون ، شرف الدین (شاگرد خان آرزو) ۔
۱۱- فارغ ، میر احمد خاں (شاگرد اعظم الدولہ سرور) ۔
۱۲- آفاق ، میر فرید الدین (شاگرد فراق) ۔
۱۳- عاشق ، شیخ نبی بخش (شاگرد نظیر) ۔
۱۴- جولان ، میاں رمضانی (شاگرد سودا و جرأت) ۔
۱۵- احمدی ، خواجہ احمد علی (شاگرد جرأت) ۔
۱۶- راسخ ، ظفریاب خاں (شاگرد منصور خان مہر) ۔
۱۷- جوش ، احمد حسن خاں عرف اچھے صاحب (شاگرد راسخ) ۔
۱۸- سوزاں ، سید حسن علی عرف حسن مرزا (شاگرد انشا و ضمیر) ۔
۱۹- انس ، میر مہر علی (شاگرد میر خلیق) ۔
۲۰- مجروح ، لالہ لالتا پرشاد (شاگرد موجی رام) ۔
۲۱- شباب ، لالہ رام دیال (شاگرد موجی رام) ۔
۲۲- رفیق ، لالہ لچھمن پرشاد (شاگرد موجی رام)
۲۳- گریاں ، سید محمد حسین (شاگرد میر ضمیر) ۔
۲۴- شیدا ، محمد حسن خاں (شاگرد آتش) ۔
۲۵- ماہ ، مرزا عنایت علی (شاگرد آتش) ۔

۲۶- ناطق ، شیخ احمد شاہ (شاگرد ماہ) ۔
۲۷- مہر ، مرزا حاتم علی بیگ (شاگرد ناسخ) ۔
۲۸- خفی ، مرزا محمد (شاگرد ناسخ) ۔
۲۹- قاصر ، مرزا ببر علی بیگ (شاگرد ناسخ) ۔
۳۰- نامی ، سید علی محمد خاں (شاگرد ناسخ) ۔
۳۱- حسام ، چودھری حسام الدین (شاگرد فرخ) ۔
۳۲- کیوان ، شیخ بدلی (شاگرد نادر) ۔
۳۳- اخگر ، میاں حیدری (شاگرد نادر) ۔
۳۴- عزیز ، راجہ سید یوسف علی خاں (شاگرد شہید) ۔
۳۵- عادل ، بہاری لعل (شاگرد شہید) ۔
۳۶- کاظم ، مرزا کاظم علی (شاگرد کوثر) ۔
۳۷- ظہور ، آغا حسن (شاگرد مرزا مہدی قبول) ۔
۳۸- قابل ، میر رضا علی (شاگرد قبول) ۔
۳۹- رشید ، سید تہور حسین (شاگرد قبول) ۔
۴۰- راجہ ، راجہ بلوان سنگھ (شاگرد مہر) ۔
۴۱- تنہا ، منشی کفایت علی (شاگرد مہر) ۔
۴۲- تاثیر ، کنھیا لال (شاگرد منیر) ۔
۴۳- رضوان ، واجد علی خاں (شاگرد منیر) ۔
۴۴- محو ، شیخ فیض اللہ (شاگرد منیر) ۔
۴۵- سفیر ، خواجہ بادشاہ (شاگرد وزیر) ۔
۴۶- عیش ، میر علی حسین (شاگرد وزیر) ۔
۴۷- جوہر ، جواہر سنگھ (شاگرد وزیر) ۔
۴۸- اشک ، میر ہادی (شاگرد برق) ۔
۴۹- اسعد ، مرزا اسعد بخت ۔

۵۰- اسفان -
۵۱- آزاد -
۵۲- آشنا -
۵۳- بلیغ ، قدرت اللہ -
۵۴- بیزار ، حسین بخش -
۵۵- بینی بہادر ، راجہ -
۵۶- تجلی حیدر آبادی ، شاہ
۵۷- جراح ، غلام ناصر -
۵۸- جولاں ، میر حسین علی -
۵۹- حالی ، میر محب علی -
۶۰- حسن ، ابوالحسن -
۶۱- خود غرض -
۶۲- خرد ، فخر الدین خاں -
۶۳- راغب ، سبحان قلی بیگ -
۶۴- شعلہ ، پنڈت امر ناتھ -
۶۵- طرہ ، طرہ باز خاں -
۶۶- طفل ، مرزا عبدالمقتدر -
۶۷- عالی جاہ -
۶۸- محزون ، عالم شاہ -
۶۹- وزیر ، وزیر علی -
۷۰- سیرت ، نور جہاں بیگم -
۷۱- شوخ ، گنا بیگم -

نسخہ علی گڑھ :

یہ نسخہ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کی مولانا آزاد لائبریری میں ۴ - ۲۱ نمبر پر ہے - اس کے ۳۰۲ اوراق ہیں - بعد میں کسی نے پنسل سے صفحات کے نمبر بھی لگائے ہیں (۱ تا صفحہ ۶۰۴) - ہر صفحے پر پندرہ سطریں ہیں - یہ نسخہ ناقص الطرفین ہے - اس کا آغاز مرزا امانی اسد کے انتخاب کلام کے پہلے شعر (............ گمراہ کسی کی ..... اللہ کسی کی) سے ہوتا ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سودا سے اسد تک کے چالیس شعرا کے تراجم ضائع ہو گئے ہیں ، لیکن اصل حقیقت یہ نہیں ہے - اس مخطوطے کی جلد سازی غلط ہوئی ہے ، شروع کے آٹھ ورق موجودہ جلد سازی میں ورق ۲۸۲ اور ۲۹۱ کے درمیان لگ گئے ہیں - ورق ۲۸۲ ب کے آخر میں میر مہدی شرف کا ترجمہ ہے جو ۲۹۱ الف کے شروع میں ختم ہوتا ہے - درمیان کے آٹھ اوراق کی ترتیب بھی درست نہیں ہے - ان اوراق میں جن ۲۷ شعرا کے تراجم ہیں ، وہ یہ ہیں : نادر ، احقر ، خلق ، حجام ، رضا ، سائل ، میر فخر الدین ماہر ، اسد ، قائم ، کلیم ، بےتاب ، کبیر ، پروانہ ، شوق ، رفعت ، صنعت ، طالب ، غفلت ، کرم ، غلام محمد خاں ماہر ، حیرت ، شہیدی ، لطف ، عشرت ، آزاد ، شوکت اور میر حسن - اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ تذکرے کے ابتدائی حصے کے مندرجہ ذیل بارہ شعرا کے تراجم اس مخطوطے میں موجود نہیں [1]:

۱- سودا -

۲- شوق (شاگرد سودا) -

۱- اس فہرست میں شیخ مہدی علی ذکی کو شامل نہیں کیا گیا کیونکہ اس کا ترجمہ نسخہ علی گڑھ میں ان شعرا کے زمرے میں ہے جن کی 'استادی شاگردی نا معلوم' ہے -

۳- شہید (شاگرد سودا) ۔
۴- میر ہاشم ہاشمی (شاگرد سودا) ۔
۵- فدا (شاگرد سودا) ۔
۶- ممتاز (شاگرد سودا) ۔
۷- شائق (شاگرد ہاشمی) ۔
۸- معین (شاگرد سودا) ۔
۹- ذاکر (شاگرد ماہر) ۔
۱۰- نظیر (شاگرد سودا) ۔
۱۱- شیدا (شاگرد سودا) ۔
۱۲- قربان (شاگرد سودا) ۔

زیر نظر مخطوطے میں میر فخر الدین ماہر کے فوراً بعد میر امانی اسد کا ترجمہ ہے ۔ بقیہ تینوں نسخوں میں ماہر اور اسد کے درمیان مذکورہ فہرست کے آخری چار شاعر ہیں ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نسخۂ علی گڑھ میں ان چار شعرا کے تراجم شامل نہیں تھے ، بقیہ شعرا (۱ تا ۸) کے تراجم ایسے ہیں جو نسخے کے ناقص الاول ہونے کی وجہ سے ضائع ہو گئے ۔ اس نسخے کا خاتمہ ناصر کے قطعۂ تاریخ تصنیف (اول) کے اِس شعر پر ہوتا ہے :

حاسدوں کو اگر پسند نہیں
دل مرا اس سے درد مند نہیں

اس قطعے کے آخری دو شعروں کے علاوہ ناصر کے قطعۂ دوم اور اسیر ، اظہر اور نسیم کے قطعات بھی ضائع ہو گئے ہیں ۔ کاتب کا نام اور تاریخِ کتابت بھی معلوم نہیں ۔ مخطوطے کی کتابت کے بارے میں علی گڑھ سے اختر انصاری دہلوی اپنے مکتوب مورخہ ۲۶ مئی ، ۱۹۶۴ع (بہ نام راقم الحروف) میں لکھتے ہیں :

"مخطوطہ نستعلیق خط میں ہے . . . . ابتدائی صفحات سے ورق ۸۰ (صفحہ ۱٦۰) تک تحریر بہت صاف اور خوش خط بلکہ دیدہ زیب ہے - ورق ۸۱ سے خط میں کچھ تبدیلی نظر آتی ہے - کاتب تو وہی ہے ، لیکن اب ہاتھ روک کر نہیں لکھا گیا ہے ، تحریر مائل شکست ہے - ورق ۱۹۸ تک یہ کیفیت رہتی ہے - اس کے بعد تحریر اور بھی مائل شکست ہو جاتی ہے . . . . ورق ۲۸۳ سے پھر ہاتھ روک کر لکھا ہے اور . . . . سولہ صفحات[1] بہت خوش نما ہیں - آخری صفحات یعنی ورق ۲۹۱ سے آگے تحریر اس قدر بگڑی ہوئی ہے کہ پڑھنا بھی دشوار ہے -"

مخطوطے کی ظاہری حالت یہ ہے :

"نسخہ کہیں کہیں کرم خوردہ ہے ، مگر ایسا نہیں کہ عبارت متاثر ہو جائے - صرف چند مقامات پر کرم خوردگی نے عبارت کو مجروح کیا - نسخہ آب خوردہ بھی ہے - ابتدائی دو تہائی حصہ اس معاملے میں بے داغ ہے ، لیکن آخری ایک تہائی پر آب خوردگی کا اثر بہت واضح ہے - آخری بیس صفحات بہت ہی خراب ہو گئے ہیں "- (مکتوب محولہ بالا)

اس نسخے میں شعرا کی تعداد ٦۸۸ ہے ، یہ تعداد تذکرے کے شعرا کی مجموعی تعداد سے (۱۳٦) کم ہے - جن شعرا کے تراجم نسخے میں نہیں ہیں ، ان کی تفصیل یہ ہے :

۱- یہ مخطوطے کے شروع کے صفحات ہیں جو جلد ساز نے غلط جگہ لگا دیے ہیں - (م - خ)

۱- نسخے کے ناقص الاول ہونے کی وجہ سے جو تراجم کم ہوئے : - - - - - - - - - - - -	۸
۲- نسخۂ لکھنؤ کے زائد شعرا جو اس نسخے میں نہیں : - - - - - - - - - - - - - - - -	۷۱
۳- نسخۂ انجمن کے زائد شعرا جو اس نسخے میں نہیں : - - - - - - - - - - - - - - - - -	٦
۴- نسخۂ پٹنہ کے زائد شعرا جو اس نسخے میں نہیں :	۹
مجموعی تعداد :	۹۴

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل بیالیس شعرا کے تراجم بھی نسخۂ علی گڑھ میں نہیں ہیں :

۱- اختر ، قاضی محمد صادق خاں ۔
۲- اعظم ، اعظم خاں ۔
۳- انبہ پرشاد ۔
۴- انور ، علی مرزا ۔
۵- انیس ، میر ۔
٦- حبیب ، میر نواب ۔
۷- حیدر ، مرزا حیدر ۔
۸- رونق ، شیخ رونق علی ۔
۹- سحر ، اجودھیا پرشاد ۔
۱۰- سعید ، آغا نجف ۔
۱۱- سیفی ، میر وارث علی ۔
۱۲- شاد ، شیخ فضل علی ۔

۱۳- شوق ، میر رضی -
۱۴- صبر ، میر اسد -
۱۵- صولت ، خواجہ محمد -
۱۶- ظاہر ، محمد خاں -
۱۷- طوفان ، میر نوازش علی -
۱۸- عاشق ، عباس علی -
۱۹- عاشق ، مہدی علی خاں -
۲۰- عالی ، خواجہ عبداللہ -
۲۱- عشقی مراد آبادی -
۲۲- عنایت ، عنایت علی خاں -
۲۳- غیور ، منشی رحمت اللہ -
۲۴- کیوان ، مرزا علی حسین -
۲۵- گرداب [رام چرن] -
۲۶- متین ، میر بہادر علی -
۲۷- مجرم ، باقر علی خاں -
۲۸- محبت ، پنڈت شیو پرشاد -
۲۹- مسیح ، حکیم محمد علی -
۳۰- منیر ، وجیہ الدین -
۳۱- مہدی ، مہدی علی خاں -
۳۲- مہر ، سید آقا علی خاں -
۳۳- نادر ، مرزا عسکری -
۳۴- وحید ، حکیم وحید اللہ خاں -
۳۵- ولی -
۳۶- ہلال ، مرزا محمد -

۳۷- یوسف (شاگرد آشنا) -

۳۸- موتی (شاعرہ) -

۳۹- ذاکر (شاگرد ماہر) -

۴۰- نظیر (شاگرد سودا) -

۴۱- شیدا (شاگرد سودا) -

۴۲- قربان (شاگرد سودا) -

گویا اس نسخے میں سب سے کم شاعر ہیں - صرف ایک شاعر محمد اشرف خاں حکیم ایسا ہے جس کا ترجمہ اس تذکرے کے کسی دوسرے نسخے میں نہیں ہے -

---

خوش معرکۂ زیبا کے چاروں قلمی نسخوں کے مندرجات پر غور کرنے کے بعد جو دو اہم امور سامنے آتے ہیں ، وہ یہ ہیں :

۱- پٹنہ اور علی گڑھ کے نسخے مصنف کے اصل یا قدیم متن کی نشان دہی کرتے ہیں -

۲- کراچی اور لکھنؤ کے نسخے مصنف کا ترمیم شدہ متن پیش کرتے ہیں -

پٹنہ اور علی گڑھ کے نسخوں میں شعرا کے تراجم کی ترتیب ، اس ترتیب سے مختلف ہے جو کراچی اور لکھنؤ کے نسخوں میں پائی جاتی ہے - چاروں نسخوں میں آشفتہ (عظیم الدین عرف بھورے خاں) اور اس کے شاگردوں تک تراجم کی ترتیب یکساں ہے - اس کے بعد نسخہ ہائے انجمن و لکھنؤ میں شاہ نصیر ، مومن خاں مومن ، غالب ، نظیر اکبر آبادی اور شاہ رکن الدین عشق اور ان کے سلسلے کے شعرا کے تراجم ہیں - لیکن نسخہ ہائے پٹنہ و علی گڑھ میں (سلسلۂ عشق کے

شعرا کے علاوہ) یہ سب شعرا سلسلۂ آتش کے شعرا کے بعد اور سلسلۂ عشق کے شعرا سلسلۂ قتیل کے بعد ہیں ۔ نسخہ ہائے انجمن و لکھنؤ میں 'استادی شاگردی' کے علاوہ 'شہروں' کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے ، اسی لیے یہ ترتیب مختلف ہے ۔ ان دونوں نسخوں میں پہلے شعرائے دہلی[1] کے تراجم ہیں ، پھر شعرائے عظیم آباد اور آخر میں شعرائے لکھنؤ ہیں ۔ نسخۂ انجمن میں اس کی صراحت بھی ہے ۔ شاہ رکن الدین عشق کا ترجمہ جہاں سے شروع ہوتا ہے ، وہاں حاشیے پر 'شعرائے عظیم آباد' کا عنوان لکھا گیا ہے ۔ اسی طرح شاہ ملول الہام کے ترجمے کے آغاز میں حاشیے پر یہ عنوان ہے :''سلاطین ممالک گفتگو شعرائے دارالسلطنت لکھنؤ و توابع آں'' ۔ تراجم شعرا کی یہ ترتیب زیادہ بہتر اور موزوں ہے اور اس کا خیال مصنف کو بعد میں آیا ۔

نسخۂ علی گڑھ ، مصنف کے ابتدائی مسودے کی نقل معلوم ہوتا ہے ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس میں شعرا کی تعداد سب سے کم ہے ۔ اس نسخے کے متن میں بعض شعرا کے اضافے سے جو متن تیار ہوا اس کی نقل نسخۂ پٹنہ ہے ۔ اس کے بعد مصنف نے تذکرے کی ترتیب بدلی اور متن میں بھی متعدد مقامات پر تبدیلیاں کیں ، نیز بعض

۱۔ سودا کے سلسلے کے شعرا میں قائم سے لے کر شیخ مہدی علی ذکی تک کے شعرا بریلی ، رام پور اور مراد آباد سے تعلق رکھتے ہیں ۔ شہیدی اگرچہ سودا کے سلسلے کا شاعر نہیں ہے ، لیکن اس کا ترجمہ محض اس وجہ سے شامل کیا گیا ہے کہ اسے ''شعرائے رام پور اور بریلی میں لکھا جاتا ہے'' ۔ مہدی علی ذکی کو بھی 'ساکن مراد آباد' ہونے کی وجہ سے تذکرے کے اس حصے میں شامل کیا گیا ہے ، حالاں کہ وہ سودا کے سلسلے کا شاعر نہیں ہے ۔

شعرا کے تراجم خارج کر دیے اور کچھ شعرا کے تراجم اضافہ کیے۔ انتخاب اشعار میں بھی کمی بیشی کی ، شعرا کے بارے میں اپنے متعدد بیانات میں بھی تبدیلیاں کیں ، اس طرح جو متن وجود میں آیا ، وہ نسخۂ انجمن کی صورت میں محفوظ ہے ۔ اس کے بعد پھر مصنف نے شعرا کی تعداد میں کمی بیشی کرکے ایک نیا نسخہ تیار کیا اور اس میں وہ آخر وقت تک شعرا کے تراجم اضافہ کرتا رہا ۔ اس نسخے کی نقل کی نقل نسخۂ لکھنؤ ہے ۔ اس طرح زمانی اعتبار سے نسخوں کی ترتیب یہ ہوئی : نسخۂ علی گڑھ ، نسخۂ پٹنہ ، نسخۂ انجمن ، نسخۂ لکھنؤ۔ ان چاروں میں سے دو نسخے (پٹنہ و کراچی) مصنف کی نظر سے گزرے ہیں اور ان پر مصنف کے قلم کے حواشی ہیں ۔

علی گڑھ[1] اور پٹنہ کے نسخوں میں مشترک شعرا کے تراجم عبارت و مفہوم کے اعتبار سے یکساں ہیں ، ان میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہے ۔ یہی حال لکھنؤ اور انجمن کے نسخوں کا ہے ۔ ان میں بھی مشترک شعرا کے تراجم میں کوئی کمی بیشی نہیں ۔ علی گڑھ اور لکھنؤ

۱۔ علی گڑھ اور لکھنؤ کے نسخے راقم الحروف کی نظر سے نہیں گزرے ، لیکن ان نسخوں سے کسی حد تک بالواسطہ مستفید ہونے کا موقع ملا ہے ۔ نسخۂ علی گڑھ کے تقریباً چار سو شعرا کے تراجم کی نقل ڈاکٹر نور نقوی (استاد شعبۂ اردو ، مسلم یونی ورسٹی ، علی گڑھ) کی عنایت سے دست یاب ہوئی ۔ نسخۂ لکھنؤ کے شعرا کے تقریباً دو سو تراجم کی نقل ڈاکٹر سید سلیمان حسین نے ارسال فرمائی ۔ ۲۲ شعرا کے تراجم نسخۂ لکھنؤ سے ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری نے اپنی کتاب 'تحقیقی جائزے' حصۂ اول (مقالہ : شعرائے اردو کا ایک نایاب تذکرہ ، خوش معرکۂ زیبا) میں نقل کیے ہیں ، ان سے بھی میں نے استفادہ کیا ہے ۔

کے نسخوں میں کتابت کی اغلاط بہت زیادہ ہیں (نسخۂ لکھنؤ کے کاتب نے تو اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے) لیکن پٹنہ اور انجمن کے نسخوں میں بڑی حد تک صحت کا خیال رکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زیر نظر نسخے کا متن انھی دونوں مخطوطوں سے تیار کیا گیا ہے۔ ان دونوں مخطوطوں میں سے ایک (نسخۂ پٹنہ) مصنف کے ابتدائی متن کو پیش کرتا ہے اور دوسرا (نسخۂ انجمن) ترمیم شدہ متن کو۔ زیر نظر مطبوعہ نسخے کے حواشی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مصف نے اپنے ابتدائی متن میں کہاں کہاں تبدیلیاں کی ہیں اور ان کی نوعیت کیا ہے۔

نسخۂ انجمن میں متعدد مقامات پر اضافے کیے گئے ہیں اور نسخۂ پٹنہ کے بعض بیانات میں ترمیم کی گئی ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نسخۂ انجمن بعد کا نسخہ ہے۔ بے جا نہ ہوگا اگر یہاں چند ایسے امور کی نشان دہی کی جائے جو مختلف وجوہ سے بے حد اہم ہیں اور یہ نسخۂ پٹنہ میں نہیں ہیں :

۱۔ نسخۂ پٹنہ میں میر درد کو 'تعصب پیشہ' لکھا ہے لیکن نسخۂ انجمن میں یہ الفاظ حذف کر دیے ہیں۔ (ترجمۂ درد)

۲۔ جرأت اور نواب محبت خاں کا واقعہ، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جرأت کا کلام محبت کے دیوان میں لکھا جاتا تھا، نسخۂ پٹنہ میں نہیں ہے، نسخۂ انجمن میں بعد میں اضافہ کیا گیا ہے۔ (ترجمۂ محبت)

۳۔ منصور خاں سہر کے جرأت کی شاگردی سے انکار کے سلسلے میں مرزا خانی نوازش کا بیان کردہ واقعہ نسخۂ پٹنہ میں نہیں ہے۔ (ترجمۂ سہر)

۴- نواب سعادت علی اور قتیل کی دو ملاقاتوں کی روداد بھی نسخہ پٹنہ میں نہیں ۔ (ترجمۂ قتیل)

۵- انشا و مصحفی کے معرکے کی جو روداد نسخۂ انجمن میں بیان کی گئی ہے ، اس کے آغاز میں اس معرکے کا اصل سبب بھی بتایا گیا ہے اور یہ لکھا گیا ہے کہ : ''مرزا سلیمان شکوہ نے میر انشاء اللہ خاں کو اپنے سر کی قسم دے کر کہا کہ مصحفی کو رسوائے خاص و عام کیا جائے ۔'' نسخۂ پٹنہ میں یہ عبارت نہیں ہے ، نسخہ انجمن میں بعد میں اضافہ کی گئی ہے ۔ (ترجمۂ مصحفی)

۶- محمد عیسیٰ تنہا کے 'مرض موت' کا واقعہ بھی نسخۂ پٹنہ میں نہیں ہے ۔ (ترجمۂ تنہا)

۷- نواب حسین علی خاں اثر سے متعلق آغا حسن شرر کا بیان کردہ واقعہ نسخۂ پٹنہ میں نہیں ہے ۔ (ترجمۂ اثر)

۸- موجی رام موجی کی امرد پرستی کا ذکر بھی نسخۂ پٹنہ میں نہیں ہے ۔ (ترجمۂ ریحان ، دیا کشن)

۹- نسخۂ پٹنہ میں جریج شاگرد مذنب کے بارے میں لکھا ہے : ''نام فراموش'' لیکن نسخۂ انجمن میں اس کا نام ''شیخ مہر علی'' دیا گیا ہے ۔

۱۰- نسخۂ پٹنہ میں 'تذکرۂ احبا' کا ذکر ترجمۂ حقیقت میں ہے ، نہ تذکرے کے خاتمے میں ۔ نسخۂ انجمن میں ترجمۂ حقیقت میں اس کا ذکر ہے ۔ سراپا سخن کا ذکر بھی نسخۂ پٹنہ میں نہیں ہے لیکن نسخۂ انجمن (ترجمۂ محسن) میں ہے ۔

اسی طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نسخۂ انجمن میں مصنف نے بہت سی تبدیلیاں اور اضافے کیے ہیں۔

زیر نظر نسخے کے متن کی تیاری میں نسخۂ پٹنہ کو متن میں جگہ دی گئی ہے اور نسخۂ انجمن کے اختلافات حواشی میں دیے گئے ہیں۔ ایسے تمام حواشی جن کے آخر میں 'مرتب' کا لفظ نہیں ہے، لازماً نسخۂ انجمن کی عبارتوں پر مشتمل ہیں۔ چونکہ اس قسم کے حواشی بے شمار ہیں، اس لیے بار بار نسخۂ انجمن کا حوالہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ جہاں کہیں حواشی میں مرتب کی طرف سے کوئی بات کہی گئی ہے، یا نسخۂ پٹنہ کی زائد عبارتوں اور اشعار کی نشان دہی کی گئی ہے، وہاں آخر میں لفظ 'مرتب' لکھ دیا گیا ہے۔

نسخۂ انجمن کی ایسی تمام عبارتیں یا اشعار، جو نسخۂ پٹنہ سے زائد ہیں، انھیں متن میں داخل کیا گیا ہے، اور یہ تمام عبارتیں اور اشعار قوسین میں ہیں۔ اگر کسی جگہ نسخۂ پٹنہ میں اجمال ہے اور نسخۂ انجمن میں تفصیل ہے تو نسخۂ انجمن کی عبارت قوسین میں متن میں دی گئی ہے اور نسخۂ پٹنہ کی عبارت حاشیے میں ہے۔ ایسے تمام حواشی میں نسخۂ پٹنہ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ یہی طریقِ کار ایسے مقامات پر بھی اختیار کیا گیا ہے جہاں نسخۂ پٹنہ کی عبارتوں میں سہوِ کتابت سے ابہام پیدا ہو گیا ہے۔

دونوں نسخوں میں کہیں کہیں سہوِ کتابت سے بعض الفاظ (مثلاً میں، پر، کو، کا وغیرہ) لکھنے سے رہ گئے ہیں، عبارت کو مربوط

کرنے کے لیے اس قسم کے الفاظ متن میں داخل کر دیے گئے ہیں ۔ ایسے الفاظ تذکرے میں بہت کم ہیں اور ہر جگہ قلابین میں ہیں ۔

مصنف کی اغلاط کی نشان دہی متن کے ساتھ ہی حواشی میں نہیں کی گئی ، کیونکہ اس طریقِ کار سے حواشی میں بے حد اضافہ ہو جاتا اور اس سے طباعت میں دشواریاں پیدا ہو جاتیں ۔ اس قسم کے تمام حواشی تذکرے کے آخر میں 'تحقیق نامہ' کے نام سے یک جا کیے گئے ہیں ۔ تاہم متن کے ساتھ بھی بعض نہایت ضروری مقامات پر حواشی دیے گئے ہیں ۔ اس تذکرے میں متعدد اشعار ایسے ہیں جن کا متن متعلقہ شعرا کے دواوین یا ماخذ تذکروں میں مشمولہ متن سے مختلف ہے ۔ اس اختلاف کی صراحت بھی 'تحقیق نامہ' ہی میں کی گئی ہے ۔ موجودہ متن میں جہاں کوئی شعر بالکل ہی غلط تھا ، اسے ماخذ تذکروں یا متعلقہ شعرا کے دواوین کے مطابق درست کر دیا گیا ہے اور ناصر کا پیش کردہ متن حاشیے میں دے دیا گیا ہے ۔

املا کے سلسلے میں اصل مخطوطوں کی پیروی نہیں کی گئی ۔ ہر جگہ عبارت جدید املا کے مطابق ہے ۔ مثلاً اوس ، اوستاد ، پہونچا جیسے الفاظ کی جگہ آس ، استاد ، پہنچا وغیرہ لکھے گئے ہیں ۔ دونوں مخطوطوں میں بعض جگہ املا کی اغلاط ہیں اور بعض الفاظ کو ہر جگہ تیرھویں صدی ہجری کی عام املا کے مطابق غلط لکھا گیا ہے (مثلاً مسنوی بجائے مثنوی ، ذخیم بجائے ضخیم) ۔ ایسے تمام مقامات پر تصحیح کر دی گئی ہے ۔ یاے معروف و مجہول کے سلسلے میں بھی قدیم انداز ترک کر دیا گیا ہے ۔ رموزِ اوقاف اور پیراگراف مرتب کے قائم کردہ ہیں ۔ اصل مخطوطوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں ۔

انتخابِ اشعار میں ایک ہی شاعر کی مختلف غزلوں کے اشعار

کے درمیان لکیریں ڈالی گئی ہیں اور یہ مرتب کی طرف سے ہیں تاکہ مختلف زمینوں کے اشعار میں امتیاز کیا جا سکے۔

ہر شاعر کے ترجمے سے پہلے اس کے نام کی سرخی اور نمبر شمار مرتب کا اضافہ ہے۔

جن شعرا کے تراجم نسخۂ پٹنہ میں نہیں ہیں ، انھیں متن میں مناسب مقام پر داخل کیا گیا ہے اور حواشی میں نسخۂ انجمن کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔ اسی طرح اگر کسی شاعر کا ترجمہ نسخۂ انجمن میں نہیں ہے تو اس کی بھی حاشیے میں صراحت کر دی گئی ہے۔ نسخۂ علی گڑھ اور نسخۂ لکھنؤ کے وہ شعرا جو پٹنہ اور انجمن کے نسخوں میں نہیں ہیں ، انھیں ایک ضمیمے کی صورت میں تذکرے کے آخر میں یک جا درج کیا گیا ہے۔ اس طرح زیر نظر متن میں چاروں مخطوطوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

تذکرے میں متعدد مقامات پر ایسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو موجودہ معیار اخلاق کے مطابق ''فحش'' سمجھے جاتے ہیں۔ یہ الفاظ عموماً بعض اعضاے جسمانی یا وظائف جسمانی سے متعلق ہیں۔ ایسے تمام الفاظ حذف کر دیے گئے ہیں اور متعلقہ مقامات پر نقطے لگا کر حواشی میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہاں سے کوئی ''فحش'' لفظ حذف کیا گیا ہے۔

۱۹۳۲ع میں سید محمد مرتضیٰ صاحب نے (جو کتب خانۂ خدا بخش پٹنہ سے متعلق تھے) بہار کے مشہور ادیب آرزو جلیلی مرحوم کی نگرانی میں نسخۂ پٹنہ کی ایک نقل تیار کی تھی۔ یہ نقل انجمن ترقی اردو کے کتب خانۂ خاص میں ہے اور اس کا نمبر

الف ۹/۷-۳۵ ہے - یہ نقل نہایت احتیاط سے کی گئی ہے - قاضی عبدالودود کے مختلف مضامین میں نسخۂ پٹنہ کے جو اقتباسات نقل ہوئے ہیں ، ان سے مقابلہ کرنے سے کہیں کوئی غلطی نظر نہیں آئی - مزید اطمینان کے لیے میں نے اس نسخے کے چند صفحات کے فوٹو اسٹیٹ بھی حاصل کیے ، مذکورہ نقل ان کے مطابق نکلی - زیر نظر متن میں اسی نقل سے استفادہ کیا گیا ہے - پاکستان و بھارت کے موجودہ تعلقات کے پیش نظر یہ ممکن نہیں ہے کہ بھارت کے کسی مخطوطے کا عکس یا مائیکرو فلم حاصل کی جا سکے - ایسی صورت میں کسی مخطوطے کی نقل کا میسر آجانا ہی غنیمت ہے -

یہ تذکرے کی پہلی جلد ہے جو آپ کے سامنے ہے ، اس میں ۳۴۴ شعرا کے تراجم ہیں ، بقیہ شعرا کے تراجم دوسری جلد میں ہوں گے - یہ تقسیم محض ضخامت کی وجہ سے کی گئی ہے - تیسری جلد ''تحقیق نامہ'' کے نام سے ہوگی جس میں تمام شعرا پر حواشی ہیں اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ ناصر نے اپنے پیش رو تذکرہ نگاروں سے استفادہ کس حد تک کیا اور خود کیا کیا اضافے کیے ہیں ، نیز متعلقہ شعرا کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے -

اس تذکرے کی تدوین کا کام میں نے ۱۹۶۰ع کے آخر میں بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم و مغفور کی ہدایت پر شروع کیا تھا - میرے مرتبہ متن کے ابتدائی صفحات ملاحظہ کرکے انھوں نے کام کی راہ متعین فرمادی تھی - انھیں کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر اس کام کو میں نے مکمل کیا ہے ، اور اگر اس میں کوئی خوبی ہے تو وہ مرحوم ہی کا فیضان ہے ، کوتاہیاں میری اپنی ہیں -

اس کام میں جن حضرات نے میرے لیے آسانیاں پیدا کیں ، آن میں سرفہرست سید حسام الدین راشدی صاحب کا نام ہے ۔ موصوف نے ہر مرحلے پر میری رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرمائی نیز اپنے عظیم الشان کتب خانے سے استفادے کی اجازت دی ۔

نسخۂ پٹنہ کے بارے میں قاضی عبد الودود صاحب نے میرے استفسارات کا جواب عنایت فرما کر میری مشکلات کو آسان کیا ، ظفر اکانوی صاحب نے بھی اس مخطوطے سے متعلق بعض معلومات بھیجیں ۔ ولی اللہ سلفی صاحب نے مخطوطے کے بعض صفحات کے عکس عنایت فرمائے ۔

نسخۂ لکھنؤ کے متعلق ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی ، احمد جمال پاشا اور ڈاکٹر سید سلیمان حسین نے معلومات فراہم کیں ۔ آخرالذکر کرم فرمانے تو کرم کی انتہا کر دی ۔ انھوں نے تقریباً دو سو شعر کے تراجم کی نقلیں ارسال کیں ۔ نسخۂ لکھنؤ سے میں نے جس قدر بھی استفادہ کیا ہے ، ڈاکٹر سید سلیمان حسین کے توسط سے کیا ہے ۔

نسخۂ علی گڑھ کے بارے میں پروفیسر اختر انصاری صاحب نے ایک طویل نوٹ لکھ کر بھیجا ، شعرا کی فہرست ارسال فرمائی اور بعض شعرا کے تراجم کا مخطوطے سے مقابلہ کر کے بھیجا ۔ ڈاکٹر نور نقوی صاحب نے تقریباً چار سو شعرا کے تراجم کی نقل بھیجی اور میری ارسال کردہ فہرستِ شعرا کا اصل تذکرے سے مقابلہ کیا ۔ ڈاکٹر انصار اللہ نظر صاحب نے میرے متعدد استفسارات کے جواب تفصیل سے عنایت کیے ۔ محمد ایوب قادری صاحب علی گڑھ گئے تو وہ بھی میرے لیے اس نسخے کے بارے میں ایک نوٹ تیار کر کے لائے ۔

ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں ناصر کی جو دو مثنویاں ہیں ، ان کے بارے میں ڈاکٹر شانتی رنجن بھٹاچاریہ نے جملہ معلومات فراہم کیں ۔

دیوان ناصر (کتب خانہ خدا بخش پٹنہ) کے بارے میں پروفیسر سید حسن صاحب نے مجھے ایک مفصل نوٹ بھیجا اور پھر پورے دیوان کو اپنی نگرانی میں نقل کرا کے ارسال فرمایا ۔ یہ نقل جناب رضوان غنی اصلاحی نے کی ۔

ڈاکٹر وحید قریشی ، جناب افسر امروہوی اور جناب کلب علی خاں فائق رام پوری نے بھی ہر قدم پر میری مدد کی ، متن اور 'تحقیق نامہ' کی تکمیل میں ان حضرات کا علم اور تجربہ میرے بہت کام آیا ۔ سید امتیاز علی تاج صاحب نے اس کتاب کو مجلس کے اشاعتی پروگرام میں شامل کر کے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور گوہر نوشاہی صاحب نے اشاریہ بنا کر اس کی افادیت میں اضافہ کیا ۔ میں ان سب حضرات کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں ۔

اردو کتابوں کی عام روایت کے مطابق اس کتاب میں بھی طباعت کی اغلاط ہیں ، آخر میں صحیح نامہ لگایا گیا ہے ، یقیناً اور بھی اغلاط ہوں گی جن تک میری نظر نہیں پہنچ سکی ۔

مشفق خواجہ

خوش معرکۂ زیبا

۱۲۶۱ھ

از

سعادت خاں ناصر

مرتبہ

مشفق خواجہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی ۔ امابعد بندۂ پریشان خاطر ، اضعف العباد سعادت خان متخلص بہ ناصر (عفی اللہ عنہ) سخنوروں کی خدمت میں یہ عرض رکھتا[1] ہے کہ اس احقر کو ایک مدت سے یہ خیال تھا کہ تذکرہ شعرائے ہند کا ترتیب دے ۔ مگر بہ سبب عدم دریافت احوال قدما ارادہ صورت پذیر نہ ہوتا تھا ۔ ان روزوں کہ تذکرہ تالیف کیا ہوا میاں مصحفی صاحب مغفور کا دستیاب ہوا تقاضائے شوق نے ہمت کو کام فرمایا اور برخلاف میاں صاحب کے کہ اُن کا تذکرہ عبارت فارسی میں ہے فقیر نے ہندی میں لکھا کہ دو رنگی سے یک رنگی بہتر ہے اور قید حروف تہجی کی اس لیے نہ رکھی کہ جس اُستاد کا جو شاگرد (ہو) نام اس[2] کا پائے نام اُس کے لکھا جائے کہ عبارت ہندی اور طرز اسامی شعرا ایجاد میرا ہو اور وہ شاعر جن کی اُستادی اور شاگردی نا معلوم اور نام و نشان غیر مفہوم ہو خاتمہ اس کا اُن پر کیا جائے ۔ شروع اس کو میرزا رفیع السودا سے کرتا ہوں کہ اول تو وہ بزرگ موجد ریختہ گوئی کا ہے ، دوسرے سلسلہ اس ہیچمدان کی شاگردی کا اُس سے ملتا ہے :

۱- کرتا ۔

۲- اس کے پائے نام لکھا جائے۔

ذکر اول چاہیے اس صاحب ارشاد کا
سلسلہ **سودا** سے ملتا ہے مرے استاد کا

جاری ہمارے دم سے ہے سودا کا سلسلہ
ناصر اب اس گھرانے میں باقی ہیں ایک ہم

حق جل شانہ توفیق اس کی تمامی کی کہ یہ نسخہ مسمی بہ ''خوش معرکۂ زیبا ہے'' عطا کرے۔

سودا ، مرزا محمد رفیع

یکہ تاز میدان فصاحت ، شہ سوار معرکۂ بلاغت ، سرآمد شعرا ، مرزا محمد رفیع متخلص بہ سودا خلف الصدق مرزا محمد شفیع اصفہانی کہ اعزۂ روزگار سے تھے اور مادر گرامی آن کی دختر خجستہ اختر خاندان نعمت خان عالی میں سے ۔

حکایت :

ایک فقیر روشن ضمیر نظر توجہ (کی) مرزا موصوف کے حال پر مبذول رکھتے تھے۔ بعد وفات ان کے پدر بزرگ وار کی ، آس گوہر یتیم سے فرمانے لگے: ''یہ وقت ہے کہ استدعا حاجت مند کی درگاہ قاضی الحاجات میں مقبول اور مستجاب ہو ، جو چاہو سو مانگو'' آس نے عرض کی : ''آپ کی دولت سے استغنا تمام رکھتا ہوں اور آپ بہ جد[1] ہیں تو دولت سخن کہ عبارت آس سے شعرگوئی ہے عنایت فرمائیے ۔'' آس مستجاب الدعوات نے تبسم فرمایا اور دیوانہ لا ابالی کے تخلص کے واسطے حرف سودا زبان پر لایا ۔ بعد آس عنایت بے غایت کے کہا : ''انشاء اللہ تعالیٰ شہرت تیری چاردانگ ہندوستان میں بے حد اور حیات و عمر تخلص کی ہم عدد ہوگی ۔'' الحق یہ تاثیر آسی دعا کی ہے کہ سارے ہندوستان میں طوطی کی (طرح) مشہور ہے اور دیوان آس کا مانند تبرک کے گھر گھر ہے ۔ شاہجہان آباد کہ پایۂ تخت اور اہل فضل و کرام[2] سارے زمانے کے وہاں فراہم تھے کوئی

۱- بہ ضد ۔ ۲- ہنر ۔

اُس سے عہدہ برآ نہ ہو سکا ۔ مولوی ندرت کاشمیری کہ فاضل اور علامۂ عصر تھا اُس کے مقابلے سے ایسا شرمندہ ہوا کہ سوائے[1] ترک دہلی کچھ اُس سے بن نہ آیا ۔ ایک شعر مولوی ندرت کی غزل کا کہ سودا کی مذمت میں (تھا) لکھا جاتا ہے :

خود بہ خود در جنگ باشد آں رفیع پست قدر
برسر سودای خود[2] از جہل صفرا ریختہ

صاحبان بصیرت ملاحظہ فرمائیں کہ اس ریختہ گو نے اُس کی[3] جوتی اور اُس کا (سر؟) کیا خوب کیا :

قاضی اور کوتوال سے لے جاتے ہیں تا بہ صدر
جنگ کا مبدا ترے گھر ہے وہ رشک ماہ و بدر
پھر مجھے کہتا ہے اے بھڑوے تو یہ از راہ غدر
خود بہ خود در جنگ باشد آں رفیع پست قدر
بر سر **سودا** بہ خود از جہل صفرا ریختہ

بعد برہمی سلطنت شاہجہان آباد فرخ آباد میں تشریف لائے اور نواب احمد خان بنگش کی سرکار میں نوکر رہے ۔ مہربان خاں رند کہ متبنائے نواب کا تھا ، اُن کا شاگرد ہوا ۔ باوجود[4] اس کے کہ میر محمد[5] متخلص بہ سوز مدت سے صیغۂ شاعری میں نوکر تھے ، اُس عالی ظرف نے کبھی[6] میر سوز کو چشم تحقیر سے نہ دیکھا ۔

۱- ترک دہلی کے سوا کچھ نہ بن آیا ۔
۲- برسر سودا بخود ۔
۳- اُس کی بیت کو کیا خوب مصنف کی مذمت میں تضمین کیا ۔
۴- باوجودے کہ ۔ ۵- محمد میر ۔
۶- چشم تحقر سے اُن کو نہ دیکھا ۔

ہمیشہ[1] حاضر و غائب بہتر کہا ۔ نواب[2] شجاع الدولہ بہادر نے جب یہ سنا کہ مرزا رفیع فرخ آباد میں آیا ہے، شقہ[3] خاص اُس کی طلب میں ارقام[3] فرمایا ۔ سبحان اللہ ! کیا وضع داری تھی کہ نواب کے شقے کے جواب میں یہ رباعی لکھ[4] بھیجی :

سودا پئے دنیا تو بہ ہر سو کب تک
آوارہ ازیں کوچہ بہ آں کو کب تک
حاصل نہ یہی اس سے کہ تا دنیا ہو
بالفرض ہوا یوں بھی تو پھر توکب تک

حضور پر نور اس رباعی سے خیلے گراں خاطر ہوئے ۔ میر غلام حسین متخلص بہ ضاحک کہ نمک مجلس[5] اور ترخان صحبت[6] تھے، واسطے رفع ملال کے (یوں) بول اٹھے: ''اگر وہ حضور (پر نور) کے شقے سے نہیں آتا (ہے) ، غلام بے طلب کھینچ بلاتا ہے ۔" قصیدہ سال گرہ کا کہ نواب عماد الملک غازی الدین خاں کی تعریف میں سودا کا کہا ہوا تھا ، تمام اُسی مصنف کی مذمت میں اُلٹا ۔ چنانچہ یہ شعر :

۱- بلکہ ۔ ۲- جب نواب ۔ ۔ ۔ ۔ نے سنا ۔

۳- قلمی ۔ ۴- لکھی ۔

۵- مجلس کے تھے ۔

۶- ترخان صحبت = محفل شگفتہ رکھنے والا ۔ محسن تاثیر کے شعر ذیل میں ترخانی بہ معنی مسخرگی استعمال ہوا ہے :

کار با ترخانی و طنز و مزاح افتادہ است
خدمت صد سالہ و فضل و ہنر منظور نیست

(فرہنگ نظام ۔ دوم ص ۲۳۵)

پاؤں کھڈی پہ رکھو ہاتھ میں لو آئینہ
بال . . . .[1] کے چنو ناک پہ دھر کر عینک

جب وہ مزخرفات سودا نے سنے بہ حکم آں کہ دیوانہ را ہوے بس است روانہ لکھنؤ کا ہوا - میر سابق الذکر کہ دلیری اور شوخ چشمی آس[2] پر (ختم) تھی ، بے سابقہ معرفت مرزا کی ملاقات کو قدم[3] رنجاں ہوا - اس فروتنی سے غبار عناد کا سودا کے دل سے مطلق صاف ہوا[4] - واسطے[5] عطر و پان حسب قاعدہ ہندوستان کے اندر تشریف لے گئے - اس عرصے میں کہ برآمد ہوں ، آس ٹھٹھول نے قلم دان کھولا اور یہ مطلع ایک پرچے پر لکھا دیکھا :

رستم سے تو کہہ پیارے سر تیغ تلے دھر دے
یہ[6] ہم سے ہی ہوتا ہے ہرکارے و ہر مردے

آس کے برابر یہ مطلع لکھ دیا :

سودا نے اٹھا . . . .[7] جب پاد دیا بھڑ دے
یہ آس سے[8] ہی ہوتا ہے ہرکارے و ہر مردے

بعد دو چار گھڑی کے جب وہ صحبت برہم ہوئی ، مرزا[9] نے قلم دان کھولا اور وہ مطلع دیکھا[10] - یقین کلی ہوا کہ یہ سید ناسید اور (مرد) نا معتمد ہے - بے اختیار یہ شعر زبان پر گزرا :

۱- یہاں ایک فحش لفظ تھا جو قلم زد کیا گیا (مرتب)
۲- اُن -
۳- قدم رنجہ کیا -
۴- ہوگیا -
۵- سوافق قاعدہ ہندوستان عطر و پان کے واسطے -
۶- پیارے یہ ہمیں سے ہو -
۷- یہاں ایک فحش لفظ تھا جو قلم زد کیا گیا (مرتب) -
۸- اُن سے -
۹- سودا -
۱۰- پڑھا -

ریم سوزاک پدر ہے وہ[1] شریر
رحم مادر سے پلٹ نکلا ہے میر

اول یہ ترجیع بند کہا بعد اُس کے یہ قصیدہ :

ضاحکا کیوں نہ وہ پرواز کرے زیر فلک
پہنچی پشتین سے ہو نطفے کی حلت جس تک

پشت در پشت تری قوم میں ہوتا آیا
وہ عمل جس سے کہ لرزے زسما تا بہ سمک

اس گھرانے میں سدا بیٹی پہ مائل ہے باپ
ہر گھڑی دل کو چچا کے ہے بھتیجی پہ لپک

نہیں وہ ماں کہ جو بیٹی کی نہیں[2] اپنی سوت
نہیں وہ ساس جو داماد سے جائے نہ اٹک

بھانجا جس کا جوانی سے ذرا گدرایا
اُس کی خالہ بھی پھرے راتوں کو پھاڑے خشتک

بھانجا جس کا ہے ماموں کا خسر پورا ہے
نانا جس کا ہے نواسی کا خسر ہے لاشک

اُس کی پھپھی کے بھی بھر آئے ہے منہ میں پانی
جس بھتیجے کے ہو چہرے پہ جوانی کا نمک

خالہ داماد سے یوں لپٹیں نسائیں گھر کی
سرو کی چوب کو جس طرح لگے ہے دیمک

بعد خرابی بصرہ بہ استدعاے میر حسن پسر میر غلام حسین ضاحک یہ ہجو مولوی ساجد شاہ آبادی کے نام پر ہوئی ۔ باقی

۱- تو ۔
۲- نہ ہو ۔

ترجیع بند اور مخمس و[1] مثنوی ہنوز بہ دستور - ہر چند نواب بہادر اس کی طرف سے گراں خاطر تھے لیکن بہ مقتضائے جوہر شناسی اس کے حال پر مہربان ہوئے اور عزیز اور محترم کیا - محمد قائم سے[2] یہ نقل ہے کہ حضرت استاد شیخ علی حزیں کی ملاقات کو گئے تھے میں بھی ساتھ[3] تھا - بہ مجرد خبر ہونے کے برابر شیخ صاحب نے اُن کو طلب کیا ، حال آں کہ اُن کی خدمت میں کم کوئی باریاب ہوتا تھا - ارشاد ہوا کچھ پڑھو - مرزا نے یہ شعر فارسی کا پڑھا :

سیہ چوری بہ دست آں نگار نازنیں دیدم
بہ شاخ صندلیں پیچیدہ مار عنبریں دیدم

فرمودند : ''نازنیں دیدم زیادہ است - ہندی بخواں -'' یہ مطلع پڑھا :

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

پرسیدند ''تڑپے چہ معنی دارد ؟'' کہا : ''ہندی طپیدن'' - فرمایا[4] : ''خوب گفتہ ، دیگر بخواں'' - یہ رباعی پڑھی :

ایوان عدالت میں تمھارے یا شاہ
کیا ظلم کو ہو دخل عیاذاً باللہ !

۱- اور مسنوی (نسخہ انجمن میں لفظ ''مثنوی'' کو متعدد مرتبہ ''س'' سے لکھا گیا ہے۔ آئندہ حواشی میں ایسے مقامات کی صراحت نہیں کی گئی - (مرتب)

۲- نقل کرتے تھے کہ جب حضرت سودا -

۳- ہمراہ -

۴- فرمودند -

جب طاق سے شیشے کا پھسلتا[1] ہے پاؤں
پتھر سے نکلتی ہے صدا بسم اللہ!

یہ رباعی بھی بعد سمجھانے کے پسند آئی[2] ۔ ایسے اُستاد مسلم الثبوت کو میاں مصحفی اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ: بہ سبب عدم دریافت اغلاط صریح دارد خیر ہرچہ بود در روانی طبع نظیرے نہ داشت۔"

(سعدی کیا خوب کہتا ہے):

نام نیکو رفتگاں ضائع مکن
تا بماند نام نیکت یادگار

چند محاورے ٹھیٹھ ہندی کے جو اُس کے کلام میں واقع ہیں، سبب اُن کا اوائل زبان اردو (کے) ہے اور کتنے روزمرے ایسے ہیں کہ ہنوز دلی[3] کے رہنے والے وہی بولتے ہیں ۔ چنانچہ لفظ "سپر" اُن کی السنہ پر اب بھی مذکر ہے، یعنی سپر کیا ۔ اس صورت میں الزام اُن کا متقدمین پر عائد نہیں ہو سکتا ۔ قصیدہ گوئی میں کیا کوئی اس سے برابر ہو، مرثیہ اُس کا کہ ہر اُستاد نے اس پر رشک کھایا مگر ایک بند بھی اُس کے برابر نہ ہوا، وہ مرثیہ یہ ہے:

یارو سنو تو خالق اکبر کے واسطے
انصاف سے جواب دو حیدر کے واسطے
وہ بوسہ گہ بنی تھی پیمبر کے واسطے
یا ظالموں کی برش خنجر کے واسطے

میاں جرأت کے مرثیے میں ایک بند قابل انتخاب ہے سو لکھا جاتا ہے:

۱- رپٹتا ۔ ۲- فرمائی ۔
۳- دلی والے ۔

چلتے تھے نیزہ دار وہ جب اشتروں سے مل
خوں چشم اہل بیت سے جاری تھا متصل
اُن موم سے دلوں پہ لگاتے تھے سنگ دل
وہ ضرب جو کہ چاہیے پتھر کے واسطے

قصہ کوتاہ عہد نواب شجاع الدولہ سے تا بہ آصف الدولہ بہادر اُس کی آبرو کے ساتھ بسر ہوئی اور ایک سرکار سے دوسری سرکار نہ دیکھی ۔ کل نفس ذائقۃ الموت ، جب اس سرائے فانی سے مسافر عالم جاودانی کا ہوا ، خاک اُس کی آقا باقر کے امام باڑے کی زمین سے ملی ۔ میر فخر الدین ماہر کہ شاگرد اُن کے تھے اُنھوں نے یہ تاریخ کہی اور سنگ بالیں پر کندہ ہوئی :

خلد کو جب حضرت سودا گئے
فکر میں تاریخ کی **ماہر** ہوا
بولے منصف دور کر پائے عناد
شاعران ہند کا سرور گیا[1]

میاں مصحفی کہتے تھے[2] ایسے شخص کی تاریخ ایسی چاہیے جیسی میں نے کہی ہے ۔ الحق اُس[3] تاریخ سے میاں صاحب کی تاریخ بہتر ہے : فکر ہر کس بقدر ہمت اوست :

مرزا رفیع آنکہ ز اشعار ہندیش
ہر گوشہ بود در ہمہ ہندوستاں غلو

۱- ''پائے عناد'' یعنی ''د'' کے عدد کم کرنے سے اس مصرعے سے ۱۱۹۵ھ برآمد ہوتا ہے (مرتب)

۲- ہیں ۔

۳- تاریخ میاں صاحب کی اُس سے بہتر ہے ۔

ناگہ چو در نوشت بساط حیات را
گردید مدفنش ز قضا خاک لکھنؤ
تاریخ رحلتش بدر آورد **مصحفی**
سودا کجا و آں سخن دل فریب کو[1]

شیخ ناسخ (مغفور) نے اُس کی تاریخ یہ کہی ہے :

مضمون تازہ جستن شعر لطیف گفتن
باخویش برد اے وا مرزا رفیع سودا
تاریخ رحلت او گفتم بتربت او
امروز مرد اے وا مرزا رفیع سودا[2]

من کلام معجز نظام مرزا رفیع السودا :

موج نسیم آج ہے آلودہ گرد سے
دل خاک ہو گیا ہے کسی بے قرار کا
سونپا تھا کیا جنوں نے گریباں کو مرے
لیتا ہے اب حساب جو یہ تار تار کا

ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا
پانی بھی پھر پئیں تو مزا ہے شراب کا
دوزخ مجھے قبول ہے اے منکر و نکیر
لیکن نہیں دماغ سوال و جواب کا
قطرہ گرا تھا جو کہ مرے اشک گرم سے
دریا میں ہے ہنوز پھپھولا حباب کا

---

۱ ، ۲- ۱۱۹۵ھ (مرتب)

ہر مژہ پر تیری' لخت دل ہے اس رنجور کا
خون ہے سو دار پر ثابت مرے منصور کا

پونچھتے ہی پونچھتے گزرے ہے مجھ کو روز و شب
چشم ہے یارب مری یا منہ کسی ناسور کا

آفتاب صبح محشر داغ پر دل کے مرے
حکم رکھتا ہے طبیبو مرہم کافور کا

کیا کروں گا لے کے واعظ ہاتھ سے حوروں کے جام
ہوں میں ساغر کش کسی کی نرگس مخمور کا

اس قدر بنت العنب سے دل ہے **سودا** کا بھرا
منہ کبھی دیکھا نہ اُس کے زخم نے انگور کا

رخصت ہے باغباں سے ذرا دیکھ لیں چمن
جاتے ہیں واں جہاں سے پھر آیا نہ جائے گا

لطف اے اشک کہ جوں شمع گھلا جاتا ہوں
رحم اے آہ شرر بار کہ جل جاؤں گا

قطرۂ اشک ہوں پیارے مرے نظارے سے
کیوں خفا ہوتا ہے پل مارتے ڈھل جاؤں گا

دیکھ لی ساق تری دریا دلی
لب نہ ہارے کبھو تر کر گیا

فائدہ اب کیا کرے تریاق وصل
زہر غم ہجر اثر کر گیا

دیکھیے واماندگی اب کیا دکھائے
قافلہ یاروں کا سفر کر گیا

۱- تیری ہے لخت دل اُس ---

جو کہ ظالم ہے وہ ہرگز پھولتا پھلتا نہیں
سبز ہوتے کھیت دیکھا ہے کبھی[1] شمشیر کا

آج تک اشک کا طوفاں نہ ہوا تھا سو ہوا
تجھ سے اے دیدۂ گریاں نہ ہوا تھا سو ہوا
قابل شانہ ہوئی زلف تری جس دن سے
کبھی جو دل کہ پریشاں نہ ہوا تھا سو ہوا

عشق کی خلقت سے آگے میں ترا دیوانہ تھا
سنگ میں آتش تھی جب تو شمع میں پروانہ تھا
اک برہمن زادہ یوں[2] کہتا تھا کل مل مل کے ہاتھ
ہم میں اور **سودا** میں یارو کس قدر یارانہ تھا
چشم اہل قبلہ میں آج اس نے کی جوں سرمہ جا
حیف ایسا شخص جو خاک در بت خانہ تھا

سوجھی تدبیر نہ تقدیر کو بہلانے کی
جب تجھے قتل پہ عاشق کے مچلتے دیکھا

یہ رنگ آئنہ ہم اور سینہ صاف ہوئے
جو اپنے دل پہ کسی شخص[3] سے غبار آیا

پھرے ہے شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے منہ موڑا
الٰہی اس نے داڑھی[4] کے سوا کس چیز کو چھوڑا

۱- **کہیں** -
۲- کل کہتا تھا یہ مل مل کے ہاتھ -
۳- **شکل** -
۴- داڑھی (مرتب)

گرچہ رویا ہوں بہت عمر میں اپنی لیکن
اپنے رونے کا مجھے رات تسلسل بھایا
خوں کے قطرے سے یہی کہتا تھا ہر لختِ جگر
تو مژہ تک بھی نہ پہنچا کہ میں یہ لے آیا

ہمیشہ ہے مری چشم پرآب در تہ آب
سوائے اس کے نہ دیکھا حباب در تہ آب

آتش ہے تری گرمی بازار محبت
کیا لے گا بجز داغ خریدار محبت
دعویٰ مری صحت پہ مسیحا کو غلط ہے
بچتے نہیں[1] دیکھا کوئی بیمار محبت
کیوں مجھ کو نہ مارا غم دوری نے تری آہ
کس منہ سے کروں گا میں پھر اقرار محبت
باتوں سے کچھ اپنی نہیں تیرا گلہ منظور
شکوے سے مزا دیتی ہے گفتار محبت
ٹک سادہ دلی پر مری[2] تو رحم کر اے یار
ہوں تجھ سے ستم گر سے طلب گار محبت
ہر خار سے الجھا ہے مرا دامن پرواز
ہوں رشتہ بپا بلبل گل زار محبت

سودا گرفتہ دل کو نہ لاؤ سخن کے بیچ
جوں غنچہ سو زبان ہے اُس کے دہن کے بیچ

۱- ہی نہ
۲- تو مری -

آتش کدے میں دیکھ کہ شعلہ ہے بے قرار
آرام دل جلوں کو نہیں ہے وطن کے بیچ

یا تبسم یا نگہ یا وعدہ یا گاہے پیام
کچھ تو اے خانہ خراب اس دل کے سمجھانے کی طرح
بلبلوں کو دوں ہوں دیوان فغانی کا میں درس
ورنہ گلشن میں مری[1] ہے کون سی جانے کی طرح

کھینچ کر پوست کرے گردش ایام سفید
چاہے تجھ چشم کے آگے ہو جو بادام سفید
چوٹ جو دل میں ہو وہ سد رہ پیری ہے
موے چینی نہیں کرتا غم ایام سفید

کس کے ہیں زیر زمیں دیدۂ نمناک ہنوز
جا بہ جا سوت ہے[2] پانی کی[3] تہ خاک ہنوز
گل زمیں سے جو نکلتا ہے بہ رنگ شعلہ
کون جاں سوختہ جلتا ہے تہ خاک ہنوز

ساقی گئی بہار رہی دل میں یہ ہوس
تو منتوں سے جام دے اور میں کہوں کہ بس

ہیں صفائے بادہ و درد تہ پیمانہ ہم
نور شمع مجلس و سوز دل پروانہ ہم

۱- ہے میری -
۲- ہیں -
۳- کے -

چشم شیخ و برہمن میں ہے ہمیں جوں سرمہ جا
گرد راہ کعبہ و خاک در بت خانہ ہم
واعظا سوز جہنم سے ڈراتا ہے کسے
داغ پھرتے ہیں بغل میں دل سا آتش خانہ ہم

کس طرح نکلیں اسیری سے تری اے سرو قد
طوق قمری کی طرح رکھتے ہیں مادر زاد ہم
خندۂ گل بے نمک فریاد بلبل بے اثر
اس چمن سے آہ جا کر کیا کریں گے یاد ہم
اے جنوں مصرع ترا **سودا** کا ہے زنجیر پا
قید سے تیری نہ ہوں گے اب کبھی آزاد ہم

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں
کیونکر نہ چاک چاک گریبان دل کروں
دیکھوں ہوں تیری زلف کو میں دست شانہ میں
پایا ہر ایک بیت میں اپنے میں یوں تجھے
معنی کو جس طرح سخن عاشقانہ میں

جی تک تو دے کے لوں جو تو ہو کار گر کہیں
اے آہ کیا کروں نہیں بکتا اثر کہیں
ہوتی ہے صبح اور نہ آتی ہے مجھ کو نیند
جس کو پکارتا ہوں سو کہتا ہے مر کہیں

شیخ ناسخ اس شعر (مرقوم الصدر) کو پڑھتے تھے اور وجد کرتے تھے -

ساقی ہے یک تبسم گل فرصت بہار
ظالم بھرے ہے جام تو جلدی سے بھر کہیں
پھرنے لگے تو جوں کف دریا بہا بہا
دامن اگر نچوڑ دوں اے ابر تر کہیں
جادو بھری ہے چشم ، تو مت آینے کو دیکھ
دھڑکے ہے دل مرا کہ نہ پلٹے نظر کہیں

یہ رنجش میں ہے ہم کو بے اختیاری
تجھے تیری کھا کر قسم دیکھتے ہیں
حباب لب جو ہیں اے باغباں ! ہم
چمن کو ترے کوئی دم دیکھتے ہیں

کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے ساقی
ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں

دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لیے پھرتا ہوں[1]
کچھ علاج اس کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں
غیر کے پاس یہ اپنا ہی گماں ہے کہ نہیں
جلوہ گر یار مرا ورنہ کہاں ہے کہ نہیں

ایک[2] دن کسی نے یہ شعر شیخ علی حزیں کے روبرو پڑھا ۔ شیخ کو دیر تک حالت وجد کی رہی ۔

۱۔ نسخۂ انجمن میں یہ شعر نہیں ہے ۔ نسخۂ پٹنہ میں یہ شعر پہلے ہے اور اس غزل کا مطلع بعد میں ہے ۔ (مرتب)
۲۔ شیخ علی حزیں کے روبرو کسی نے اس شعر کو پڑھا ، دیر تک حالت وجد اُن پر طاری رہی ۔

مثل شاخ گل تر یہ قد نازک تیرا
کیا لچکتا ہے اٹھاتے ہوئے بار دامن

اے نالہ مت سبک ہو نکل کر جگر سے تو
مدت سے گر چکا[1] ہے اثر کی نظر سے تو

دل لے کے تجھ سے برق کے شعلے کو دیجیے
پر ہے یہ ڈر کہ اس کی بھی ایسی ہی خو نہ ہو

سود جوں شمع نہیں گرمی بازار مجھے
ہوں میں وہ جنس کہ آتش دے خریدار مجھے
ہے قسم تجھ کو فلک دے تو جہاں تک چاہے
جلوۂ حسن آسے ، حسرت دیدار مجھے

غفلت میں زندگی کو نہ کھو گر شعور ہے
یہ خواب زیر سایۂ بال طیور ہے

قامت نے تیرے باغ میں جا خط بندگی
لکھوا لیا ہے سرو چمن سے کھڑے کھڑے

خوب دیکھا میں جہاں اہل جہاں بھی دیکھے
ایک زنداں ہے کہ جس میں ہیں گنہگار کئی

اے فلک ! کس قد رعنا کو زمیں میں گاڑا
سرو جو کھینچے ہے سر خاک سے وہ موزوں ہے

۱- گیا -

یاں چشم سرمہ سا کا مارا کوئی جیا ہے
ہر سرو اس چمن کا اک آہ بے صدا ہے[1]
گر لے چلا وہ دل کو بیگانہ وار سودا
تو ہی کر اب تغافل جانے دے آشنا ہے

منہ لگاوے کون مجھ کو گر نہ پوچھے تو مجھے
عکس بھی دیتا نہیں ب آینے میں رو مجھے
ناتوانی بھی عجب کچھ ہے کہ گلشن میں نسیم
نت لیے پھرتی ہے دوش اوپر برنگ بو مجھے

خشک ہونے سے ہمارا دیدۂ تر پاک ہے
جوں حباب اس گھر میں جب دیکھو ہوا نمناک ہے
منہ پسارے کیا پھرے ہے اے فلک سمجھے ہیں ہم
ایک دن تیرا دہن اور اپنی مشت خاک ہے

مرجاں کا نخل ہوں پھلوں ہوں برگ و بار سے[2]
ٹپکے ہے رنگ خوں مری ہر شاخسار سے
ساقی پہنچ شتاب کہ تجھ بن نہیں مجھے
موج مئے دو آتشہ کم ذوالفقار سے
اتنی ہے بعد مرگ بھی پاس شکست دل
ٹوٹے نہ آینہ مرے سنگ مزار سے

---

۱ - یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں (مرتب) ۔
۲ - یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں (مرتب) ۔

اثر سے ہیں تہی نالے تصرف سے ہیں دم خالی[1]
نیستاں ہو گئے شیروں سے یارب یک قلم خالی

رباعی

گر مہ سے بلندی میں ہوا تو دہ چند
پستوں کے[2] طرف دیکھ کے مت ہو خورسند
جتنے کہ بلندوں کی ہیں نظروں میں یہ پست
پستوں کی بھی نظروں میں ہیں اتنے یہ بلند

گر کچھ بھی حسین اضطراری کرتا
طوفاں وہاں نوح کا جاری کرتا
سودا تھا رضا کا ورنہ اے آب فرات
پانی کی حسین انتظاری کرتا

---

۲ - شوق ، مرزا عبداللہ

صاحب ذوق ، مرزا عبداللہ متخلص بہ شوق[3] ، شاگرد مرزا رفیع السودا ، من کلامہ :

شمع سبز لحد بادہ کشاں ہے شیشہ
مصرعہ[4] آہ دل غم زدگاں ہے شیشہ[5]
حال ساقی سے مرا کچھ نہ کہا اور چلا
میں جو دیکھا تو عجب پنبہ دہاں ہے شیشہ

---

۱ - اثر سے ہے تہی نالہ تصرف سے ہے دم خالی۔
۲- کی -
۳ - تخلص شوق -
۴ - اگرچہ مطلع میں ایطا ہے مگر خوب ہے (حاشیہ[5] مصنف) -

شوق گو عشق میں رسوائے دو عالم ہے ولے
شکر صد شکر ترے پیچھے تو بدنام نہیں

گئی ہے نیند سرشکوں کی **شوق** طوفاں سے
محال عقل ہے آنکھوں کو خواب در تہ آب

۳۔ شہید

مرد صالح و سعید ، نام نامعلوم ، تخلص شہید ۔ شاگرد مرزا سودا ۔ من اشعارہ[1] :

گئے برباد اپنے نالہ و فریاد یا قسمت
بہار آخر ہوئی تب[2] ہم ہوئے آزاد یا قسمت
شہید آخر مقدر تھا ہمیں حسرت میں جی دینا
ہمارے سر پر آ کر پھر گیا جلاد یا **قسمت**

۴۔ ہاشمی ، میر ہاشم (علی)

صاحب معنی میر ہاشم (علی) تخلص ہاشمی شاگرد مرزا سودا ۔ یہ[3] اشعار اس سے یادگار :

مرا سو بار اس تک نامہ بر پر آرزو پہنچا
جواب صاف پہنچا پر ادھر سے جب کبھو پہنچا

---

۱ ۔ من کلامہ ۔
۲ ۔ نسخۂ انجمن میں ''تم'' جو سہو کتابت ہے (مرتب) ۔
۳ ۔ یہ اُس سے یادگار ۔

کیا افشا تمھیں[1] نے راز عشق اے دیدۂ گریاں
بگوش خلق ورنہ کس طرح بے گفتگو پہنچا
دماغ آشفتہ ہوتا ہے صبا سنبل کی نکہت سے
مشام آرزو میں تو کسی کاکل کی بو پہنچا
یہ دعوے سب کے باطل محکمے میں ھاشمی ہوں گے
اگر حاکم تلک وہ شوخ با روئے نکو پہنچا

آہ و نالے کے دو مصرعے جو کہے میں موزوں[2]
صاحب درد اسے شعر فغانی سمجھا

۵۔ فدا ، لچھمی رام

طبیعت کا رسا ، لچھمی رام ، تخلص فدا ، شاگرد مرزا سودا ، یہ[3] دو شعر اس کے ہیں :

گذشتہ حسن کا اب تک نشان باقی ہے
نہ ہوں فریفتہ کیوں کر کہ آن باقی ہے
کہا جو اس سے کہ میں دل تو کر چکا ہوں فدا
تو ہنس کے بولے ابھی تجھ میں جان باقی ہے

٦۔ ممتاز ، میر امانت علی

شاعر با امتیاز ، میر امانت علی تخلص ممتاز ، شاگردی[4] سودا

۱۔ نہ میں نے ۔
۲۔ مضمون ۔
۳ ۔ من کلامہ ۔
۴ ۔ شاگرد سودا ، من کلامہ ۔

اُس کا مایۂ ناز :

ہمارے رونے سے دل کا بخار اٹھتا ہے
کہ جیسے پانی کے چھڑکے غبار اٹھتا ہے

۷۔ شایق ، شیخ پیر محمد

کاشف[۱] حقائق ، شیخ[۲] پیر محمد تخلص شایق ، شاگرد[۳] میر ہاشم ہاشمی ۔ من کلامہ :

کمر شیخ و برہمن دیر اور کعبہ کو کستے ہیں
رہ دل سے ہیں غافل ورنہ دونو ایک رستے ہیں
جو لے کر جان عاشق سے[۴] ملیں خوبان ہندستاں
سمجھنا مت گراں شایق انھیں یہ تو بھی سستے ہیں

ظلم کا شیوہ کچھ اُس ظالم کو ایسا یاد ہے
ہر گھڑی ہر لحظہ اک تازہ ستم ایجاد ہے
ہاشمی کی وضع پر تو[۵] گفت‌وگو کر[۶] اختیار
ورنہ فن شعر میں شایق ہر اک اُستاد ہے

۱۔ نسخۂ انجمن میں شایق کا ترجمہ ہاشمی کے بعد اور فدا سے پہلے ہے ۔ (مرتب)
۲۔ نسخۂ انجمن میں ''میر محمد'' جو سہو کتابت ہے ۔ (مرتب)
۳۔ شاگرد ہاشمی ، من وارداتہ ۔
۴۔ بھی ۔ ۵۔ کر ۔
۶۔ تو ۔

۸ ـ معین ، محمد معین

شاعر متین ، کلام اُس کا نمکین ، محمد معین تخلص معین ، شاگرد مرزا رفیع سودا ـ من اشعاره[1] :

(جوں نگیں منہ کیا کالا میں سیہ کاری سے
رو سیاہی میں بھی اک نام و نشاں رہتا ہے)

رباعی :

خوں پیتے ہیں اب تو سے کا پینا معلوم
دل کے ہاتھوں ہمارا جینا معلوم
گر جیب پھٹا ہو تو رفو ہو ناصح
یہ چاک جگر ہے اس کا سینا معلوم

۹ـ قایم ، شیخ قیام الدین

طبیعت درست ، ذہن اُس کا سالم ، شیخ قیام الدین تخلص قایم ، ساکن چاند پور پرگنہ نگینہ ضلع مراد آباد ، شاگرد رشید مرزا رفیع السودا ـ اوایل میں توپ خانۂ بادشاہی میں نوکر تھا ، بعد[2] اُس کے صیغۂ شاعری میں سرکار نواب محمد یار خاں بہادر میں معزز اور محترم رہا ـ غزل اور قصیدہ میں دوش بدوش (اور قدم بہ قدم) اپنے استاد سے تھا ـ ایک مثنوی لدھا شاہ کے احوال میں کہی[3] اُس کی خوب ہے ـ اس میں داد شاعری کی دی ہے ، مگر

۱- من کلامہ ـ

۲- بعد اس کے سرکار . . . . بہادر میں صیغۂ شاعری میں ملازم ہوا اور عزیز و محترم رہا ـ

۳- اس نے کہی ہے اور داد ۰۰۰۰ دی ہے ـ

مطلع میں فرق قافیے کا خیلے بد اسلوب اور وہ یہ ہے[1] :

الٰہی شعلہ زن کر آتش دل
تپ دل دے بقدر خواہش دل

صفائی میں اُس تکیہ کی جہاں وہ (فقیر) رہتا تھا کہتا ہے :

اگر تنکا کوئی واں ڈھونڈ لائے
بجز لاغر تن لدھا نہ پائے

یہ اشعار اُس کے کہ[2] انتخاب کیے ہوئے ہیں ، لکھے جاتے ہیں ۔

پڑھ کے قاصد خط[3] مرا اُس بد زباں نے کیا کہا
کیا کہا پھر[4] کہہ بت نامہرباں نے کیا کہا

غیر سے ملنا تمھارا سن کے گو ہم چپ رہے
پر سنا ہوگا کہ تم[5] کو اک جہاں نے کیا کہا

جو کوہ کن تجھے قوت ہی[6] آزمانا تھا
عوض پہاڑ کے شیریں سے دل اُٹھانا تھا

اس شعر کو سودا کے[7] دیوان میں بھی دیکھا ہے ۔ مضائقہ نہیں کہ استاد کے مال پر شاگرد کو ملکیت پہنچتی ہے ۔

معاملہ ہے یہ[8] دل کا اُسے کہے گا وہ کیا
پیام بر کے ہمیں ساتھ آپ جانا تھا

۱۔ وہی ھذا ۔
۲۔ . . . . کہ انتخاب ہیں ۔
۳۔ خط قاصد ۔
۴۔ یہ ۔
۵۔ ہم کو یک ۔
۶۔ نسخۂ انجمن میں ''تھی'' جو سہو کتابت ہے (مرتب) ۔
۷۔ . . . . کے بھی دیوان میں دیکھا ہے ۔
۸۔ جو ۔

کہو کہ گور غریباں میں رکھیں **قایم** کو
کہ اُس کا جیتے بھی اکثر وہی ٹھکانا تھا

کیا کہیے نا توانی غم کی خرابیاں
گر دل کو اپنے جمع کیا جی[1] بکھر گیا

ہم دگر جب خفگی آئی تو جھگڑا کیسا
تم کو خواہندہ بہت ہم کو طرح دار بہت[2]

قایم آتا ہے مجھے رحم جوانی پہ تری
مر گئے ہیں اسی آزار کے بیمار بہت

یاں سے اٹھ غیر کے گھر شب کو گیا کہتے ہیں
بارے اے ننگ محبت اسے کیا کہتے ہیں

خوش رہ اے دل اگر تو شاد نہیں
یاں کی شادی کا اعتماد نہیں

میں کہا عہد کیا کیا تھا رات
ہنس کے کہنے لگا کہ یاد نہیں

آوے خزاں چمن کی طرف گر میں رو کروں
غنچہ کرے گلوں کو صبا گر میں بو کروں

کہتا ہے آینہ کہ ہے تجھ سا ہی[3] ایک اور
باور نہیں تو لا میں ترے روبرو کروں

۱- تو -

۲- یہ اور اس کے بعد کا شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۳- بھی -

لائق وفا کے خلق ، سزائے جفا ہوں میں
جتنے یہاں ہیں نیک ہیں بس اک برا ہوں میں
آگے مرے[1] نہ غیر سے گو تم نے بات کی
سرکار کی تو نظروں کو پہچانتا ہوں میں

قبول عذر تو واں ہو جہاں ملال بھی ہو
مجان پاک صفا یاں جو کچھ خیال بھی ہو[2]
قصور خدمت احباب اس قدر قایم
کچھ آدمی کو ہے لازم کہ انفعال بھی ہو

شمع ساں جلنے کو صانع نے بنایا مجھ کو
جس کے میں ہاتھ پڑا اس نے جلایا مجھ کو
تھا بد و نیک جہاں سے میں عدم میں آزاد
آہ کس خواب سے ہستی نے جگایا مجھ کو

نہ ہم فلک کے کبھی ریو و رنگ سے چھوٹے
پڑے بھنور میں جو کام نہنگ سے چھوٹے
نہ اس کی زلف سے چھٹنے کا قصد کر قایم
کوئی سنا ہے کہ قید فرنگ سے چھوٹے

یا رب کوئی اس چشم کا بیمار نہ ہووے
دشمن کے بھی دشمن کو یہ آزار نہ ہووے[3]

۱- نہ میرے ۔
۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں (مرتب)
۳- ایضاً ۔

صورت میں تری گر نظر آئے ملک الموت
جی دینا کسی طور سے دشوار نہ ہووے

کیا کیا عدم میں ہم پر ظلم و ستم نہ ہوں گے
چرچے یہی رہیں گے افسوس ہم نہ ہوں گے[1]

شاید وہ بھول کر کبھی یاں بھی قدم رکھے
یکساں کرو زمین ہمارے مزار کی

وہ بھی کیا دن تھے کہ جی کو لاگ اس کے سات تھی
میں تھا اور کوچہ تھا اس کا اور اندھیری رات تھی

داماں گل تلک ہے کہاں دست رس مجھے
تکلیف سیر باغ نہ کر اے ہوس مجھے
قایم میں عندلیب خوش آہنگ تھا ولے
زاغ و زغن کے ساتھ کیا ہم نفس[2] مجھے

یوں دل زار ملا آہ کے سر رشتے سے
سوزن گم شدہ جوں آئے نظر رشتے سے

شیطان کب تک یہ باد بھکتے پھرنا
ہر فرد کے ذائقے کو چکھتے پھرنا
سجدہ نہ کیا دادا کو تب نخوت سے
اب پوتوں کے آگے ....[3] رکھتے پھرنا

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۲- ہم قفس ۔
۳- ایک فحش لفظ حذف کیا گیا ۔ (مرتب)

ظاہرا یہ رباعی بعد احتلام کے کہی تھی - رباعی دیگر :

پھرنا خوباں[1] کے ساتھ کب کا چھوٹا
بوسہ لینا بھی[2] ان کے لب کا چھوٹا
اک خو سی رہتی ہے دیکھنے کی قائم[3]
سب کچھ چھوٹا پہ یہ نہ لپکا چھوٹا

---

۱۰ - کلیم ، محمد حسین

طبیعت مستقیم ، ذہن سلیم ، محمد حسین تخلص کلیم ، محمد[4] قائم نے اس کو شاگرد اپنا بہت تعریف کے ساتھ لکھا ہے :

آتی ہے دل پہ قلقل مینا سے اب شکست
وہ دن گئے کلیم کہ یہ شیشہ سنگ تھا

قافلے کتنے گئے کوئی نہ سمجھا کیا ہے
شور کر کہتی رہی بانگ درا کیا کیا کچھ

---

۱۱ - بے تاب

بیتاب ، شاگرد محمد قائم ، یہ مقطع اس کے اشعار سے انتخاب :

بیتاب بھی کیا جواں تھا اے وائے
ہو خانہ خراب اس اجل کا

۱- خوبوں -   ۲- لینا بوسہ ہی -
۳- اک خو سی رہی دیکھنے کی قایم -
۴- تلامیذ قائم (کذا) - شاگرد اپنا بہت تعریف کے ساتھ لکھتا ہے ، من کلامہ -

۱۲ - کبیر ، حکیم کبیر علی

علم و ہنر سے ممتلی ، حکیم کبیر علی تخلص کبیر ، شاگرد محمد قائم چاند پوری ۔ من کلامہ :

ایک ہی یار سے جی ناک میں آیا ہے کبیر
زیست معلوم اگر ایسے ہی دو چار ملے

---

۱۳ - پروانہ ، پروانہ علی شاہ مرادآبادی

وحید زمانہ ، پروانہ علی شاہ مراد آبادی تخلص پروانہ ، شاگرد محمد قائم :

آج ثابت نہ رہا دل ، نہ کوئی جان درست
اس کی مژگاں نے کیے پھر پر پیکان درست
ہمت حضرت قائم سے اگر ہو امداد
چند ایام میں کر لیجیے دیوان درست

۱۴- شوق ، قدرت اللہ

ملائے زماں ، فاضل دوراں ، شاعر با ذوق ، مولوی قدرت اللہ متخلص بہ شوق ، ساکن رام پور ، شاگرد (محمد) قائم ۔ من کلامہ :

بہکی بہکی آج باتیں ہم سے[۱] کرتا ہے وہ شوخ
کچھ نہیں معلوم ہے[۲] ، کس کا ہے بہکایا ہوا

آتش غم سے نہ کیوں ہوں[۳] چشم میری اشک بار
کہتے ہیں برسے ہے بادل خوب گرمایا ہوا

۱- بہکی بہکی ہم سے باتیں آج کرتا ہے وہ شوخ ۔
۲- یہ ۔ ۳- ہو ۔

کہتے ہیں اس کو نزاکت ، چہرہ اس کا پھول سا
گرمیٔ نظارہ سے جاتا ہے کمھلایا ہوا

جوں[1] لگیں منہ کیا کالا میں سیہ کاری سے
رو سیاہی میں بھی اک نام و نشاں رہتا ہے

۱۵- رفعت ، غلام جیلانی

شاعر خوش طبیعت ، مولوی غلام جیلانی تخلص رفعت ، شاگرد (مولوی) قدرت اللہ شوق (من کلامہ) :

اٹھ گیا رات جو اس ماہ جبیں کا پردہ
ہو گئی چادر مہتاب زمیں کا پردہ

نظر عشق سے محروم نہیں جلوۂ دوست
مردم چشم ہے اس پردہ نشیں کا پردہ

یار نے جب غزل تازہ سنائی مجھ کو
صوت بلبل دہن غنچہ سے آئی مجھ کو

۱۶- صنعت ، شیخ کریم الدین

صاحب[2] جاہ و ثروت ، شیخ کریم الدین تخلص صنعت[3] ، مسکن اس کا رام پور ، شاگرد شوق (من کلامہ) :

۱- یہ شعر محمد معین معین کے نام سے پہلے آ چکا ہے - نسخۂ انجمن میں شوق کے نام سے یہ شعر نہیں ہے - (مرتب)
۲- صاحب شوکت -
۳- . . . . صنعت ، شاگرد . . . .

نہ مونس نہ ہم دم نہ ہم یار ٹھہرے
فقط غم کے کھانے کے غم خوار ٹھہرے
یہ مانا کہ ہیں آپ دلبر[۱] ولیکن
ہمارا ہی دل لے کے دل دار ٹھہرے
کیے میں نے نالے جو صنعت تو بولے
یہ کہہ دو اسے زیر دیوار ٹھہرے

۱۷- طالب ، ملا اللہ داد عرف شبراتی

کنز الدقائق مطالب ، ملا اللہ داد عرف شبراتی تخلص **طالب** ، شاگرد[۲] قدرت اللہ شوق - (من کلامہ) :

بزم اغیار میں دیکھو ہو تماشا بیٹھے
کیا تماشا ہے[۳] کہ **طالب** کو خبر ہو اس وقت

جی سے جاتا ہوں مجھے تھام کسی صورت سے
کام دل دے بت خود کام کسی صورت سے
شکل ہے خوب کسی کی تو مجھے کیا **طالب**
میں تو رکھتا نہیں کچھ کام کسی صورت سے

۱۸- غفلت ، احمد خان

مجمع فصاحت و بلاغت احمد خان[۴] افغان تخلص غفلت ، شاگرد شوق - (من کلامہ) :

۱- دل دار لیکن -
۲- شاگرد شوق -
۳- ہو -
۴- . . . . خان[۱] تخلص . . . . شاگرد مولوی قدرت اللہ شوق -

رہتی تھی زیست ہی میں نہ شام و سحر کھلی
ہے گور میں بھی جوں خم مے چشم تر کھلی
گریہ نے اپنے عقدۂ مشکل کو حل کیا
یہ طرفہ تر گرہ تھی کہ ہوتے ہی تر کھلی

سر فرہاد جو خسرو نے لگایا غفلت
کیا کوئی کنگرہ کم شیریں کی تعمیر میں تھا

۱۹- کرم ، کریم اللہ خان

صاحب تیغ و قلم[1] ، کریم اللہ خاں تخلص کرم ، وطن[2] رام پور ، شاگرد قدرت اللہ شوق ۔ منہ :

لبوں پر ہو جو ذکر بینیٔ دل دار بہتر ہے
اسی ہائے دو چشمی کا سبق ہر بار بہتر ہے
کرم بوسہ سے آس سیب ذقن کے ہم کو سیری ہے
یہی بس عین بے برگی میں ہم کو بار بہتر ہے

---

۲۰ - ماہر ، غلام محمد خان

نیکو شاعر ، غلام محمد خاں تخلص ماہر ، رہنے والا رام پور کا ، شاگرد[3] قدرت اللہ شوق کا (من کلامہ) :

جنوں کے اب تو دفتر کی ہوئی ہے مجھ کو دیوانی
بجا ہے لے چلے مجنوں قلم داں کا مرے بستہ

۱- علم ۔
۲ - ساکن رام پور شاگرد شوق ۔
۳ - شاگرد شوق ۔

ترے کاکل کے پیچوں میں دل اپنا بدھ سکے کیوں کر
وبال جاں ہے طے کرنا شب تاریک کا رستہ[1]

سب سے مشکل ہے محبت میں فن[2] پروانہ
دوش پروانہ پہ نت ہے کفن پروانہ

شمع تک کاہے کو ہوتا گزر پروانہ
ہے وبال سر پروانہ پر پروانہ

---

۲۱ - حیرت ، میر مراد علی شاہ

خوش فکر ، پاکیزہ طبیعت ، میر[3] مراد علی شاہ تخلص حیرت ، ساکن مراد آباد ، شاگرد شوق ۔(من کلامہ) :

نظر آیا یہ جہاں نقش بر آب آخر کار
تاج سر پر سے گرا مثل حباب آخر کار

سادہ رویوں کے دلا مہر و محبت پہ نہ جا
منہ پہ دیویں گے تجھے صاف جواب آخر کار

سرشک و آہ[4] ہے سوز جنوں ہے وحشت ہے
عجب جلوس سے جاتا ہے قافلہ دل کا

ہم اس بزم سے یوں پر ارمان نکلے
جوانی میں جس طرح سے جان نکلے

---

۱ - یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲ - نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے ”پر پروانہ“ - (مرتب)
۳ - میر میراد علی تخلص حیرت ، شاگرد . . . .
۴ - . . . . آہ سے شور جنوں . . . .

۲۲ - شہیدی ، کرامت علی خان

شاعر منتہی ، کرامت علی خاں تخلص شہیدی ، ساکن بریلی - اگرچہ شاگردی اس کی مفصل معلوم نہیں لیکن شعرائے رام پور اور بریلی میں اس کو لکھا جاتا ہے - ایک مدت ہوئی کہ وہ عازم بیت اللہ کا ہوا تھا ، پھر حال اس کا ظاہر نہ ہوا کہ زندہ ہے یا سائل مرگ کا لبیک گویاں ہوا -

حکایت : جس ایام میں سید احمد علی خاں پسر سید ناصر خاں داماد نواب منور الدولہ بہادر ناظم[1] علاقہ بیسواڑہ کے تھے ، یہ مولف رفاقت میں اس والا جاہ کی شرف امتیاز رکھتا تھا منشی اکرام حسین صاحب رہنے والے رائے بریلی کے یہ[2] مطلع کرامت علی خاں شہیدی کا پڑھ کے کہنے لگے کہ ایسا کہنا خیلے دشوار ہے -

قاتل نے پیش قبضۂ شمشیر سے نمک
رگڑا کباب پہلوے نخچیر سے نمک

میں نے ان کے کہنے پر اعتنا نہ کی اور واسطے دلیل دعوی کے بدیہتہً یہ مطلع کہا :

پہنچا نہ[3] جب وہاں کسی تدبیر سے نمک
زخم جگر میں اس نے بھرا تیر سے نمک

حضار نے بہت سی تحسین کی - قصہ کوتاہ اشعار[4] شہیدی کے یہ ہیں :

۱- ناظم بیسواڑہ کے تھے -
۲- ایک دن یہ مطلع شہیدی کا پڑھ کر . . . .
۳- پہنچا وہاں نہ جب . . . . . .   ۴- یہ اشعار شہیدی سے یاد گار-

گر کچھ مزا ملا تو **شہیدی** اسی کے ساتھ
خنجر تو یہ[1] گلے پہ مرے بارہا پھر

عام ہے اس کا تو الطاف **شہیدی** سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

جلد انصاف چکا خلق کا اے داور حشر
پھر قیامت ہے جو وہ شوخ ستم گر آیا
نام مرنے کا سنے سے جسے غش آتا ہو
وہ **شہیدی** کے جنازے پہ مقرر آیا

ظالم کبھی تو بام پر آ جا کہاں تلک
بہلائے کوئی جی در و دیوار دیکھ کر

دل کے جانے کا **شہیدی** حادثہ ایسا نہیں
کچھ نہ روے آہ[2] گر ہم عمر بھر رویا کیے

---

۲۳ - لطف ، لطف علی بیگ

طبیعت اس کی پاکیزہ اور لطیف ، لطف علی بیگ تخلص لطف ، شاگرد[3] رفیع سودا ، یہ شعر اس کے یادگار ۔

اس سے کیوں چشم مروت تجھے اے یار نہیں
تیرے الطاف کا کیا **لطف** سزا وار نہیں

۱- یوں ۔
۲- . . . . . آہ ہم گر . . . . .
۳- شاگرد سودا ۔ من کلامہ ۔

۲۴ - عشرت ، میر غلام علی

شاعر کثیر الہمت ، میر غلام علی تخلص عشرت ، ساکن بریلی۔ بقول مصطفیٰ خاں صاحب تذکرہ چار باغ[1] شاگرد لطف علی بیگ لطف کا ۔ قصہ پدماوت تصنیف کیا ہوا اس کا مولف کی نظر سے گزرا ہے ، تلاش کم اور بے ربطی[2] بہت سی اس میں ہے ۔ چنانچہ دو شعر اس کے لکھے جاتے ہیں ، پدماوت کی تعریف میں کہتا ہے :

زنخ پر اس کے ہے یوں خوش نما تل
کسی عاشق کا جل کر رہ گیا دل

دوسرا شعر جب رتن سین اپنی[3] مادر سے رخصت ہوا ہے ، وہ یہ ہے :

رتن بولا کہ سن اے میری مائی
مجھے چھتیس دھاریں تیں پلائی

من کلام عشرت :

رگ لیلی پہ جو فصاد نے نشتر مارا
قیس کے خون نے بھی جوش برابر مارا

چل جائے اگر اس ستم ایجاد پہ جادو
تو جانیں کیا لاکھ پری زاد پہ جادو

۱- . . . . تذکرہ گلشن بے خار شاگرد لطف کا ۔
۲- بے لطفی بہت اس میں ہے ۔
۳- اپنی ماں سے رخصت ہوا ۔

بسان جام خالی پھوڑ ڈالوں چشم پر خوں کو
نہ دیکھوں گر صراحی دار اس مخمور کی گردن

غیروں سے ہنسا وہ جو مرے سامنے **عشرت**
کچھ بس نہ چلا اپنے بس آنسو نکل آئے

---

۲۵ - آزاد ، شیخ امیر الدین

خوش اعتقاد ، شیخ امیر الدین تخلص آزاد ، شاگرد[1] میر غلام علی عشرت ۔ من کلامہ :

بن ترے سیر چمن کو نہ گئے ہم ورنہ
خندۂ گل نے ہمیں خوب رلایا ہوتا

---

۲۶ - شوکت ، منیف علی

بد اعتقاد[2] و بد حقیقت ، منشی منیف علی تخلص شوکت، ساکن بجنور ، پرگنہ نگینہ ۔ شومئی بخت سے دین محمدی ترک کرکے بطمع دنیا نصاری ہوا۔ طرفہ یہ کہ وہ متبع دجال مسیح مشہور[3] ہے ۔ شاگرد عشرت :

کاٹ ہے[4] جو ابروے خم دار میں
وہ برش کب ہے کسی تلوار میں

۱- شاگرد عشرت ، یہ اس سے یاد ۔
۲- لا مذہب ۔
۳- . . . . مشہور ، شعر اُس کا عشرت کا منظور ۔
۴- جو ہے ۔

مجھ میں اور یار میں ہے معرکہ آرائی آج
سرخ رو رکھیو تو اے دیدۂ خوں بار مجھے

---

۲۷ - زکی ، شیخ مہدی علی

صاحب[1] ارشاد ، علم معا اور تاریخ میں استاد ، شیخ مہدی علی تخلص زکی ، ساکن مراد آباد ، یہ اشعار اُس سے یاد :

شب تصور تھا جو اس کے روئے پر تنویر کا
چودھویں کے چاند کو سمجھے ورق تصویر کا

عکس پڑ جائے جو اس کی نقرئی زنجیر کا
موج دریا میں ہو جلوہ ماہ کی تنویر کا

زندگانی تازہ پاتے ہیں ترے لب کے شہید
آب حیواں ہے مگر پانی تری شمشیر کا

تیرے دیوانے کے مشہد پر دل مجنوں پڑھے
حلقۂ ماتم میں نوحہ شیون زنجیر کا

قطرہ زن ہو تو بھی اُس کے ساتھ او ننگ سرشک
قافلہ گرم سفر ہے نالۂ شب گیر کا

آب خنجر بن گیا زہراب راہ عشق میں
پاؤں کا ہر آبلہ چھالا بنا شمشیر کا

برق سا نالہ چمک جاتا شب فرقت اگر
ہم چراغ اُس کو سمجھتے خانۂ زنجیر کا

گر چٹا لے خوں شہید لب کا او بے داد گر
زہرۂ یاقوت ہو جوہر تری شمشیر کا

۱- ترجمۂ زکی نسخۂ پٹنہ میں نہیں ، نسخۂ انجمن میں ہے - (مرتب)

بے پر و بالی طپش سے ہم نے پیدا آپ کی
شکوہ کیا صیاد کا اور کیا گلہ تقدیر کا

چرخ گرداں تودۂ طوفاں نظر آیا مجھے
ہر ستارے کو میں اک سوفار سمجھا تیر کا

صورت محبوب رہتے ہیں نظر میں جلوہ گر
دیدۂ حیراں ہے آیینہ تری تصویر کا

حسرت و افسردگی سے ذوق ہے دل کو زکی
رنگ خوش آتا ہے مجھ کو غنچۂ تصویر کا

---

۲۸ - حسن ، میر حسن

شیریں سخن ، کامل ہنر و فن ، سید والانژاد ، میر حسن ولد میر غلام حسین ضاحک - ہمت اس کی شعر و سخن میں وسیع ، شاگرد[1] رشید مرزا رفیع - دوازدہ سالگی میں شاہ جہان آباد سے لکھنؤ میں آیا ، نواب سالار جنگ کے بیٹے سردار جنگ تھے ، ان کی سرکار[2] میں معزز و محترم رہا - بہ سبب تقاضائے جوانی محل کی ایک عورت سے محبت اور موانست ہوئی ، چونکہ طبیعت موزوں تھی ، بپاس خاطر معشوقہ مثنوی بے نظیر تصنیف کی - یہ تلازم کہ مثنوی[3] میں ہے ، شنیدہ نہیں دیدہ ہے -

الحق مثنوی نہیں کارنامہ اور شاعری پر حجت[4] ہے - اس قدر اس کی زمانے میں شہرت کہ ہر وضیع و شریف کو اشعار اس کے

۱- شاگرد مرزا رفیع -
۲- . . . . سرکار میں نوکر رہے - (رہا)
۳- اس میں ہے . . . .
۴- . . . . حجت ، اس قدر زمانے میں اس کی شہرت . . . .

یادگار ۔ نواب قاسم علی خاں (بہادر) نے جب[1] مثنوی آں سے سنی فرمایا کہ مجھے دو کہ میں تمھاری طرف سے حضور میں نواب آصف الدولہ بہادر کے لے جاؤں ۔ مصنف نے بہ خیال اس کے مبادا اور کسی کے نام سے حضور میں گزرے[2] ، مثنوی کے دینے میں انکار کیا ۔ بعد چندے میر حسن صاحب مع مثنوی اور کسی کی تقریب سے حضور میں پہنچے ۔ نواب سابق الذکر کہ افسانۂ رفتہ سے آزردگی رکھتے تھے ، نواب صاحب کی تعریف میں بول اٹھے ، یہ جو کہتے ہیں ، مصرع :

کہ اک دن دوشالے دیے سات سے

حضور نے تو ہزار ہا دوشالے آن واحد میں بخش دیے ہیں ، شاعری میں مبالغہ ہوتا ہے یہاں بیان[3] واقع میں بھی کمی ۔ نواب نام دار کا دل اس کے سننے سے اچاٹ ہوا ۔ یہ فقط کم نصیبی میر موصوف کی تھی کہ ایسے حاتم دوراں کی سخاوت سے نا کام[4] اور محروم رہا ۔

یہ بھی کیا خوب لطیفہ ہے کہ جب مرزا رفیع سودا نے وہ مثنوی سنی نہایت خوش ہوئے اور عین بشاشت میں فرمایا ''تم نے یہ مثنوی ایسی کہی ہے کہ میر غلام حسین کے بیٹے نہیں معلوم ہوتے یعنی فخر ان کے ہو۔'' اس مثنوی کے سوا اور[5] بھی ایک

۱۔ . . . . جب اسے سنا فرمایا مجھے دو کہ تمھاری . . . .
۲۔ . . . . گزرے ، انکار کیا ۔ بعد چندے اور کسی تقریب سے حضور میں باریاب ہوئے ۔
۳۔ بیان واقعی میں کمی ۔ ۴۔ ناکام رہا ۔
۵۔ دو مثنوی اور ہیں ایک مسمی بہ رموز العارفین اور تیسری چھڑیوں . . . .

مثنوی مسمی بہ رموز العارفین ہے اور تیسری مثنوی چھڑیوں کے احوال میں ، چنانچہ یہ شعر اس کا (لکھا جاتا ہے) :

مدار اس قافلہ کا تھا چھڑی پر
چلے ہم واں سے چھڑیوں ساتھ مل کر

جب میر حسن شاگرد مرزا رفیع سودا کے ہوئے، جو مزخرفات اُن کے والد کا تھا اُسے دھو ڈالا ، اس سے وہ مشہور نہ ہوا ۔

میاں مصحفی صاحب نے[1] تاریخ ان کے انتقال کی یہ کہی :

چوں حسن آں بلبل خوش داستان
رو ازیں گلزار رنگ و بو بتافت

بس کہ شیریں بود طبعش **مصحفی**
شاعر شیریں زباں تاریخ یافت

من کلامہ :

شب وصل صنم ہے آج اے ہم دم کسی ڈھب سے
گریبان سحر کو ٹانک رکھنا دامن شب سے

صیاد کی مرضی ہے کہ اب گل کی ہوس میں
نالہ نہ کرے مرغ گرفتار قفس میں

دھیان رہتا ہے جو اُس کوچے میں اکثر اپنا
گھر میں ہم رہتے ہیں اور ڈھونڈتے ہیں گھر اپنا

۱- . . . . نے تاریخ کہ اُن کے انتقال کی کہی ہے وہ یہ ہے -

شاہ عالم' مرزا سلیمان شکوہ بہادر کے یہاں مشاعرہ تھا ''دل پر اپنا'' اس کی طرح - جب میر حسن نے مطلع مرقوم الصدر پڑھا ، حضرت نے بار بار اس کی ایسی تعریف کی کہ کمر اس آزادہ کی بار تسلیم سے خم ہوگئی اور اس مطلع کو شیخ ناسخ بھی اکثر پڑھتے تھے اور وجد کرتے تھے -

ساتھ سونے کو ہمارے سیم بر آتے نہیں
جن سے چین آتا ہے جی کو وہ نظر آتے نہیں

دل ہے اک پامال کر جاتے ہوبس دیکھا تمھیں
تم کو آنکھوں پر کسی کی پاؤں دھر آتے نہیں

رات دن بے خود رہا کرتے ہیں اس کی یاد میں
مدتیں گزریں حسن ہم اپنے گھر آتے نہیں[۲]

غصے میں جوش مارا جو دریاے حسن نے
جلوے نزاکتوں کے پسینے پر آ رہے

دو دن کے چاؤ چور حسن کے تھے ہوچکے
پھر رفتہ رفتہ اپنے قرینے پر آ رہے[۳]

۱- یہ سلیمان شکوہ بہادر کے مشاعرے کی طرح تھی ، جب میر حسن نے مطلع مرقوم الصدر پڑھا ، حضرت نے اس کی تعریف میں ایسا مبالغہ فرمایا کہ بار تسلیم سے کمر اس آزاد کی خم ہوگئی اور شیخ ناسخ مغفور بھی اس مطلع کو اکثر اوقات پڑھتے تھے اور وجد کرتے تھے -

۲،۳- یہ اشعار نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

دل اب تو بات بات پہ[1] پستا ہے اے **حسن**
کیا جانیں اس میں کس کی نزاکت سما گئی

کیوں ان دنوں **حسن** تو اتنا جھٹک گیا ہے
ظالم کہیں ترا دل کیا پھر اٹک گیا ہے[2]

اتنی جاگہ نہ ملے اور کہیں مجھ کو کیا
تیری خاطر سے میں آتا ہوں نہیں مجھ کو کیا
میں ہوں آیینہ تو اپنا ہے تماشا آپ ہی
تیری آنکھیں جو مجھے دیکھ رہیں مجھ کو کیا[3]

دیکھتے ہی مے کے ساغر کا نہ کھینچا انتظار
مارے جلدی کے میں اپنا ہاتھ پیمانہ کیا

تا اشارے کو سمجھنے نہ لگے غیر کے وہ
میں نے اس ڈر سے کبھی اس کو اشارہ نہ کیا

مجھے آتا ہے رونا دیکھ کر زانو کو اب اپنے
کہ تھا اک وقت میں تکیہ کسی کے یہ سرہانے کا[4]

اکثر اس بزرگ کی غزلوں میں قطعے خوب ہوتے ہیں ، دو چار لکھے جاتے ہیں :

۱- میں
۲ تا ۴- یہ اشعار نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

سوال یار سے میں نے کیا بوقت وداع
کہ اک[1] نشانی کی تجھ[2] سے امیدواری ہے
لگا وہ کہنے کہ تو بے شعور ہے کتنا
یہ داغ دل پہ ترے تھوڑی یاد گاری ہے

میں کہا دل میں درد ہے میرے[3]
ہنس کے کہنے لگے خدا نہ کرے
پھر جو کچھ دل میں آ گیا تو کہا
ہمیں پیٹے اگر دوا نہ کرے

ہوئی رات داد و ستد کچھ عجب
جب اس لب سے ہم بوسہ لینے اڑے
ملاتے[4] ہی لب لب سے بس جان دی
حسن اور لینے کے دینے پڑے

جی میں آتا ہے کہ اس شوخ کی محفل میں کبھی
ساتھ لے جاؤں میں ایک اپنے طرح دار لگا
اور یہ عرض کروں جنس ہے دل کی حاضر
عوض بوسہ پہ دیتا ہوں میں ناچار لگا
آپ لیتے ہیں تو لیں ورنہ کہو اس کو دوں
ساتھ پھرتا ہے کئی دن سے خریدار لگا

۱- یک ۲ - تم
۳- یہ قطعہ نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۴- ملاتے ہی بس لب سے لب جان دی -

کیا بڑی عمر ہے دل میں ابھی گزرا تھا مرے
کیا مزا ہووے کہ ایسے میں وہ دلدار ملے
بارے تم آن ہی پہنچے مرا دل شاد ہوا
میں نے یہ جانا کہ ہیں دونوں کے اسرار ملے

---

۲۹ - نادر ، گنگا پرشاد

لالہ[۱] گنگا پرشاد تخلص نادر ، خوش شاعر ، شاگرد میر حسن -
من کلامہ :

قاصد تو اس فریب سے پاس اس کے جائیو
کس کا ہے خط یہ مجھ کو ذرا پڑھ سنائیو

---

۳۰ - احقر ، مرزا جواد علی

بزرگ سخنور ، مرزا جواد علی تخلص احقر ، شاگرد میر حسن -
من کلامہ[۲] :

بزم میں اس کی جو شب ماہ[۳] کا مذکور چلا
اٹھ کے مجلس سے وہیں وہ بت مغرور چلا

تو نے جو کہا پیار سے مجھ کو ادھر آنا
آنکھوں میں لہو مدعیوں کی آتر آیا

۱- نسخہ٬ انجمن میں "لالہ" نہیں لکھا - (مرتب)
۲- من وارداتہ -   ۳- چاہ -

۳۱ - خلق ، میر احسن

خلق[1] تخلص ، نام میر احسن ، خلف اور شاگرد میر حسن - یہ شعر ان سے یادگار :

عجب عالم میں مے نوشی[2] کے وہ مجھ کو نظر آیا
کہ اتنا بھی نہ آیا ہوش جو پوچھوں کدھر آیا

گلی میں اس کی میں کس کس توقع پر گیا لیکن
نہ دیکھا جا کے واں اس کو تو آہ سرد بھر آیا

گل کے آنے کی خبر بھی اب صبا لاتی نہیں
موسم گل شاید اس ایام سے جاتا رہا

نہ وہ آتا ہے میرے یاں نہ جا سکتا ہوں میں اس تک
دل ناشاد کی حسرت کہو کیوں کر بھلا نکلے[3]

آئے ہیں عدم سے چھٹ کے روتے ہیں پڑے
دو دن کی یہ زیست ہے سو کھوتے ہیں پڑے
(اے خلق خوش احوال انھوں کا وہ جو
آرام سے زیر خاک سوتے ہیں پڑے)

---

۳۲ - حجام ، عنایت اللہ

اہل حرفہ اور موزوں تمام ، عنایت اللہ تخلص حجام ، رہنے

۱- میراحسن ، تخلص خلق ، شاگرد اور خلف میر حسن - یہ اس سے یادگار -

۲- بے ہوشی -

۳- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

والا سہارنپور کا ۔ مرزا رفیع سودا کے خط کے بنانے سے اصلاح پذیر ہوا ۔ صحبت اہلِ فضل و کمال کی خاصیت پارس کی رکھتی ہے کہ آہن باوجود تیرہ درونی کے زر خالص ہوتا ہے ، جیسے کہ اس پیشہ ور کو دولت نقد سخن کی حاصل ہوئی اور تمام شاہجہان آباد میں مورد تحسین و آفریں ہوا[1] ۔ یہ چند شعر اس کے (لکھے جاتے ہیں) :

ہر دم نظر آتے ہیں نئے یار[2] تمہارے
ہم جی چکے گر ہیں یہی اطوار تمہارے

اک[3] روز نصیبوں سے کہیں واں تئیں پہنچوں
پھر سر ہے مرا اور در و دیوار تمہارے

ہے جی میں کہ اک[4] روز ان آنکھوں سے یہ پوچھوں
جیتے نہیں کس واسطے بیمار تمہارے

اس شوخ کے کوچے میں نہ جایا کرو **حجام**
چھن جائیں گے یک روز یہ ہتھیار تمہارے

فلک کے جور کے مارے ہوؤں سے یہ کوئی پوچھے
کہ ہیں زیر زمیں میں دکھ میں یا آرام کرتے ہیں[5]

رقیبوں پر یہاں[6] پڑتے ہیں تب سو سو گھڑے پانی
بلا **حجام** کو جس روز وہ حمام کرتے ہیں

۱- تھا ۔ ۲- پیار ۔
۳ ، ۴- یک ۔
۵- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۶- میاں ۔

اب تو حجام شیخ کی داڑھی
تا بموے . . . .[1] پہنچی ہے

بسان ناقۂ لیلیٰ کے یک دو گام غلط
خدا کرے کہ ادھر بھی ترا سمند کرے

دیکھ عاشق کی ترے رسوائیاں
عشق کی یاروں نے قسمیں کھائیاں

ہے تعجب ضعف سے کل دم لیا جاتا نہ تھا
آہ و نالے کی کہاں سے آج طاقت ہو گئی
(سر میاں حجام بہتوں کے پھرے تھے مونڈتے
آج اس کوچے میں ان کی بھی حجامت ہو گئی)

۳۳ - رضا ، مرزا محمد رضا

بلبل خوش نوا ، مرزا محمد رضا تخلص رضا ، شاگرد[2] مرزا رفیع السودا ـ یہ شعر یادگار :

شام ہجراں گر نہ بے تابی کرے دل کیا کرے
دم بدم ہوتی ہے آفت سر پہ نازل کیا کرے

جو اب یاں سے تشریف لے جائیے گا
ہمیں بھی کبھی یاد فرمائیے گا

۱ـ ایک فحش لفظ قلم زد کیا گیا ـ (مرتب)
۲ـ شاگرد سودا ، من کلامہ ـ

سمجھتے تو ہو خوب غیروں[1] سے ملنا
کیے کو بہت اپنے پچھتائیے گا

---

۳۴ - سایل ، مرزا یار بیگ

مرد قابل ، مرزا یار بیگ تخلص سایل ، قوم ازبک ، سپاہی پیشہ۔ پہلے شاگرد حاتم کا تھا بعد[2] سودا کا ہوا - من کلامہ :

حاتم کی تو خدمت سے (تھا) فیض بہت مجھ کو
سودا کی ولے صحبت اکسیر نظر آئے

اٹھ گیا جب کہ تعین تو جہاں اپنا ہے
جس جگہ بیٹھ گئے پھر وہ مکاں اپنا ہے

وہ حائل ہو گیا دست شکستہ کی طرح
آہ جس کو میں[3] نے اپنا قوت بازو کیا

---

۳۵ - ماہر ، میر فخر الدین

علوم فارسی و[4] عربی پر دائر و سائر ، میر فخر الدین تخلص ماہر[5] شاگرد نامی[6] اورگرامی مرزا رفیع السودا کے تھے - من کلامہ :

جو اس کے در پہ بیٹھے ہیں سمجھتے ہیں وہ در کس کا
ہوے جو اس کے آوارہ[7] وہ کہتے ہیں[8] گھر کس کا

۱- غمزوں - ۲- آخر سودا سے مستفید ہوا -

۳- آہ اپنا جس کو میں نے قوت بازو کیا -

۴- اور -

۵- نسخۂ انجمن ماہر کا حال مجذوب کے بعد اور ذاکر سے پہلے ہے (مرتب)

۶- . . . . نامی مرزا سودا کے تھے -

۷- آوارے -

ملی فرصت نہ اتنی بھی کہ اٹھ کر مانگتے پانی
ہوا تیرنگہ یوں آہ دل میں کار گر کس کا

---

۳۶ - ذاکر ، سید میر جان

سحر بیان[۱] سید میر جان[۲] ، عالی خاندان، خوش شاعر، تخلص ذاکر، خلف الصدق اور شاگرد میر فخر الدین ماہر طاب سراہ ، صحبت دیدۂ ہنر وراں ، روشناس مردم[۳] جہاں ، مقام رمز و کنایہ میں زبان[۴] میر صاحب تیر بر جستہ ، دل حاسد اس سے شکستہ اور خستہ - یہ قیل و قال اس پر دال کہ مرزا صاحب محمد رضا برق کے مشاعرے میں کسی شعر میں سیدنا[۵] کے ''شغل بازی شب'' بندھا ہوا تھا - مرزا حیدر صاحب[۶] فیض آبادی نے فرمایا کہ میر صاحب ''شغل بازی شب'' کو اصطلاح میں اور کچھ کہتے ہیں - میر[۷] صاحب نے یہ کہا - م ۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست -

دوسری[۸] نقل کہ کوئی اسے نہیں پہنچتا ہے ، یہ ہے - میاں دبیر مرثیہ گو (نے) از روئے مزاح کے (کذا) کہا میر صاحب[۹] لفظ الف

۱- معجز بیان -
۲- . . . . میر جان تخلص ذاکر خلف اور . . . .
۳- اہل جہاں -
۴- زبان اس کی تیر . . . . حاسد شکستہ اور خستہ ، مرزا محمد رضا . . . .
۵- اس کے -
۶- صاحب نے . . . .
۷- اس نے بے تامل اس کے جواب میں کہا -
۸- دوسری نقل یہ ہے کہ میاں دبیر نے . . . .
۹- . . . . صاحب الف کو تخلص سے اپنے دور . . . .

تخلص کو دور کر دیجیے - میر صاحب نے (اس کے جواب میں یہ) کہا (کہ) بشرطیکہ حرف[1] یا تمھارے یہاں سے دور ہو جائے[2] - قصہ مختصر[3] اشعار اس مغتنم روز گار کے یہ ہیں[4] :

الہی کس طرح دیکھیں گے اس کے روے روشن کو
فلک نے آج تک دیکھا نہیں ہے جس کے دامن کو

عجب طرح کی نزاکت ہے اپنے گلرو میں
جو پھول جھک کے اٹھایا تو درد شانہ ہوا

منہ بند کلی گل کی سمجھیو نہیں اے دل
زیرے کے لیے برگ گل تر ہے کفن پھول

۱- لفظ -

۲- نسخۂ پٹنہ کے حاشیے پر یہ عبارت اضافہ کی گئی ہے : اور بعض اس نقل کو اس طرح سے کہتے یا لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب نے کہا کہ میر صاحب آپ کے تخلص میں جو یہ حرف الف ہے وہ حرف علت ہے ، یقین ہے کہ گر جاتا ہو - اس کے جواب میں میر صاحب نے کہا کہ آپ کے تخلص میں ''ی'' بھی تو حرف علت ہے، اگر دور ہو جائے تب تو جوڑ اس کا اور اُس کا خوب ہو - مگر یہ نقل میر انیس صاحب کے شاگردوں کی بنائی ہوئی معلوم ہوتی ہے ، ورنہ مرزا صاحب کی تہذیب سے یہ بات بہت بعید دکھائی دیتی ہے - واللہ اعلم -''

۳- یہ اشعار اس مغتنم روزگار سے یاد گار ہیں ، لکھے جاتے ہیں -

۴- نسخۂ انجمن میں ذاکر کا حال ، احسن سے پہلے اور ماہر کے بعد ہے - (مرتب)

یہ ناتواں ہوا ہوں الجھ کر کے گر پڑوں
چھو جائے عنکبوت کا گر تار پاؤں میں

درد دل تجھ سے نہ اپنا کہا ڈرتے ڈرتے
لب ہلایا نہ کبھی سامنے مرتے مرتے[1]
نہ منا وہ نہ منا وہ نہ منا وہ ظالم[2]
مر گئے اس کی تو ہم منتیں کرتے کرتے

کھال تاشے پر نہ ہو جھلی سہی
نوچ ڈالے گی بچا بلی سہی
رکھ دیا ہو ان کے جب ایمان پر
پنچ اگر بلی کہیں بلی سہی
عشق میں اس کے ہوا کیا کیا نہ کچھ
آگے تو پتھری تھی اب تلی سہی[3]
کھیلنا منظور ہے تو آئیے
میرا ڈنڈا آپ کی گلی سہی[4]
لڈو ایسا دو کبھی کھایا نہ ہو
پیڑا کھاتی آپ کی گلی سہی[5]
کیا کرے گا سامنا ذاکر کا وہ
آئے تو علامۂ چلی سہی

(دو شعر اول کے تذکرے کو کافی تھے ، باقی ان کے خوف سے لکھے گئے ۔ بندہ معذور ہے)

۱۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۲۔ نہ منا ۔
۳تا۵۔ یہ اشعار نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

بھری ہے میل نہیں دیکھو اس کے ناخن میں
رکھے ہماری طرف سے ہے یہ غبار انگشت
ہمیں تو ایذا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ نہیں
چبھے ہے پھانس ہوئی تیری رشتہ دار انگشت

۳۷ - نظیر

نظیر[۱] ، باشندہ بنارس ، شاگرد مرزا رفیع السودا ، یہ اس کی تقریر :

تا ایک نظر دیکھے تجھے اے مہ تاباں
رہتا ہے سدا مہر درخشاں ہمہ تن چشم

۳۸ - شیدا ، میر فتح علی

میر[۲] فتح علی تخلص شیدا ، شاگرد میرزا رفیع السودا ، یہ اس سے یادگار :

وہ صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں
آئے تھے کیوں عدم سے[۳] کیا کر چلے جہاں میں
یہ مرگ و زیست دونوں آپس میں ہنستیاں ہیں

۳۹ - قربان ، میر جیون

خوش بیان، میر جیون[۴] تخلص قربان ، شاگرد مرزا رفیع السودا۔

۱۔ نسخۂ انجمن میں اس کا ذکر نہیں - (مرتب)
۲۔ نسخۂ انجمن میں اس کا ذکر نہیں ۔ (مرتب)
۳- اصل میں ''میں'' جو سہو کتابت ہے - (مرتب)
۴- نسخۂ انجمن میں اس کا ذکر نہیں - (مرتب)

یہ اس سے یادگار :

یوں بند قبا کھل گئے جو آن میں گل کے
کیا پھونک دیا تو نے صبا کان میں گل کے

۴۰ - اسد ، مرزا امانی

شاعر معتمد ، مرزا امانی تخلص اسد[1] ، خندہ رو، شگفتہ سیما ، شاگرد[2] رشید مرزا سودا - من کلامہ :

مانے ہے کوئی وہ بت گمراہ کسی کی
گو[3] آ کے سفارش کرے اللہ کسی کی

پروانے پڑے جلتے ہیں روتی ہے کھڑی شمع
یا رب نہ شب وصل ہو کوتاہ کسی کی

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی
مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

زلفیں ہی دیکھ کر نہ خجل رات ہوگئی
مکھڑا جو کھل گیاتو سحر مات ہوگئی

ناگنی زلف کی رہتی نہیں بن جان لیے
کیا ہی بپھری ہے بلا آف ترا کاٹا نہ جیے

۱- نسخۂ انجمن میں ترجمۂ اسد سایل کے بعد اور مجذوب سے پہلے ہے - (مرتب)

۲- شاگرد سودا ، یہ اس سے بقا - ۳- کیوں -

ہر ایک لالہ کا گل چار داغ لے نکلا
گڑے تھے زیر زمیں داغ دار کتنے ایک
شرار و شعلہ و پروانہ و دل بے تاب
یہ ایک ایک سے ہیں بے قرار کتنے ایک

---

۴۱ - مجذوب، مرزا غلام حیدر

شاعر خوب، سخن ور خوش اسلوب، مرزا غلام حیدر تخلص مجذوب[1] - پسر خواندہ اور شاگرد مرزا (رفیع) سودا :

وعدے کی وفا اس سے بہت دور پڑی ہے
فہرست شب و روز سے باہر وہ گھڑی ہے
خاموش جو رہتا ہوں مجھے گنگ نہ سمجھو
اک عرض تمنا ہے کہ آ منہ پہ اڑی ہے
غفلت میں بسر کر نہ شب وصل کو مجذوب[2]
ایام جدائی کی گھڑی سر پہ کھڑی ہے

شاید اس غزل پر اسے نازش تھی کہ سودا نے مقطع اپنی غزل کا یہ رکھا ہے :

گو پیر ہوئی شاعری سودا کی جوانو
تم سے نہ کھنچے گی یہ کہاں سخت کڑی ہے

۱- نسخہ انجمن میں ترجمہ مجذوب، اسد کے بعد اور ماہر سے پہلے ہے - (مرتب)
۲- غفلت میں بسر کیوں نہ شب وصل ہو مجذوب -

چاہوں مدد کسی سے نہ اغیار کے لیے
میں ایک یار کم نہیں دو چار کے لیے
ہے درد سر ہی بلبل آزاد کی صفیر
موزوں ہے نالہ مرغ گرفتار کے لیے
طوبیٰ کے نیچے بیٹھ کے روؤں گا زار زار
جنت میں تیرے سایۂ دیوار کے لیے

رکھیے لگائے اُس کو گر بس چلے ہمیشہ
دینے پہ دل کے کیجے آرے بلے ہمیشہ
مجذوب ان دنوں میں پھر روگ کچھ بسایا
رہتے تھے پیشتر جو اچھے بھلے ہمیشہ[1]

اے میر سمجھیو مت مجذوب کو اوروں سا
ہے وہ خلف سودا اور اہل ہنر بھی ہے

---

۴۲ - احسن ، مرزا احسن علی

آبروئے شعر و سخن ، مرزا احسن علی تخلص احسن[2] ، جوان خوش خلق ، طالب علم مستعد تھے۔ اوائل میں خواجہ (سرائے) محمد یونس خاں کی سرکار میں معزز و محترم رہے ۔ اُس[3] کے بعد نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر کے یہاں صیغۂ شاعری میں ملازم

۱- اس زمین کے دونوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- نسخۂ انجمن میں ترجمۂ احسن ، ذاکر کے بعد اور مذنب سے پہلے ہے (مرتب)
۳- بعد اُس کے نواب . . . کے حضور میں بصیغۂ شاعری ملازم ہوئے ۔

ہوئے۔ نواب سرفرازالدولہ مرزا حسن رضا خاں کے رفیق بلکہ خاص الخاص تھے۔ ابتدا میں چراغ دانش و بینش میر ضیا الدین (ضیا) کی خدمت سے روشن کیا ۔ ثانی الحال تلمذ سے مرزا (رفیع سودا) کے ترقی تمام پیدا کی ۔ والد ماجد اس فقیر کے استاد کے تھے ۔ دو دیوان مع قصائد[1] اور مثنوی ترتیب دیے ہوئے ان کے ہیں ۔ سودا[2] کے تلامیذ [میں] مرزا احسن سا مستحسن کوئی نہ تھا ۔ من کلامہ :

کل بوسہ کے سوال پہ کیا کیا نہ کہہ گیا
میں اس کے آگے اپنا سا منہ لے کے رہ گیا

الٹا سحر صبا نے جو گوشہ نقاب کا
دیکھ اس کو رنگ زرد ہوا آفتاب کا

کہا جو میں نے کہ رخ کو ترے قمر نہ لگا
بگڑ کے بولا کہ چل بے ادھر نظر نہ لگا
رہی جو جان مرے تن میں اک رمق باقی
لگا کے زخم کہا حیف کارگر نہ لگا
اسی لیے تو میں تجھ سے خفا ہوں اے **احسن**
کھڑے کھڑے مرے پاؤں کو چشم تر نہ لگا

شب جو دھڑکا مرے دل کا خلل انداز رہا
کام دل لینے میں اس شوخ سے میں باز رہا
ٹکڑے اڑ جائیں گے سینہ میں جگر کے **احسن**
تیرے نالوں کا کوئی دن جو یہ انداز رہا

۱- قصائدو مثنویات مرتب دیے ہوئے (کذا) اس فیض بنیاد کے۔
۲- مرزا -

کب اُس کی تیغ سے حق میں مرے قصور ہوا
لگی یہ صاف کہ زنگ اس کے دل سے دور ہوا

کل جو اُس شوخ نے سنمکھ ہو لڑائیں آنکھیں
برق نے ابر کی چادر میں چھپائیں آنکھیں
شوخ چشمی پہ گھمنڈ اپنی نہ کیجو نرگس
آنکھیں کھل جائیں گی جب اُس نے دکھائیں آنکھیں
مل گئے خاک میں ہم اُس پہ بھی اس ظالم[1] نے
نہ ملائیں نہ ملائیں نہ ملائیں آنکھیں
کل عجب طرح سے تڑپے تھا ترے کوچے میں
دیکھ کر حال کو احسن کے بھر آئیں آنکھیں

نہ خلوت نہ جلوت کے ہم یار ٹھیرے
فقط دیکھنے کے گنہ گار ٹھیرے
تسلی نہ تھی دل کو دیر و حرم میں
ترے در پہ ہم آ کے ناچار ٹھیرے
یہ کہنے لگا دیکھ مجھ کو مسیحا
خدا ہی ہے جو اب یہ بیمار ٹھیرے

شب تو محفل میں ہر اک مہ پارہ گرم لاف تھا
صبح وہ خورشید رو نکلا تو مطلع صاف تھا

گفتگوئے شب کا اے احسن بیاں کیا کیجیے
پہلے تو چل بے تھی بعد از اُس کے لام وکاف تھا

۱۔ کافر۔

یہ کیا تجھ سے تقصیر احسن ہوئی
کہ پھر تیری اور اُس کی ان بن ہوئی[1]

---

۴۳ - مذنب ، مرزا محمد حسن

طالب علم نامی ، شاعر گرامی ، صاحب راے صائب ، حضرت اُستاد مرزا محمد حسن مغفور تخلص مذنب عرف چھوٹے مرزا صاحب (نور اللہ مرقدہ) خلف الصدق اور شاگرد مرزا احسن ابن[2] مرزا عبدالرحمان شامی ۔ ہمیشہ عمدہ روزگار اور صاحب اقتدار رہے ۔ فن شاعری اور سخن وری ارث لیکن وہ جناب طرف کتاب خوانی اور نثر نویسی کے مصروف ۔ نظم[3] کی نسبت نثر مشہور و معروف ۔ غزل کی نسبت سلام مشہور تر اور ہر شخص کے[4] منظور نظر ۔ حکیم ظفر علی خاں صاحب کی فرمائش سے تمام جلاء العیون کو نظم کیا اور اُس[5] کا صلہ سرمایہ[5] دین و دنیا لیا ۔ نثر اور نظم ان کی مثل ظہوری ید بیضا ، کلام معجز نظام مطبوع خلق خدا ۔ مرض زہر باد سے حلاوت جان شیریں تلخ ہوئی اور اس سراے فانی سے عالم جاودانی کو انتقال[6] کیا ۔ اس مولف نے کہ کم ترین تلامذہ[7] ہے ، یہ[8] تاریخ اُن کے انتقال کی کہی ۔ قطعہ[4] تاریخ :

چوں غنچہ ز خار الم ماتم مذنب
گردید بہ خوں غرق دل مضمحل ما

۱- یہ شعر نسخہ[4] انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۲- ابن عبدالرحمان ۔
۳- نظم اُن کی نسبت نثر معروف ، غزل کے بدلے سلام . . . .
۴- کا ۔
۵- اس کے صلے میں
۶- رحلت کی ۔
۷- تلامیذ میں سے ہے ۔
۸- یہ تاریخ کہی ۔

چوں سرمہ اگر چرخ بساید تن زارم
دشوار کہ ایں غم رود از آب و گل ما

چوں شیشہ ساعت نہ تہی شد دلم ازگرد
اشک آمد و گردید بسے متصل ما

آیند بروں بسکہ شکست ست بہ جانم
صد نیشتر و خار چو بیزند گل ما

ایں مصرع تاریخ فرو ریخت ز کلکم
بنہادہ عجب داغ جدائی بدل ما

یہ[1] چند شعر کہ اس وحید روزگار سے یادگار ہیں ، لکھے جاتے ہیں :

سرگزشت سینۂ سوزاں نہ پوچھی یار نے
کی نہ کچھ تاثیر اپنی آہِ آتش بار نے

سرخ منہ آیا نظر مانند پاں خوردہ دہن
دی گواہی عرق پیکاں کی لب سوفار نے

نامے چھپ چھپ کے وہ غیروں کو رقم کرتے ہیں
اس میں گر جھوٹ ہو ہم ہاتھ قلم کرتے ہیں

ناخن بدل ہے ابرو از بسکہ مہو شاں کا
شیوہ ستارہ ریزی ہے چشم خوں فشاں کا

گل میخ خار ٹھوکیں نرگس[2] کی چشم بد میں
گلزار میں ہے جاری یہ حکم باغباں کا

۱- چند اشعار -
۲- بلبل -

جو پان کھا کے سر نعش آیا وہ قاتل
مرے عزیزوں نے میرا وہ خوں بہا سمجھا
ہوئی جو اس سے دل مضطرب کو کچھ تسکین
میں اپنے نالہ کو وقت سحر دعا سمجھا

اب جو پھر ملنے کا ہم سے نامہ و پیغام ہے
نامہ بر کہیو تمھارا یہ خیال خام ہے

منحرف جس وقت ہم سے یار پر فن ہو گیا
اپنا ہی دل آخر اپنے جی کا دشمن ہو گیا
دیکھ اے رشک پری اس کی کبھی آ کر تو سیر
گلشن لالہ ترے کشتے کا مدفن ہو گیا

نخوت حسن سے ہر گز نہ دیا اس نے جواب
حال[1] دل گرچہ کہا اس سے مکرر اپنا

لاکھ اگر صدمے ہوں اک آہ رسا کرتے نہیں
تیرے بیمار غم ہجراں دوا کرتے نہیں[2]

کم ہوتی نہیں ہے کسی عنواں طپش دل
ہے دامن مژگاں سے فروزاں طپش دل

ہوئی ہے عیاں جب سے الفت ہماری
اسے غیر لگتی ہے صحبت ہماری[3]

۱۔ حال دل ہم نے کہا گرچہ مکرر اپنا ۔
۲ ، ۳۔ یہ اشعار نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

خاطر اغیار کی منظور ہو جس دلبر کو
بے خطا کیوں نہ وہ ٹھیرائے گنہگار ہمیں

۴۴ - ضیا ، سید محمد میر

سید صحیح النسب ، نجیب الطرفین ، برگزیدۂ دارین ، شاعر خوش تقریر ، سید محمد میر[1] خلف الصدق میر محمد تقی ۔ ابتدائے شوق میں شائق تخلص کرتے تھے ، اب تخلص ضیا[2] ضیا بخش مقطع غزل کا ہے ۔ شاگرد[3] محمد حسن المذنب ، یہ اشعار اس سے یادگار :

ہوا ہے سابقہ دل کا یہ کس زلف معنبر سے
کہ خوشبو ہے دماغ اپنا شمیم روح پرور سے

گزرتی ہے نظر کی طرح وہ آنکھوں کے پردوں سے
ادائے یار کی ہے نوک جھونک افزود نشتر سے

نظر ہرگز نہیں کرتا ھے میری جاں فشانی پر
ملا ہے آشنا نا آشنا مجھ کو مقدر سے[4]

آیا آغوش میں کس روز وہ رشک بلقیس
بستر[5] خواب ہوا تخت سلیماں کس دن

۱۔ نسخۂ انجمن میں نام ''سید محمد'' لکھا ہے ۔ (مرتب)
۲۔ ضیا قرار دیا ہے ۔
۳۔ شاگرد حضرت مذنب ، س کلامہ ۔
۴۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۵۔ تختۂ خواب ۔

آہ وہ سوختہ جاں ہوں کہ مری حالت پر
دل جلاتی نہیں آہ شرر افشاں کس دن

شرر رات سوز جگر نے اڑائے
گریباں کے پرزے سحر نے اڑائے
(شب ہجر گزری فغاں کرتے کرتے
سحر ہوش آہ سحر نے اڑائے)
خدا جانے یہ قتل کے ڈھنگ کس سے
ستم گر کی تیغ نظر نے اڑائے
رخ یار سے آ کر کے کسب تجلی
مزے چاندنی کے قمر نے اڑائے

دل میں بتوں کے الفت کامل نے راہ کی
پتھر سے ہم نے شکل نکالی نباہ کی
آؤ مریض غم کی عیادت ثواب ہے
بس ہو چکی تلافی ہمارے گناہ کی

کھائی جو چوٹ عشق کی جان نزار نے
سینہ سرشک گرم لگے دھارا دھارنے
ہجر بتاں میں نکلی ہے اس کی تڑپ کے جان
ظاہر کیا یہ کندۂ لوح مزار نے
گلچیں کے دست ظلم سے گلشن میں اے نسیم
سو گل ہیں ایک سینے پہ کھائے ہزار نے

بو سے عروس جاں کو مری تازہ کر دیا
باسی ملے دلے ترے پھولوں کے ہار نے[1]

پڑا ہے عربدہ جو سے معاملہ دل کا
بھڑا ہے جا کے کہاں بل بے حوصلہ دل کا

پسند یار ہوا ہے جو آب آتش رنگ
حباب شیشہ بنا ہے ہر آبلہ دل کا

نہ ہو گا حشر کا[2] ماخوذ صاحب شورش[3]
نجات کا ہے وسیلہ یہ ولولہ دل کا

خدا ہی جانے اس آغاز کا ہو کیا انجام
ہوا ہے عشق سے اب تو مقابلہ دل کا[4]

---

۴۵ ۔ قاصر ، سید آقا میر

معنی یابی پر طبیعت اس کی قادر ، سید آقا میر تخلص قاصر ، شاگرد اُستادنا محمد حسن المذنب ۔ عارضۂ جزام بہانۂ مرگ اُس نیک نام کا ہوا ۔ یہ اشعار اس سے یادگار :

نہ اشک دیدۂ مرغ چمن ٹپکتا ہے
گلوں کا رنگ بھی اے گل بدن ٹپکتا ہے

شکستگی ہے عیاں اس کی چار بولدوں سے
تمام گنبد چرخ کہن ٹپکتا ہے

۱۔ نسخۂ پٹنہ میں سہو کتابت سے یہ مصرع اس صورت میں ہے : بو سے یہ عروس کو مری جان کر دیا

۲۔ کو ۔ ۳۔ سوزش ۔

۴۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

تمام جسم ہے ناسور داغ ہجراں سے
بسان شمع ہمارا بدن ٹپکتا ہے

---

۴٦ - تائب ، سید میرن

زینت بزم سخن ، تخلص تائب ، نام[1] اُس کا سید میرن - زود رنج ، دیر آشنا ، حوصلہ بلند ، بخت نارسا ، آوارہ وطن ، عظیم آباد مسکن - شاگرد مذنب ، یہ شعر اس کا زبانی میر اسماعیل حسین منیر کے[2] سننے میں آتا ہے :

سینہ میں کعبہ رو نہیں ، دل بے قرار ہے
حاجی ہوں حج کو آیا ہوں دلبہ نثار ہے

یہ[3] شعر اس کے کہ اس مولف کو یاد ہیں ، لکھتا ہوں :

مستیٔ بادہ ہے نے غفلت ہے خواری ہے
ہم نے پی ہے جو مئے عشق وہ سرشاری ہے

اضطراب شب ہجراں سبب زاری ہے
قبر میں سونے سے افزود یہ بیداری ہے

روسیہ کیوں نہ ہو تقلید سے اُس کی عنبر
تار گیسو کا ترے نافۂ تاتاری ہے

بند تقدیر سے بلبل کی زباں ہوتی ہے
خوش خرامی سے تری کبک دری عاری ہے[4]

۱- نام میرن -
۲- کے لکھا جاتا ہے -
۳- یہ شعر اُس کے قدیم -
۴- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۴۷ - جریح، شیخ مہر علی

صاحب عقل و ہوش، تخلص جریح نام فراموش[1]، شاگرد حضرت مذنب - یہ دو شعر اُس سے یادگار :

ہوا ہوں دیکھ کر کشتہ میں[2] پان خوردہ دہن اُس کا
مرے مرقد پہ رکھنا چاہیے لعل بدخشاں کو

سمجھتا ہی نہیں عاشق کو اپنے جان فشاں ہرگز
بھلا کس طرح[3] سمجھائے کوئی اُس طفل ناداں کو

۴۸ - طپش

طپش[4] تخلص معلوم، نام اُس کا معدوم[5]، شاگرد حضرت مذنب۔ یہ شعر اُس[6] کا ہے :

کون کرتا ہے میاں قابل اوقات سلوک
رازق کل کا مرے ساتھ ہے دن رات سلوک

ایک دن وہ یہ مصرع کہہ کر حضرت اُستاد[7] کے پاس آیا اور مستدعی دوسرے مصرع کا ہوا :

صاحب لگانا تیر ذرا دیکھ بھال کے

اتفاقاً یہ بندہ بھی[8] اس وقت حاضر تھا میری زبان پر بے قصد و

۱- نام شیخ مہر علی، شاگرد مذنب، متکلامہ۔
۲- جو۔ ۳ ......طرح سے اس......
۴- نسخۂ انجمن میں ترجمۂ طپش، کاشف کے بعد اور مغموم سے پہلے ہے۔ (مرتب)
۵- یا مفہوم۔ ۶ - اس سے یادگار۔
۷- کی خدمت میں آیا۔
۸- ...... بھی حاضر تھا......تامل گزرا۔

تامل یہ گزرا :

حسرت زدہ نہ بھیس میں ہووے غزال کے

حضرت استاد نے مصرع ثانی کو نہایت پسند فرمایا اور میری فکر پر نہایت تحسین و آفرین کی ۔

---

۴۹ ۔ کاشف شیخ کاشف علی

شعر وسخن سے ماہر[1] و واقف ، شیخ کاشف علی تخلص کاشف[2] ، شاگرد مذنب ۔ یہ شعر اس کے یادگار :

کیوں نہ آشفتہ رہے سنبل بہ‌زیر آسماں
خار سے پیوند ہے ہر گل بہ‌زیر آسماں

تنہائی تھی فرقت تھی کاشانہ تھا اور میں تھا
یا ورد زبان اس کا افسانہ تھا اور تھا
کس لطف سے ہوتی تھی اوقات بسر میری
جب ہاتھ میں ساقی کے پیمانہ تھا اور میں تھا

---

۵۰ - مغموم ، کلوخان

موزون الطبع کلو خاں ، قوم افغان اور شیعہ حضرت چہاردہ معصوم ۔ تخلص اس کا مغموم ۔ شاگرد مذنب ۔ من کلامہ ۔

---

۱ ۔ آگاہ اور واقف ۔

۲ ۔ نسخۂ انجمن میں ترجمۂ کاشف ، جریح کے بعد اور طپش سے پہلے ہے ۔ (مرتب)

۳ ۔ منکلامہ ۔

۴ ۔ نسخۂ انجمن میں ترجمۂ مغموم ، طپش کے بعد اور فاطر سے پہلے ہے ۔ (مرتب)

ظاہر انداز نگہ سے ہے رقیبوں کا . . . . .[۱]
بے طرح اس کو سکھایا ہے خدا خیر کرے
کل سے کچھ اور ہر افروختہ تھا غصے میں
حال دل اس کو سنایا ہے خدا خیر کرے

ان دنوں ہے چشم خون افشاں کا مسکن آب میں
لعل کے پیدا ہوئے گویا کہ معدن آب میں
عکس ساق. . . . . [۳]
جس طرح سے شمع کافوری ہو روشن آب میں

تمام عمر تصور سے ہے ہم آغوشی
وہ مجھ سے دور ہوا اس سے میں جدا نہ ہوا

لخت دل چشم سے رہتے ہیں رواں کیا کیجے
بر ملا آہ ہوا راز نہاں کیا کیجے
باندھیے اس کو رگ جاں سے نازک لیکن
نظر آتی نہیں ہے تیری میاں کیا کیجے
خط بھی قاصد بھی کبوتر بھی سبھی ہیں حاضر
ہو رسائی نہ جہاں اپنی وہاں کیا کیجے
یار کو نام سے ننگ ، آہ سے ہے خلق بہ تنگ
کیجے گردن پہ جو خنجر نہ رواں کیا کیجے

۱۔ یہاں ایک لفظ تھا جو واضح نہیں ۔ (مرتب)
۲۔ اس زمین کے دونوں شعر نسخہ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۳۔ الفاظ واضح نہیں ہیں ۔ (مرتب)

شربت لعل لب یار تھا ساقی ہم کو
وہ مسیحا بھی ہوا دشمن جاں کیا کیجے
حسب حال اپنے ہے مغموم کسی کا مصرع
کہ جہاں بس نہ چلے آہ وہاں کیا کیجے

(جو کہ مشتاق تھے اس رشک قمر کے مغموم
جا سر راہ وہ ارباب نظر بیٹھ رہے

محفل غیر میں وہ شوخ جو شرماتا ہے
شمع کا دیکھنے سے رنگ اڑا جاتا ہے
پنج تن پاک سے ہو گی تری آساں مشکل
ان کا مغموم ثنا خواں تو کہلاتا ہے

---

۵۱ - فاطر ، پیر بخش خان

خوش ظاہر ، پیر بخش خاں تخلص فاتر[۱] ، کوکہ نواب نصیرالدولہ بہادر ، شاگرد محمد حسن مذنب ۔ جب نواب سابق الذکر محمد علی شاہ بادشاہ ہوئے ، پیر بخش کو بسبب رشتہ برادر رضاعی کے حمیدالدولہ رضا قلی خاں خطاب عطا فرمایا اور رتبہ نے اس کے نہایت عروج پایا ۔

یہ مولف کے فرمائشات میں (اس کی) شریک محنت استاد[۲] رہتا تو ا مقدمہ فیمابین کو واحد سمجھ کر چند روز اس کے گھر میں آیا گیا[۳] ۔ حکیم میر مدد علی صاحب کہ وہ بھی اشخاص اعزہ میں سے ہیں ،

---

۱ ۔ نسخۂ انجمن میں فاطر لکھا ہے اور یہی درست ہے ۔ (مرتب)
۲ ۔ استاد تھا ۔
۳ ۔ نسخۂ پٹنہ میں ''یاد کیا'' جو سہو کتابت ہے ۔ (مرتب)

پہلے اس سے ایک قصیدہ میں نے بادشاہ کی تعریف میں کہہ کر ان کو دیا تھا ۔ چوں کہ اپنے ہم وطنوں سے حکیم صاحب چشم پوشی اور اغماض کو عین حکمت سمجھتے ہیں ، وہ قصیدہ انھوں نے حمیدالدولہ کو یہ کہہ کر دیا کہ میری جرأت نہیں پڑ سکتی ، تم اسے حضور بادشاہ میں گزرانو کہ مجھ سے حق ان کا تم پر زیادہ ہے کہ ایک استاد کے شاگرد ہو ۔ قصہ کوتاہ اس خود غرض نے وہ قصیدہ حضور بادشاہ میں اپنے نام سے پڑھا اور صلہ شایگان لیا ۔ شکر صد شکر کہ غریب کا احسان دولت مند پر ہوا اور میں بار منت سے سبک دوش رہا ۔ یہ شعر اس کے کہ قدیمی ہیں لکھے جاتے ہیں ۔ اب تو کلام اس کا بہ سبب شرکت منشی پیٹھے کی پیٹھی کی مٹھائی ہے ۔ من کلامہ :

ہم یہ سمجھے تھے محبت میں بہل جائے گا دل
یہ نہ معلوم تھا رنگ اور ہی دکھلائے گا دل

ٹھوکریں جیسی کھلاتا ہے ہمیں گلیوں میں
ویسا کم بخت ہمارا یہ سزا پائے گا دل

رحم کر جان پہ فاطر کی یہ مضطر ہے مدام
مہربانی سے تری ، اس کا سنبھل جائے گا دل

---

۵۲ - ناصر ، سعادت خاں

مولف تذکرہ ، بندۂ پریشان خاطر ، سعادت خاں تخلص[1] ناصر ۔ دعای خیر کا طالب ، شاگرد محمد حسن المذنب ۔ صاحب پنج دیوان کہ ہر ایک قصائد اور مثنوی[2] سے مالا مال اور معمور اور مثنوی مسمی

---

۱ - متخلص بہ ۔

۲ - ......مثنوی سے معمور اور مثنوی......

بہ مظہر معجزات اخبار میں حضرت حضرات کے اور مثنوی مختار نامہ اور قصہ اگر گل اور قصہ مسمیٰ بہ گلشن سرور زبان اردو میں تصنیف کیا[1] ہوا اس کا نیز بدستور ہے - یہ چند شعر جن کے وسیلہ سے شریک تذکرۂ سخنوراں ہو ، لکھے جاتے ہیں - (دیوان اول سے اُن کے یہ شعر لکھے جاتے ہیں) :

ساقی مرا ہے نام جناب امیر کا
پیمانہ دل ہے بادۂ خم غدیر کا

شیرینی اس میں شہد ولاے علی کی تھی
مہمانیٔ نبی میں جو کاسہ تھا شیر کا[2]

نور ایک ذات ایک حسب ایک باپ ایک
مہر رسول ہے شجرہ میرے پیر کا

دست خدا ہے بہر مدد گاریٔ رسول
گویا ہے معجزا وہ رسول بشیر کا

نازک بہت ہے وہ جو تفاوت انھوں میں ہے
ہے فرق جو سنین صغیر و کبیر کا

روشن تھا مثل مہر جو وہ جسم نازنین
خط شعاع نقش تھا اس پر حصیر کا

مخصوص ہے وہ شان جناب امیر میں
قرآں میں ہے جو ذکر یتیم و اسیر کا

ہے وہ امیر جس کو پیمبر کہے امیر
اجماع کب درست ہے جم غفیر کا

۱- کیا ہوا نیز بدستور -

۲- نسخۂ انجمن میں یہ مصرع اس مہمل صورت میں ہے : مہمانی نبی جو میں کاسہ شیر کا -

آ گیا چلنے میں یاں میرا جو دامن زیر پا
اے زمیں کیا ہے کسی عریاں کا مدفن زیر پا

کیا کسی سے پائمالی کی شکایت کیجیے
روندتے تھے ہم بھی خاک دوست دشمن زیر پا

نغمۂ خلخال تو اے پر غرور اس [کو] نہ جان
ہیں یہ اہل قبر جو کرتے ہیں شیون زیر پا

سرخ ہو جاتے نہیں ہیں دو قدم چلنے میں پاؤں
آ گیا ہو گا ترے کشتے کا مدفن زیر پا

نہ بولے رو بہ رو تیرے تو سب نے سنگ ٹھیرایا
ہمارے صبر نے آخر ہمیں بے ننگ ٹھیرایا

نہ چھوڑا نام رکھنے سے تجھے[1] بھی اہل عالم نے
خط آیا تو رخ روشن کا اس کو زنگ ٹھیرایا

نزاکت سے اٹھانا ہو جسے دشوار دامن کا
پھر ان ہاتھوں سے اترے بوجھ کیوں کر میری گردن کا

بغل میں ہاتھ وقت قتل بھی تھا میرے دشمن کا
فقط اترا ہے دست تیغ سے بوجھ اپنی گردن کا

چمکتا ہے وہ یوں جیسے طلوع مہر مشرق سے
مرے دل میں جو ہے مضمون اس کے روئے روشن کا

چنی افشاں تو برہم کر دیا عقد ثریا کو
ملی مسی تو غنچہ ہو گیا پھول اس سے سوسن کا

۱- اسے بھی -

یہ قصد اس کا ہے وہ ماہ دو ہفتہ کے مقابل ہو
بڑا ہی حوصلہ ہے یار کے یک ہفتہ جوبن کا

ہنسو منہ کھول کر جو تیغ خندہ کار گر بیٹھے
نہ ہو دشوار زخموں سے نکلنا تار سوزن کا

یہ میرا خواب بھی کچھ کم نہیں ہے خواب یوسف سے
کہ نقشہ خواب میں دیکھا ہے اس کے نعل توسن کا

تجلی طور کی موسیٰ کہیں اس کو، میں شاعر ہوں
سمجھتا ہوں اسے مضموں کسی کے روے روشن کا

کمر جس روز سے باندھی ہے اس سفاک[1] عالم نے
ہمیشہ تیغ پر پڑتا ہے ڈورا میری گردن کا

گلہ کیا کیجیے کانٹوں کا، سرکار جنوں سے یہ
دو شالہ ہم کو خلعت میں ہوا ہے کار سوزن کا

چلے کیا بے زباں کے سامنے تیری زباں بندی
زلیخا کھل گیا پردہ جو تھا یوسف کے دامن کا

مجھے رہ رہ کے کیوں سیر چمن کی لہر آتی ہے
مرے عنصر میں کیا پانی ملا ہے نہر[2] گلشن کا

قدم باد صبا کا باندھنا صیاد لازم ہے
حریف اس سے نہ سیکھے پھاندنا دیوار گلشن کا

ہوا یاقوت وہ ہیرا جو باندھا اس نے بازو پر
کہ ہے اس بازوئے گلگوں کا پرتو دانگ کندن کا

تتبع آتش شیریں زباں کا ہے یہ اے **ناصر!**
ادب تا چند اے دست ہوس قاتل کے دامن کا

۱- نسخۂ پٹنہ میں "صفاک"۔ ۲- چاہ۔

جو قیمت اُس کی ہے نقد دل و جاں مول لیتے ہیں
ترا سودا ہم اے زلف پریشاں مول لیتے ہیں

شعر دیوان دوم :

ہوا بد شکل سے بھی گر مجھے رشتہ محبت کا
پڑی ہے اس کو کیا دیوانہ ہوں اپنی طبیعت کا

سینہ سے یار کے[1] جو دوپٹہ سرک گیا
انگیا کا گھوکرو مرے دل میں کھٹک گیا

زنجیر کی صدا ہے نہ آواز زنگ ہے
مجنوں کے ساتھ ناقۂ لیلی بھی تھک گیا

پھاپہ سے بہ نہ ہوگا مرا زخم دل کبھی
تھیلی چڑھاؤ خوشۂ انگور پک گیا

آینہ روئے صنم ہے مری حیرانی کا
زلف مجموعہ ہے خاطر کی پریشانی کا

سر جھکائے ہوئے وہ ہے مرے تابوت کے ساتھ
کم جنازہ سے نہیں بار پشیمانی کا[2]

تصور رخ جاناں مجھے پسند ہوا
فقیر بھی جو ہوا میں تو نقش بند ہوا

یہ رشک طالع دزد حنا پہ ہے مجھ کو
کہ میرے قتل کا سودا یہ مشت بند ہوا[3]

۱- کا -
۲- اس زمین کے دونوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۳- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

خواہ پردے میں رہے خواہ وہ دلبر باہر
ایک سا جلوۂ معشوق ہے، اندر باہر

وہ نہ ہو حلقۂ اسلام سے کیوں کر باہر
گبر و ترسا بھی جسے کہتے ہوں باہر باہر[1]

ہو کے مجنوں ترے دامن سے لپٹ جاؤں میں
کاش کے آپ سے کر دے مجھے ٹھوکر باہر[2]

روح پیکر سے نکلتی ہے تڑپتا وہ ہے
تم سمجھتے ہو کہ رشتہ سے ہوے پر باہر[3]

خار خار غم ہجراں ہے پس مردن بھی
قبر میں کانٹے ہیں اور پھولوں کی چادر باہر

انتظار آمد ساقی کا مری چشم کو ہے
شیشۂ دل تو ہے مے خانہ میں، ساغر باہر

(شیشۂ دل نہیں پہلو میں جو وہ ٹوٹے گا
کیوں ہیں پتھر کی سلیں قبر کے اندر باہر)

رند ہوں کیوں نہ لحد سے ہو نموے نرگس
شیشۂ بادہ ہے آغوش میں ساغر باہر

اشک خونیں سے رنگے ہم نے بھی سارے ہاتھ پاؤں
پاؤں ہاتھ اپنے ہوئے آخر تمھارے ہاتھ پاؤں

قتل کیا تم نے کیا کھولے ہمارے ہاتھ پاؤں
خوب لوٹے خوب تڑپے خوب مارے ہاتھ پاؤں

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- یاخدا آپ سے کردے تری ٹھوکر باہر -
۳- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

کیا ہی روشن ہاتھ ہیں کیا ہی مبارک ہیں قدم
ہیں کلیم و خضر کے گویا تمھارے ہاتھ پاؤں

روز پھر جاتے ہیں آنکھوں میں نگاہوں کی طرح
ننھے ننھے گورے گورے پیارے پیارے ہاتھ پاؤں[1]

ہر نیک و بد کی آیینۂ دل میں دید ہے
منہ پر کسی کا عیب رکھوں یہ بعید ہے[2]

بین السطور ابروے پیوستہ میں نہیں
ثابت ہوا کہ سطر[3] کلام مجید ہے

شعر دیوان سوئم :

بلندی اس کے سینے کی نہیں ہے نار پستاں سے
یہ وہ مٹی ہے نکلی ہے جو اس چاہ زنخداں سے

آنکھ میری جو اُدھر اے بت رعنا دیکھی
برق نے بھی تجھے دیکھا مری دیکھا دیکھی

ہو مژہ شدت گریہ سے نہ کس طرح خراب
لب دریا کبھی دیوار نہ برپا دیکھی

رخ تاباں کو ترے اُس سے ملا کر ہم نے
لاکھ الزام رکھے آج سحر پر ہم نے

ترک غرض سے صاحب مقدور ہو گئے
بیٹھے جو پاؤں توڑ کے تیمور ہو گئے

---

۱ ، ۲- یہ اشعار نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۳- نسخۂ پٹنہ میں ''ستر'' اور نسخۂ انجمن میں ''نثر'' ہے - (مرتب)

شعر دیوان چہارم :

اس برق طور کی ہیں تماشا ہتھیلیاں
شمعیں کلائیاں ، ید بیضا ہتھیلیاں
بیکار ایک بال سے ہوتا ہے آینہ
اس کی لکیروں پر ہیں مصفّا ہتھیلیاں
ہر چند ہے جواب مگر لا جواب ہیں
دو ہونے پر ہیں یار کی یکتا ہتھیلیاں

نہیں رہنے کو نسیم چمنستاں آئی
باغباں یہ بھی ہے دو روز کو مہماں آئی
خدمت شانہ کشی کی یہی اُجرت پائی
مجھ پہ بڑھ بڑھ کے تری زلف پریشاں آئی
رات بھر گرم رہے گا مرے داغوں کا الاؤ
غم نہیں مجھ کو اگر فصل زمستاں آئی
ہوتی تقریب تو وہ مصحف رخسار آتا
بھول کس کے ہوئے کب نوبت قرآں آئی
توڑ ڈالا مرے پیکر کو حراروں نے ترے
شیر کی طرح سے تو اے شب ہجراں آئی
یار کے ساتھ مری روح نے بھی کوچ کیا
تیری نوبت بھی نہ یاں اے شب ہجراں آئی[1]

۱۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

شعر دیوان پنجم :

رنگ نازک ہے جو اُس کے کف پا سے پیدا
شوخیاں یہ نہیں[1] ہوتی ہیں حنا سے پیدا

خط ترے ہو گا مری آہ رسا سے پیدا
دود شعلہ میں ہو تاثیر ہوا سے پیدا

تھا ہم آغوش ابھی مجھ سے خیال گیسو
مشک نافہ کی ہے بو چین قبا سے پیدا

دم شمشیر دکھا دو تو ابھی ہو انبوہ
کوچے کوچے سے ہوں دو چار پیاسے پیدا

نالہ و آہ سے رسوا ترے دیوانے ہیں
اثر قافلہ ہوتا ہے درا سے پیدا

آہ سے کیوں نہ عیاں ہو دل پر داغ کا حال
بوئے گل ہوتی ہے تحریک ہوا سے پیدا[2]

عجب کیا جو چھلکتے چشم سے آنسو نکلتے ہیں
کہ پیمانے خم لبریز سے مملو نکلتے ہیں

گٹھے ایسے ہماری چشم سے آنسو نکلتے ہیں
کہ وہ سلک گہر ہیں صاف یہ پہلو نکلتے ہیں

میں گریاں ہوں شررافشاں مرے نالے نہ کیونکر ہوں
کہ ہے یہ خاصّہ برسات میں جگنو نکلتے ہیں[3]

دل و جان و جگر کے واسطے اک تیر کافی ہے
کہ ہر پیکاں سے ایذا کے کئی پہلو نکلتے ہیں

۱- کہیں -

۲ ، ۳- یہ دونوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

وہ دیوانہ تری آنکھوں کا ہوں میری زیارت کو
چراگاہوں سے اپنی حلقۂ آہو نکلتے ہیں
وہی خم ہے وہی پیر مغاں کا ہاتھ کیا باعث
کبھی خالی پیالے اور کبھی مملو نکلتے ہیں[1]

جمع ہے دولت و مال ان کا خدا کے گھر میں[2]
ڈاکا کس طرح پڑے اہل سخا کے گھر میں
استخواں میرے فتیلہ ہیں تپ فرقت سے
ڈر ہے یہ آگ نہ لگ جائے ہما کے گھر میں
میرے دامن یہ لگا لائے ہیں خار صحرا
ڈھیر کانٹوں کا ہے مجھ آبلہ پا کے گھر میں
گوشہ وہ ہے کہ بچاتا ہے ہر ایک آفت سے
دخل صیاد نہیں قبلہ نما کے گھر میں
قلت رزق کو . . . . . .[3] تو سمجھ اے **ناصر**
فقر و فاقہ ہی رہا آل عبا کے گھر میں

ہے سیر ممکنات حقیقت کی آنکھ سے
کثرت کو دیکھتا ہوں میں وحدت کی آنکھ سے
وہ رند ہوں کہ شیشۂ صہبا ہو سنگ سخت
میری پڑے نگاہ جو رغبت کی آنکھ سے

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۲- اس زمین کے پانچوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۳- یہاں ایک لفظ تھا جو واضح نہیں ۔ (مرتب)

بدلے گا[1] مثل آینہ وہ بھی نگاہ کو
دشمن کو بھی نہ دیکھ عداوت کی آنکھ سے

بہتر پری سے بھی وہ سمایا نگاہ میں[2]
دیکھا جو دیو کو بھی محبت کی آنکھ سے

علم آہ اٹھے گا تو یہ شہرت ہو گی
مثل درگاہ مرے گھر کی زیارت ہو گی

ہاتھ سے ہاتھ ملا رفع کدورت ہو گی
تیری انگشت مجھے شمع محبت ہو گی

اپنے نالوں پہ جو نازاں ہو تو وہ کہتا ہے[3]
ان کو آہوں کی عدالت میں سماعت ہو گی

(خال روئے یار آتے ہیں ہمارے خواب میں
مثل یوسف دیکھتے ہیں ہم ستارے خواب میں

اشک کے قطرے سے تاریکی ہے ساری آنکھ میں
کیا ہرا اترا ہے یہ پانی ہماری آنکھ میں)

---

۵۳ - حسن ، نواب مہدی علی خاں

رئیس روسا ، امیر امرا ، شاعر خوش آہنگ ، سخنور با فرہنگ ، اقتدار الدولہ محتشم الملک نواب مہدی علی خاں بہادر ضیغم جنگ متخلص[4] بہ حسن - یہ بندہ مدت سے اس سرکار دولت مدار

۱- نہ -

۲ ، ۳- یہ دونوں شعر نسخہ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۴- تخلص حسن -

میں نوکر اور شرف استادی سے نامور - من کلام حضور پر نور :

منہ رکھے قبر پہ حسرت سے وہ جاناں ہو گا
تربت عاشق صادق پہ یہ قرآں ہو گا

دانت پر تیغ کا دم دیکھا ہے اس قاتل نے
مرے زخموں سے رواں چشمۂ حیواں ہو گا

دولت تیغ سے ہو جائیں گے سب مالا مال
ہر گلی کوچے میں اک گنج شہیداں ہو گا

پستیٔ چاہ ترے جاہ و حشم کی ہے دلیل
تیرا انجام بخیر اے مہ کنعاں ہو گا

آہ یہ کیسا حجاب اس کے ہمارے ہو گیا
جب گئے ہم بزم میں وہ اک کنارے ہوگیا

غش مجھے آیا کیا[1] تم جھوٹ اسے سمجھا کیے
کام اس غفلت میں میرا اے پیارے ہو گیا

جب تلک قاصد نہ آیا تھا ، امید وصل تھی
اس جواب صاف سے میں بے سہارے ہو گیا

کیا پریشانی نے مجھ کو دور رکھا آپ سے
میں بگولا بن کے کوچے میں تمھارے ہوگیا

اشک میں پارۂ جگر آیا
نخل امید میں ثمر آیا

تپ ہماری بگڑ گئی ایسی
اس مسیحا کو بھی حذر آیا

۱- کیے -

دیکھا ابرو جو انتظار کے بعد
عید کا چاند وہ' نظر آیا

ابھی نکلا ہے دم مرا قاصد
ایک دم تو نہ پیشتر آیا

ایسا کاہیدہ میں ہوا کہ بدن
تیرا موئے کمر نظر آیا

نامۂ یار ہم اُسے سمجھے
کبھی اُڑتا جو کوئی پر آیا

حسن کس طرح آپ میں رہتا
یار جب آیا بے خبر آیا

کیا گلا دیوانے کا تیرے ، رسن میں رہ گیا
اے پری وہ ذکر باقی انجمن میں رہ گیا

اے جفا جو یہ ترے دزد حنا کا ہے اثر
چور اُس سے میرے ہر زخم کہن میں رہ گیا

ہو گیا میرے دل دیوانہ سے شانہ بھی تنگ
یہ زمیں پکڑی کہ زلف پر شکن میں رہ گیا

ہو مبارک تم کو سنبل کا تماشا بلبلو!
دل ہمارا اُس کی زلف پر شکن میں رہ گیا

کیوں نہ بڑھوائے وہ خط اپنا کہ پردہ چاہیے
میرے دانتوں کا نشاں سیب ذقن میں رہ گیا

۱- سا ۔
۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

اس کے گھونگروکی[1] تھی جو آواز وہ جاتی رہی
نعرۂ شیون ، مرے بیت الحزن میں رہ گیا

بلبل و پروانہ کے ہاتھوں کہیں کے ہم نہیں
وہ چمن میں رہ گیا یہ انجمن میں رہ گیا[2]

دل ترے گیسو میں ہے پاسِ بدن کیا ہو ہمیں
جب وہ یوسف ہی نہیں پھر کیا وطن میں رہ گیا

تیرے عریاں کی تسلی شور محشر سے ہوئی
لاشہ جو تکفین تھا کیا[3] وہ کفن میں رہ گیا

طوطی کیا گویا ہو اس آیینہ رو کے سامنے
حسن سا حاضر جواب اُس سے سخن میں رہ گیا

تقریر میں جھڑتے ہیں جو مانند سخن پھول
کیا منہ میں بھرے ہیں ترے اے غنچہ دہن پھول

رکھتا ہے اگر کان میں وہ غنچہ دہن پھول
کہتی ہے نزاکت کہ گراں ہے یہ کرن پھول

عریاں نہ رہو گرچہ نسیم سحری ہے
کملائے گا اُس سے کہ تمھارا ہے بدن پھول

آغوش گل تر میں نہ ہو تیری سمائی
اتنا بھی خوشی سے نہ تو اے رشک[4] چمن پھول

بل کھائے گی قامت جو اٹھانے کو جھکو گے
یہ فرض کیا ہم نے کہ ہے برگ سمن پھول

۱- کی جو تھی -
۲- یہ شعر نسخہ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۳- وہ کیا -
۴- مرغ چمن -

نیرنگ فلک ہے یہ پس مرگ بھی اے **حسن**
ہیں زیر کفن داغ تو بالائے کفن پھول

نہ اٹھے کوچہ دلدار سے زنہار قدم
ہو گئے بے حرکت صورت دیوار قدم
ہاتھ نکلیں نہ کہیں قبر سے یہ دل میں سمجھ
ہٹ گیا مرقد عاشق سے وہ دو چار قدم

وہ راحت کیا ہے جس سے محنتیں اے یار ہم کھینچیں
ترا دامن تو کھینچے غیر[1] اور آزار ہم کھینچیں
خدا کے واسطے اے وحشت دل اتنی فرصت دے
کھٹکتے ہیں جو تلووں میں ہمارے خار ہم کھینچیں
کسے اس کشمکش کا ہے دماغ اے کافر بے دیں
ہماری سبحہ تو کھینچے ترا زنار ہم کھینچیں
جو تم بیزار ہو تو شوق نظارہ نہیں ہم کو[2]
یہ پردا کیا ہے فرماؤ تو اک دیوار ہم کھینچیں
چبھیں پھانسیں نہ کیوں کر دل میں اپنے رشک سوزن سے
وہ گوندھے ہار تیرے، محنت صد خار ہم کھینچیں
فرو اے **حسن** ہو جائے غبار اپنی طبیعت کا
گلی میں یار کی نالے اگر دو چار ہم کھینچیں

پاک الفت بھی اگر ہو جز ضرر حاصل نہیں
کون سا قبلہ نما ہے وہ کہ جو بسمل نہیں

۱- خار۔
۲- یہ شعر نسخہ انجمن میں نہیں۔ (مرتب)

جب غضب ہوتا ہے وہ پھر مہر پر مائل نہیں
کیا جلالی نقش ہے جس کا کوئی عامل نہیں

طلسم عشق نیا ہے جو ہر زمانے میں
طرح طرح کی حکایت ہے اک فسانے میں
یقیں ہے آتش گلشن سے کوئی گل پھولے[1]
دھواں سا اٹھتا ہے بلبل کے آشیانے میں
جو کم عیار ہے واں پاؤں وہ نہیں رکھتا
مگر ہے سنگ محک اس کے آستانے میں
بخیل کو دم مردن رہے گا یہ ارمان
کہ نقد جاں بھی ہو داخل مرے خزانے میں

از بسکہ ہے تصور دلدار رو بہ رو
تصویر ایک رہتی ہے ہر بار رو بہ رو

وقت مردن غیر کو دیکھا جو اس قاتل کے ساتھ
جان نکلی میرے جسم زار سے مشکل کے ساتھ
ہے تماشا گاہ تیرا وہ اگرچہ گھر نہیں
کچھ رعایت چاہیے تجھ کو ہمارے دل کے ساتھ

خلش ہجر مرے دل سے مٹاتے جاتے
جاتے جاتے مجھے اک ہاتھ لگاتے جاتے

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

چلتے ایسے میں تو واں ہم کو جگہ مل جاتی[1]
خالی شیشے ہیں وہ محفل سے اٹھاتے جاتے

سالہا سال میں زنجیر قدم اتری ہے
پاؤں کا میرے ورم جائے گا جاتے جاتے

مستیٔ بادہ نہیں جس کو جماہی کھو دے
نشۂ عشق ہے یہ جائے گا جاتے جاتے

نالے کا ضبط اے دل نالاں ضرور ہے
پاس و لحاظ خاطر جاناں ضرور ہے

لالے کے کھیت پھولے ہوئے ہیں قدم قدم
اے یار سیر گنج شہیداں ضرور ہے

زاہد سے شرم کیا کہ در توبہ ہے کھلا
پیمانہ ہو تو توڑنا پیماں ضرور ہے

سیراب اس سے ایک فقط خضر خط ہوا[2]
تیرا دہن بھی چشمۂ حیواں ضرور ہے

رہنے دے مجھ کو در پہ کہ دولت ہے تیرا حسن
دروازۂ امیر کو درباں ضرور ہے

---

۵۴ - شوق، مرزا امیر علی خاں

شاعر خوش شعار، حکیم تجربہ کار، (دوست صادق، یار موافق)، صاحب حال و ذوق، مرزا امیر علی خان متخلص[3] بہ شوق۔ سلام اور

۱، ۲۔ یہ دونوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں۔ (مرتب)

۳۔ تخلص شوق، خلف الصدق نواب سیف الدولہ بہادر۔ مرثیہ سلام میں تخلص امیر۔ شاگرد سعادت خاں۔ سن کلامہ

مرثیہ میں تخلص امیر ۔ خلف‌الصدق نواب سیف‌الدولہ مرزا احمد علی خاں بہادر، شاگرد سعادت خاں متخلص بناصر کہ مولف اس تذکرہ کا ہے ۔ وہ اشعار کہ اس وحید روزگار سے مشہور ہیں یہ ہیں:

غم پہ غم سہتے رہے صدمے پہ صدما کھینچا
بے زباں وہ تھے نہ ہم نے کبھی نالا کھینچا

بلبلو تم نے دم گرم یہ کیسا کھینچا
اپنے پتے کا ہر اک نخل نے پنکھا کھینچا

زلف شب تا کمر آئی نہ وہ آئے اب تک
ایک چوٹی کے بنانے نے یہ عرصا کھینچا

لالہ رو کہنے سے یہ لال ہوا تھا[1] آخر
اس نے لالے کی طرح پوست ہمارا کھینچا

ایسی تصویر پھڑکتی ہوئی کم دیکھی ہے
کیا ترے موئے کمر سے ترا نقشا کھینچا

جز خدا سر علی ہو نہ کسی پر ظاہر[2]
رمز یہ تھے شب معراج جو پردا کھینچا

کھینچی نقاش نے جب دامن یوسف کی شبیہ
چاک دامن کے عوض دست زلیخا کھینچا

نسبت[3] اس کی تری قامت سے ہے او وعدہ‌خلاف
جب تو آنے میں قیامت نے یہ عرصا کھینچا

۱۔ وہ ۔
۲۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۳۔ نسبت اس کو ترے دامن سے ہے . . .

ہم عدد جب وہ ہوا میم دہن سے تیرے[1]
میم نے مکتب الحا۔ میں چلّا کھینچا
کیوں رگیں کھنچتی ہیں اے شوق بدن کی میرے
اس نے بیدردی سے کیا زلف میں شانا کھینچا

پردا رکھتا ہے مری چشم کا ، پردا ان کا
مثل خورشید ہے دشوار نظارا ان کا
چھپ کے بیٹھے ہیں تو ہے رعب زیادا ان کا
ہے یہ مشہور کہ دروازہ ہے تیغا ان کا
ظلم کرتے ہیں تو ہوتی ہے ترقی ان کی
مثل مریخ ہے خوں ریز ستارا ان کا
آبرو کھوتا ہے کیوں پنجۂ مرجاں اپنی
نہیں پھرتا ید بیضا سے ہے پنجا ان کا
دست گل‌خوردہ کو دامن میں چھپایا میں نے
گم جو محفل میں ہوا رات کو چھلا ان کا
پائی جاتی ہے مری آنکھوں سے اب تک یہ بات
ان سراؤں میں بھی ہوتا تھا اتارا ان کا

طاؤس پھڑکتے ہیں تری جلوہ گری سے
چنگاریاں اڑتی ہیں دم کبک دری سے
رویا میں ادھر اس نے دکھایا آدھر ابرو
سچ ہے کہ رہ کعبہ ہے نزدیک تری سے

۱۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

انگشت نما خلق میں ہوتا ہے مہ نو
اس غیرت[1] خورشید کی نازک کمری سے

جا بند[2] نہیں ہوتے ہیں پاکیزہ طبیعت
بیٹھا نہیں جاتا ہے نسیم سحری سے

مانی نے جو کھینچی ہے شبیہہ کمر یار[3]
کیا مو قلم اس کا تھا پر بال پری سے

تکلیف شریعت نہیں دیوانے کو[4] ہر گز
چھٹکارا ہے دنیا میں تو ہے بے خبری سے

مے روز ازل سے ہے مری خلط میں داخل
تخمیر ہے اس خاک کی ساغر کی تری سے

یوں مجھ کو نہ کر ذبح کہ تجھ سا کہے کوئی[5]
کس نے اسے مذبوح کیا بے ہنری سے

اے شوق بجھے پیری سے داغ جگر اپنے
رخصت ہوے پروانے چراغ سحری سے

لہریں آتی ہیں سیہ مار کو ان بالوں سے
موذیوں کو نہ ملایا کرو تم گالوں سے

صاف رکھتا ہے بہت تو انہیں رومالوں سے[6]
ایک دن گال رگڑتے ہیں ترے گالوں سے

۱- غارت -

۲- جابند نہیں ہوتی ہے پاکیزہ طبیعت -

۳- یہ شعر نسخہ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۴- یہ -

۵ ، ۶- یہ دونوں شعر نسخہ انجمن میں نہیں - (مرتب)

دوش کو کیجیے آراستہ پھر بالوں سے
مچھلیاں بازو کی ہوں صید انھیں جالوں سے

کیوں رقیبوں کو نہ ساتھ اپنے رکھے وہ یوسف
نرخ ہر جنس کا بڑھ جاتا ہے دلالوں سے

بوسہ دیتے ہو تو منہ بھر کے ہمیں بوسہ دو
نقش دنداں کوئی دن تو نہ مٹے گالوں سے

وہ شرارت[1] ہے لہو میں کہ عیاذاًباللہ
تیری تلوار ہوئی، میری زباں چھالوں سے

حسبِ دل خواہ حسیں میری نہ آنکھوں پہ چڑھا
خالی پایا نہیں آیینے کو تمثالوں سے

رخ و گیسو پہ فقط ہم نے قناعت کی ہے[2]
اب نہ گوروں سے ہے مطلب نہ ہمیں کالوں سے

پیٹھ پیچھے بھی بلائیں نہیں ہم لے سکتے
دیکھتے رہتے ہیں وہ سرمے کے دنبالوں سے

عشق ابرو دم شمشیر پلائے گا مجھے[3]
سبزۂ خط صنم زہر کھلائے گا مجھے

دام میں وہ بت صیاد نہ لائے گا مجھے
ایک عیار ہے باتوں میں اڑائے گا مجھے

۱- حرارت۔
۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں۔ (مرتب)
۳- نسخہ انجمن میں اس زمین میں صرف ایک شعر ہے جو پہلے شعر کے مصرع اول اور دوسرے شعر کے مصرع ثانی پر مشتمل ہے۔ (مرتب)

یاد ابرو میں رہا کرتے ہیں[1]
دل کعبہ کی بنا کرتے ہیں

خال ابرو پہ بنا کرتے ہیں
سنگ اسود کی بنا کرتے ہیں

سجدۂ سہو نماز کعبہ
خم ابرو میں ادا کرتے ہیں

چاہیے یار کو رشتہ کا خلال
موتی ہیرے سے بندھا کرتے ہیں

طرہ یہ حسن خدا داد پہ ہے
خال کاجل کے بنا کرتے ہیں

شوق آیینہ ہمیں شوق نہیں
رخ سے رخ اس کے ملا کرتے ہیں

---

۵۵ ۔ حاتم ، شاہ ظہور الدین

شاعر مسلم ، ظہور الدین شاہ (تخلص) حاتم ۔ صاحب ارشاد ، وطن (اس کا) شاہجہان آباد ۔ مشہور نزدیک و دور ، تاریخ اس کے تولد کی لفظ ظہور ۔ موجد ان دو باتوں کا ، عنوان غزل پر تقطیع[2] اس کی بحر کی اور دیباچے میں نام شاگردوں کا ۔ چنانچہ نام رفیع السودا کا بھی اسامیؑ تلامیذ میں داخل اور شاگردوں کو استفادہ سودا سے حاصل تھا ۔ من کلام حاتم :

۱۔ اس زمین کا کوئی شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

۲۔ . . . . تقطیع اس کی ، دیباچے میں دیوان کے نام شاگردوں کا ۔ چنانچہ نام مرزا رفیع السودا کے [کا] اسامیؑ تلامیذ میں داخل اور شاگردوں کو استفادہ سودا سے حاصل ۔ من کلامہ ۔

رات میں خواب میں زلفوں کو جو پیچاں دیکھا
صبح دم حال[1] دل اپنے کو پریشاں دیکھا

نظر آئے ترے دندان مسی آلودہ
رات اور دن کو بہم دست و گریباں دیکھا

کعبہ و دیر میں حاتم بہ خدا غیر خدا
کوئی کافر نہ کوئی ہم نے مسلماں دیکھا

تو صبح دم نہ نہا بے حجاب دریا میں
پڑے گا شور کہ ہے آفتاب دریا میں

تو اذیت پیشہ دشمن ہے بغل میں دل نہیں
دور ہو پہلو سے صحبت کے مری قابل نہیں

خوش حال ان کا جن کو ہوئی رخصت چمن
ہم جھانک کر پس دیوار رہ گئے

تم تو بیٹھے ہوئے پر آفت ہو
اٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو

دل تو چاہ ذقن میں ڈوب موا[2]
آشنا تھا غریق رحمت ہو

مفلسی اور دماغ اے حاتم
کیا قیامت کرے جو دولت ہو

۱۔ نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے "جان" ۔ (مرتب)
۲۔ گیا ۔

مجھے تو دیکھ کر کیا تک رہا ہے
ترے ہاتھوں کلیجہ پک رہا ہے

---

۵۶ - عظیم ، مرزا عظیم بیگ

صاحب ذہن سلیم ، مرزا عظیم بیگ تخلص عظیم ، شاگرد شاہ حاتم - اگرچہ بے علم تھا لیکن[۱] تلاش شعر میں کارہائے نمایاں رکھتا تھا - اکثر مشاعرے میں آتا اور صدر پر بیٹھتا، دعوی شاعری دماغ میں ایسا سمایا تھا ، کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا - من کلامہ :

کل چشم خوں فشاں سے گلزار پیرہن تھا
دامن کا تھا جو تختہ ، اک تختۂ چمن تھا

اک دن جو نکلا گھر سے خط شعاع کی صورت
بکھرا ہوا بدن پر ہر تار پیرہن تھا

شعاع کا عین[۲] تقطیع میں نہیں آتا ، یہ اس کبر و غرور کا عین نتیجہ ہے -

یاں عذر پذیرا ہو برے سے نہ بھلے سے
جوں غنچہ زباں نکلے ہے ٹک لب کے ہلے سے

اپھرے ہے تو اے شیشہ تبھی اپنے دموں پر
نکلا ہے ترا ہاتھ تو پتھر کے تلے سے

۱- . . . . لیکن شعر خوب کہتا تھا - اکثر مشاعرے میں صدر پر بیٹھتا تھا ، بہ سبب غرور کے کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا - یہ اس سے یادگار -

۲- عین شعاع -

کہتے تھے دلا شیریں لبوں سے نہ مل اتنا
اب مثل مگس فائدہ کیا ہاتھ ملے سے
چھپتا ہے کوئی شمع صفت سوز دل اپنا
سر کاٹو اگر تو ہو نمودار گلے سے
گل ریز کی مانند جز آتش کے عظیم اب
لائی نہ مری بیل کبھی پھول ، پھلے سے

فارغ ہیں کشمکش سے جہاں کی شکستہ دل
پہنچے نہ ہاتھ شانے کا چینی کے بال پر

---

۵۷ ـ اکبر ، شیخ بھچو

خوش سخنور ، شیخ بھچو ، تخلص اکبر ، شاگرد شاہ حاتم ـ یہ[۱] دو شعر اس سے یاد گار :

یہ جتنے خوبرو سرکش ہیں ان کو خوب دیکھا ہے
گئے پر حسن کے ہر ایک کے وہ پاؤں پڑتے ہیں
خدا چاہےسو ہووے اب ہمارے حق میں اے اکبر
صنم سے آج[۲] اپنے ہم بھی اک بوسہ پہ اڑتے ہیں

---

۵۸ - گرفتار ، مرزا سنگی بیگ

سبک گفتار ، مرزا سنگی[۳] بیگ تخلص گرفتار ، شاگرد شاہ حاتم ـ یہ سب اس[۴] کی یادگار :

۱- متکلامہ ـ
۲- صنم سے اپنے ہم بھی آج اک . . . .
۳- سنگیں ـ
۴- اس سے ـ

درد ہووے تو کچھ دوا کیجے
جی ہی بے چین ہو تو کیا کیجے

---

۵۹ ـ رنگین ، سعادت یار خان

صاحب کلام متین ، سعادت یار خاں تخلص رنگین ، پسر طہماسپ خاں تورانی کہ وہ سرکار میں نواب نجف خاں کی اقتدار کلی رکھتا تھا ـ مشار[۱] الیہ فن سپاہی[۱] گری اور سواری[۲] اسپ میں بے[۲] نظیر اور عیب و صواب اسپ سے خوب آگاہ ـ فرس نامہ تصنیف کیا ہوا اس کا نہایت دل پذیر ، ریختی[۳] گوئی کا موجد ، چنانچہ کہتا ہے :

زبس ہے ریختی ایجاد رنگیں
اسی خاطر کہا کرتا ہے اکثر

موا انشا بھی اب کہنے لگا ہے
چہ خوش اس چیونٹی کو بھی لگے پر

مشہور[۴] بشاگردی شاہ حاتم ، یہ شعر اس سے یادگار :

دل تھا جو بساط اپنی سو گزران چکے ہیں
جی نذر کریں جی میں یہ اب ٹھان چکے ہیں

مت چوک ادھر دیکھ یہ ہے مفت کا سودا
اک بوسہ پہ دین و دل و ایمان چکے ہیں

۱ـ سپاہ گری ـ

۲ـ . . . . بے نظیر ـ فرس نامہ . . . .

۳ـ ریختی کا کہنا اُس کا ایجاد ، چنانچہ یہ قطعہ اُس سے یاد ـ

۴ـ شاگرد شاہ حاتم ، یہ اُس سے کلام قایم ہے ـ

سو بار کہا آؤں گا اور آئے نہ ہرگز
بد عہد ہو تم ، ہم بھی یہ پہچان چکے ہیں
پھر چل نہیں کچھ فائدہ بس سونے دے رنگیں
وہ منہ پہ دوپٹے کے تئیں تان چکے ہیں

قسمیں کروڑ جی کے ملنے کی کھائیاں ہوں[1]
یہ سوچ ہے اب ان سے کیوں کر صفائیاں ہوں
نرگس کو وہ چمن میں کیا بھر نگاہ دیکھے
وہ انکھڑیاں نشیلی جس کو خوش آئیاں ہوں

تجھ سے جس وقت کہ خالی یہ مکاں رہتا ہے
مجھ کو تنہائی میں پھروں خفقاں رہتا ہے
شکوہ ہم رکھتے ہیں کیوں ، رسم ہے دنیا کی یہی
دل جو لگتا ہے تو پھر پاس کہاں رہتا ہے
جو ترے پاس سے آتا ہے میں پوچھوں ہوں یہی
کیوں جی[2] کچھ ذکر ہمارا بھی وہاں رہتا ہے

ق

اس ستم گر سے ہمارے جو کسی نے پوچھا
کوئی رنگیں ترے کوچہ میں میاں رہتا ہے
تو کچھ اک تاؤ سا کھا چیں بہ جبیں ہو کے وہیں
گالی دے کر یہ کہا اس سے کہ ہاں رہتا ہے

۱۔ اس زمین کے دونوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں۔ (مرتب)
۲۔ کہو کچھ . . . .

نشۂ حسن سے جس وقت وہ مخمور ہوئے[۱]
ہاتھ سے ان کے کئی شیشۂ دل چور ہوئے

بد گماں اتنا ہوں گزرے مجھے لا کھوں ہی خیال
تم جو نظروں سے مری ایک گھڑی دور ہوئے

جی بیچ کے یہ عشق کا جنجال خریدا
اس جنس کو کھو ہم نے عجب مال خریدا

عبث ہے قصد دلا اس سے چاہ کرنے کا[۲]
نہ ہووے جس میں سلیقہ نباہ کرنے کا

دل ہو خوں اور حنا کو بھاگ لگے[۳]
تیری اس منصفی کو آگ لگے

بھلا کرنے آئے برا کر چلے
ہم آئے تھے کیا اور کیا کر چلے

جو کوچے میں اس نازنیں کے نہ ٹھیرے
تو پھر یہ کہو ہم کہیں کے نہ ٹھیرے

شب کو جو آپ اٹھ گئے نیند مری اچٹ گئی
تارے ہی گنتے گنتے پھر رات وہ ساری کٹ گئی[۴]

۱- اس زمین کے دونوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲،۳،۴- یہ تینوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

طوطئے چھوڑتی ہے کیا کیا خلق[1]
جی لگانا بلائے جان ہوا

چند شعر ریختی کے بھی لکھے جاتے ہیں کہ[2] وہ موجد اس کا ہے:

واری ترے جاؤں میں خالق ہے تو خاقت کا
کب مجھ سے بیاں ہووے ذرہ تری قدرت کا

کچھ مجھ کو گناہوں کا خطرہ نہیں محشر میں
چھوڑوں گی نہ میں دامن خاتون قیامت کا

تو وہ ہے ، جواں جس نے پھر کر کے زلیخا کو
یوسف کو کیا مفتوں اس چاند سی صورت کا

اور حضرت عیسیٰ کو بن باپ کیا پیدا
مریم کا[3] مرے والی شاہد ہے تو عصمت کا

تو خریدارگی میری ہے خریدار اصیل[4]
مارے گردن مجھے لے کر کوئی تلوار اصیل

ڈھیلی گرہ لگاؤں تو انا کہے ہے یوں
آیا نہ باندھنا تجھے واری ازار بند

باندھوں جو کھینچ کر تو وہ کہتی ہے یہ[5] مجھے
کیا کس کے باندھتی ہے تو واری ازار بند[6]

۱- یہ شعر نسخہ' انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- . . . . کہ ذکر اُس کا ہو چکا ہے -
۳- کی -
۴- یہ شعر نسخہ' انجمن میں نہیں - (مرتب) ۵- یوں -
۶- نسخہ' انجمن میں یہ مصرع نہیں ہے اور اس کی جگہ اس سے پہلے شعر کا مصرع ثانی درج ہے جو سہو کتابت ہے - (مرتب)

رنگیں تری قسم ہے کہ ہوں میلے سر سے میں
مت کھول کر کے منت و زاری ازار بند

جب میں نے کہا کہ مجھ کو تم سے
ملنے کا ہے اشتیاق از حد
یک بار وہ کھکھلا کے رنگین
بولے کہ چہ خوش چرا نباشد

---

٦٠ - منیر ، آفتاب خان

خوش[1] تقریر ، خواجہ آفتاب خان تخلص منیر ، شاگرد رنگیں ۔ من کلامہ :

جی چاہتا ہے زلف کا تیرے بیاں کریں[2]
شانے کے دانت توڑ کے اپنی زباں کریں

---

٦١ ـ خان ، محمدی خان

صاف گو[3] ، خوش زبان ، محمدی خان[4] ، تخلص خان ، شاگرد رنگین ۔ یہ بیت اس کی[5] یادگار :

۱۔ نسخہ انجمن میں منیر کا ذکر خان کے بعد اور بقا سے پہلے ہے ۔ (مرتب)
۲۔ نسخہ انجمن میں ردیف "کروں" ہے ۔ (مرتب)
۳۔ نسخہ انجمن میں خان کا ذکر رنگین کے بعد اور منیر سے پہلے ہے ۔ (مرتب)
۴۔ نسخہ انجمن میں اس شاعر کا نام درج نہیں ، صرف تخلص لکھا ہے ۔ (مرتب)
۵۔ اُس سے ۔

یاد جس وقت تری آتی ہے
مجھ کو ہچکی وہیں لگ جاتی ہے

۶۲ - بقا ، شیخ بقا اللہ

دقت پسند ، نازک ادا ، شیخ بقا اللہ تخلص بقا - پسر حافظ لطیف اللہ[۱] خوش نویس اکبر آبادی - پیشتر[۲] تخلص غمیں کرتا تھا جب شاگرد شاہ حاتم کا ہوا ، بقا قرار دیا - حاتم کے شاگرد تمام مرزا رفیع السودا سے رجوع لائے مگر بقا کہ نام حاتم کا اس سے بقا رہا ، منکر سودا غائب و حاضر بلکہ اہانت (سودا کی) اس کے کلام سے ظاہر اور میر تقی (میر) سے بھی نا صاف اور غلطی کا (اس کی) اعتراف ہر دو بزرگوار کی مذمت سے آلودہ اور خامہ صفحہ ہجو پر فرسودہ رکھتا تھا - آخر عمر میں وحشت نے اس کی طبع پر راہ پائی - دیوان کو اپنے ، اس کی مکافات[۳] میں کہ بہت سے پردۂ ناموس پارہ کیے تھے ، کاغذ مشکوک کی طرح چاک[۴] کیا - چند[۵] شعر کہ یاد بقا ہیں ، وہ احباب کی بیاضوں میں سے جمع ہوئے ہیں۔ نقل[۶] ہے کہ بعد کم ہونے اس وحشت کے عازم بیت اللہ کا ہوا - اسباب خانہ مع خانہ[۷] چار سو روپیہ کو بیچا اور اس کا غلہ[۸] نخود

۱- لطف اللہ -
۲- پیشتر غمیں تخلص قرار دیا تھا ، جب . . . کا ہوا بقا تخلص کیا -
۳- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے ''مقالات'' ہے - (مرتب)
۴- پارہ کیا -
۵- چند شعر اس کے کہ احباب کی بیاضوں میں رقم تھے جمع ہوئے -
۶- حکایت : بعد . . . .
۷- زمین - ۸- . . . .غلہ خرید کر کے . . . .

خرید کر کے کشتی میں بھر لیا ۔ وقت رخصت مرزا جعفر صاحب کی ملاقات کو آیا ۔ مرزائے موصوف اس وقت دربار جاتے تھے ، جب ارادہ اس کا سنا خدمت گار اپنا[1] اس کے ہمراہ کیا کہ جہاں یہ فروکش ہوں وہ مکان دیکھ آیا [آئے] ۔ دوسرے روز اس[2] نے خدمت گار کے ہاتھ پانسو روپیہ زاد اور راحلہ کے واسطے بھیجے ۔ اس خدمت گار کو دریافت ہوا کہ کل کے روز کشتی روانہ ہوئی ۔ سبحان اللہ کیا بے نیازی تھی کہ امیروں کے بھی احسان کا انتظار نا گوار تھا ۔ خواجہ وزیر صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کےشاگردوں میں جو شخص شعر مہمل[3] کہہ کے لاتا ہے فرماتے ہیں ، اب تم نے مثل بقا مہمل گوئی اختیار کی ہے ۔ من کلام بقا :

کعبہ تو سنگ و خشت سے اے شیخ مل بنا
کچھ سنگ بچ رہا تھا سو اس بت کا دل بنا

مرزا رفیع[4] کے مطلع کا یہ جواب ہے ، اب اگر کوئی کسی کے جواب میں ایسا شعر کہے نا فہم اسی کا مضمون تصور کرتے ہیں ۔ سودا (کا مطلع ہے) :

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا
کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق بت کا دل بنا[5]

حاصل یہ‌کہ اس راقم نے مطلع پر خواجہ (حیدر علی) آتش کے

۱۔ . . . . . اپنا ہمراہ کیا . . . .
۲۔ . . . . . اسی خدمت گار . . . .
۳۔ شعر تہہ دار ۔
۴۔ یہ مطلع اس کا مرزا رفیع سودا کا جواب ، اب اگر . . . .
۵۔ نسخۂ پٹنہ میں یہاں بھی بقا کے مذکورہ مطلع کا مصرع ثانی درج ہے جو کتابت کی غلطی ہے ۔ (مرتب)

(یہ) مطلع کہہ کر ایک صاحب کے روبہ‌رو پڑھا ، کہنے لگے وہی مضمون ہے۔ دونوں مطلع لکھے جاتے ہیں ۔ آتش :

اٹھائے بار عشق اس عالم غدار میں آئے
کہاں سے ہم کہاں پکڑے ہوئے بیگار میں آئے

لمولفہ :

نہیں ہم آپ سے اس وادیٔ پر خار میں آئے
جنوں سرہنگ تھا پکڑے ہوئے بیگار میں آئے

من کلام بقا :

اتنا ہوا ضعیف کہ میرے مزار پر
جو برگ گل پڑا ہے[1] وہ چھاتی کی سل بنا
ہو کر سیہ **بقا** کا ستارہ نصیب کا
روز نخست عارض خوباں پہ تل بنا

قضا نے حال کل[2] جب صفحۂ تقدیر پر لکھا
مری دیوانگی کا ماجرا زنجیر پر لکھا
نہیں تجھ سے ہمیں دعوائے خوں گو شمع نے قاتل[3]
اب اپنے خوں کا محضر گردن گل گیر پر لکھا
یہ سب مضموں ہے شیریں کوہکن کی رو سپیدی کا
جہاں تک موج سطروں کی ہے ، جوئے شیر پر لکھا

۱- سو ۔ ۲- حال گل
۳- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

بقا کے دل میں آ، آیینہ تیری قدر کیا جانے[1]
عبث ہے نقش گل گر بلبل تصویر پر لکھا

خال لب آفت جاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
دام دانہ میں نہاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

مضمون فارسی :

خال لب آفت جاں بود نمیدانستم
دام در دانہ نہاں بود نمیدانستم

خواہش سود تھی سودے میں محبت کے ولے
سر بسر اس میں زیاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

میں تو آیا تھا بقا باغ میں سن جوش بہار
پر یہ ہنگام خزاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

دست ناصح جو مری جیب کو اس بار لگا
پھاڑوں ایسا کہ پھر اس میں نہ رہے تار لگا

پہنچی اس بت کو خبر نالۂ تنہائی کی
مدعی کون کھڑا تھا پس دیوار لگا

مرغ زیرک تھے تہ دام نہ آئے ہرگز
اڑ گئے ہم سر صیاد پہ منقار لگا

۱- یہ اور اس کے بعد کے شعر نسخۂ انجمن میں نہیں -
(مرتب)

کیوں نہ شانے سے دب چلیں یہ شوخ[1]
ان کی چوٹی دبی ہے اس کے ہات

مت تنگ ہو کرے جو فلک تجھ کو تنگ دست
آہستہ کھینچیے جو دبے زیر سنگ دست

لاؤں جو شکوۂ شب ہجراں سخن کے بیچ
جوں شمع پھر زباں نہ سمائے دہن کے بیچ

بانگ تکبیر تو ایسا[2] ہے بقا سینہ خراش
انگلیاں آپ مؤذن نے رکھیں کان کے بیچ

رکھتا ہے یوں وہ زلف سیہ فام دوش پر
صیاد جس طرح سے دھرے[3] دام دوش پر
اک[4] دن ملا جو شیخ تو پھر مے کشوں کے ساتھ
سر پر لیے پھرے گا سبو، جام دوش پر
ہے دل میں گھر کو شہر سے صحرا میں لے چلیں
اٹھوا کے آنسوؤں سے در و بام دوش پر
ڈالا نہ بار عشق زمیں پر بقا نے یار[5]
سر سے گرا تو اس کو لیا تھام دوش پر

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۲- ایسی ہے ۔ ۳- رکھے ۔
۴- اک دن ملے گا شیخ . . . .
۵- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

مجھ کو بقا بہر سخن خامہ وار
سارے بدن میں یہ زباں ہے عزیز

آویں شیخی میں جو وہ رخسار آتش رنگ و شمع
تو نہ ہوں ہم سنگ یک دیگر مگر پاسنگ و شمع
بزم آرائی کرے وہ باغ میں شب کو تو ہو
فندق اس کے دست و پا کی غیرت اورنگ و شمع

اس لب سے رس نہ چوسے قدح اور قدح سے ہم
تو کیوں نہ لے سبو سے قدح اور قدح سے ہم
بوسے ترے دہن سے بہ ہنگام مے کشی
لے ہے کس آرزو سے قدح اور قدح سے ہم
پاتے ہیں مے کدے میں بقا روز فیض سے
خم سے سبو، سبو سے قدح اور قدح سے ہم

قتل سے عاشق کے تو نے اب توکھائی ہے قسم
آخر اے قاتل یہ باتیں پیش پا افتادہ ہیں

آہیں افلاک میں مل جاتی ہیں
محنتیں خاک میں مل جاتی ہیں
صورتیں آبلہ ہائے دل کی
خوشۂ تاک میں مل جاتی ہیں
صید بسمل کی نگاہیں صیاد
تیرے فتراک سے مل جاتی ہیں

مجھ سے کب تک اس دل صد چاک کا پیوند ہو
اب یہ دیوانہ الٰہی خاک کا پیوند ہو

تو نے اس طرح کا اے چرخ گرایا ہم کو
کہ موئے پر بھی کسی نے نہ اٹھایا ہم کو[1]

شب گزری اب اے سحر کے نالو
پھر چرخ یہ برچھیاں سنبھالو
گر قتل کیا بقا کو تم نے
تو بات یہ منہ سے مت نکالو
پنہاں ہی بھلا ہے خون عاشق
جانے دو اب اس پہ خاک ڈالو

وہ رواں کہتے ہیں جس کو جرس محمل ہے[2]
محنت راہ سے نالاں وہ ہمارا دل ہے
آستیں حشر کے دن خون سے تر ہو جس کی
یہ یقیں جانیو اس کو کہ مرا قاتل ہے

چمن میں لالہ نہیں تجھ کو دیکھ کر قاتل
زمیں سے خون شہیداں نے جوش مارا ہے

مری چشم میں کیوں نہ خوناب آترے[3]
کہ دریا میں البتہ سرخاب آترے

۱۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۲۔ اس زمین کے دونوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۳۔ یہاں سے لے کر ہجو میر سے پہلے تک کے تمام اشعار اور عبارت نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

کوئی موج بھی تابہ گردوں نہ گزری
یہ دریا کئی بار پایاب اترے
بقا اور اک جام ساقی سے لے تو
کہ سر سے خمار مئے ناب اترے

مرا دل اب تو جوں شبنم بندھا ہے گل کے پلے سے
ڈرا مت مجھ کو اے مرغ چمن تو اپنی کلے سے

تھے ہم استادہ ترے در پہ ولے بیٹھ گئے
تو نے چاہا تھا کہ ٹالے ، نہ ٹلے ، بیٹھ گئے
گھر سے نکلا نہ تو اور منتظروں نے تیرے
در پہ نالے کیے یاں تک کہ گلے بیٹھ گئے
اشک اور آہ کی شدت نہ تھمی ، گرچہ بقا
گھر کے گھر اس میں ہزاروں کے جلے ، بیٹھ گئے

گر اپنا قد رعنا تم مجھ کو دکھا دو گے
تو میرے تئیں گویا پیری میں عصا دو گے
اے کاش یونہیں ملتے دو چار برس آگے
خط آنے پہ ملتے ہو ، کیا خاک مزا دو گے

رخ اس کا صفائی ترے تلوے کی نہ پاوے
خورشید ہزار اپنے تئیں چرخ چڑھاوے

آ کر بہ زیر مژگاں یوں دل کا لخت دم لے
جیسے کوئی مسافر زیر درخت دم لے

سپاہ عشرت پہ فوج غم نے جو مل کے مرکب بہم اٹھائے
ادھر تو نالے کا تاشہ کڑکا، ادھر فغاں نے علم اٹھائے
سبب رقیبوں کے بزم میں اب گئی وہ آپس کی ہم نشینی
ہم آن بیٹھے تو اٹھ گیا وہ، وہ آن بیٹھا تو ہم اٹھ آئے

میر و مرزا کی ہجو و مذمت میں جو زہر اس کے قلم سے ٹپکا وہ یہ ہے -

در ہجو میر

میر صاحب پھر اس سے کیا بہتر
اس میں ہووے جو نام شاعر کا
لے کے دیواں پکارتے پھریے
ہر گلی کوچے "کام شاعر کا"

میر نے تو ترا مضمون دو آبے کا لیا
پر بقا تو یہ دعا دے جو دعا دینی ہو
یا خدا میر کی آنکھوں کو دو آبہ کر دے
اور بینی یہ بہا اس کی کہ تر بینی ہو

در ہجو میرزا و میر

مرزا و میر باہم دونوں تھے نیم ملا
فن سخن میں یعنی ہر ایک تھا ادھورا
اس واسطے بقا اب ہجووں کی ریسماں سے
دونوں کو باندھ باہم میں نے کیا ہے پورا

عیب ہے گرچہ کثرت یک لفظ
سخن فارسی سے تا ہندی
پر جدا ہے تمام عالم سے
طرز سودا و وضع میر تقی
یعنی واں لفظ ''تو'' ہے پرکن شعر
''ہی'' سے یاں ہے کلام کی بھرتی
کھول دیوان دونوں صاحب کے
اے بقا ہم نے بھی[1] زیارت کی
شعر سودا و میر کے دیکھے
وہ تو تو تو کریں[2] ہیں یہ ہی ہی

رباعی

زاری کی مری نہ یار کو شرم ہوئی[3]
رونے سے نہ اس کی طبع کچھ نرم ہوئی
ہر آہ خنک بقا خنک تھی اس پر
اب نالہ گرم کیسے بہت گرم ہوئی

آوارۂ وادیٔ طلب کو افلاک
ہر گاہ کرے جور و تعدی سے ہلاک
پیوند زمیں کر کے بھی آرام نہ دے
پھر شیشۂ ساعت میں بھرے اس کی خاک

می خواست بقا شام و سحر از پی نام
کاغاز کلام را رساند بہ تمام

۱- جب ۲- کمرے -
۳- یہ تینوں رباعیاں نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

بسیار بگفت و گفتہ انجام نیافت
پس کرد کلام ختم شد ختم کلام

---

٦٣ ۔ نوا ، ظہور اللہ خاں

سخن ور بے مثل ، شاعر یکتا ، ظہور اللہ خاں تخلص نوا ، قوم شیخ (قصبہ) بداؤں (اس کا) وطن ۔ پیش' گاہِ سرکار شاہ زادہ مرزا جواں بخت کی سے بہ خطاب خانی ممتاز ہوا اور بقا سے حاصل فن سخن اس نے کیا تھا ۔ قلندر بخش جرأت سے بر سبیل شاعری اس سے مکابرہ ہوا ۔ آخر نوبت ہجو اور مذمت پر پہنچی ۔ دو ایک بند اس مخمس کے کہ جرأت نے اس کی ہجو میں کہے ہیں ، بہ طریق مذکور لکھے جاتے ہیں ۔

اب ان کو دے شفق چرخ شال نارنجی
بنا جو کرتے تھے لیل و نہار شطرنجی
یہ دیکھ کیوں کہ نہ الجھے بہ خانۂ تن جی
ظہور حشر نہ ہو کیوں جو کلچڑی گنجی
حضور بلبل بستاں کرے نوا سنجی

ٹکڑ گداؤں کو دے چرخ منصب شاہی
جو گھس کھدے ہوں وہ اوڑھیں دو شالۂ کاہی
ستم ہے پائے جو دھینور مراتب و ماہی
غضب ہے چغد کی مادہ بھی ہو کے جب واہی

١۔ شاہزادہ مرزا جواں بخت کی سرکار سے بخطاب خانی ممتاز، بقا اللہ بقا سے حاصل فن سخن ۔ قلندر بخش جرأت . . . . اس سے مکابرہ اور مناظرہ ہوا . . . . . کہے ہیں لکھے جاتے ہیں ۔

حضور بلبل بستاں کرے نوا سنجی

ظہور اللہ خاں جو[1] اس کے جواب میں نوا سنج ہوا ہے ، اس کا بھی ایک بند لکھا جاتا ہے :

ایک دن کہنے لگا جورو کے منہ پر ہاتھ پھیر
قدرت حق سے لگی ہے ہاتھ اندھے کے بٹیر
وہ لگی کہنے کہ ایسا ہے یہ بھڑوا نیم سیر
بد گماں بھائی سے اپنے ہو لگے گر مجھ کو دیر
کور بے ایماں ، حرامی ، سخت قرم ساق ہے

یہ[2] دو چار شعر کہ اس سے یاد گار ہیں :

ہے دل یار تجلی کدۂ برق غضب
بس بس اے آہ یہاں جلتے ہیں تاثیر کے پر
ان دنوں اپنے ہیں انفاس مسیحا مہلک
کترے تقدیر نے ایسے مری تدبیر کے پر

اب اشک نو[3] کہاں ہے جو چاہوں ٹپک پڑے
آنکھوں سے وقت گریہ مگر خوں ٹپک پڑے
یاں تک ہے جوش اشک کہ آنکھوں سے تجھ بغیر
یک قطرہ آب چاہوں تو جیحوں ٹپک پڑے

٦۴ - نثار ، شیخ محمد امان

سخن ور پختہ کار ، شیخ محمد امان تخلص نثار - بزرگ اس کے پیشہ

۱- . . . . جو اس کی ہجو میں نوا سنج ہوئے ہیں -
۲- دو چار شعر ظہور اللہ نوا کے لکھے جاتے ہیں -
۳ تو -

معماری کا کرتے تھے ، بنیاد شاہجہان آباد کی طرح ڈالی ہوئی ان کی (ہے) ۔ چونکہ معمار ہے[1] ، ریختہ اس کا پائدار اور استوار ۔ حاتم کے شاگردوں میں نامور ۔ دیوان[2] ضخیم اور بزرگ تر اس سے یادگار اور شاہجہان آباد میں اس کا اشتہار ۔ من کلامہ :

خنجر نہ کمر میں نہ وہ تلوار رکھے ہے
نظروں[3] ہی میں چاہے ہے جسے مار رکھے ہے

خوبی میں ترے حسن کی کچھ حرف تو کب ہے
لیکن یہ ذرا خط ہے کہ اصلاح طلب ہے

اس رشک سے ہم کیوں کہ نہ سر سنگ سے ماریں
آیینہ ترے حسن کے لوٹے ہے بہاریں

شیخی تو آفتاب کی ذرہ گھٹائیے[4]
برقع اٹھا کے یار کا مکھڑا دکھائیے

لاسے کو مرے پڑھ کے پٹک دے ہے زمیں پر
دیکھی رقم شوق کی تاثیر سو کیا خاک
جاتی ہے اڑی گرد لثار اس کی گلی کو
کی عشق نے اس شوخ کے تاثیر سو کیا خاک

۱۔ تھے ۔
۲۔ دیوان ضخیم اس سے یادگار ، دلی میں اس کا اشتہار ۔ (دونوں نسخوں میں "ضخیم" کی املا "ذخیم" ہے ۔ مرتب)
۳۔ نظروں ہی میں چاہے جسے وہ . . . .
۴۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

خواہش دل تھی جو کچھ وہ بات بن آئی نہ ہائے
آہ کیا کیا مسودے تھے دل میں ٹھیراتے رہے
آینے نے دی جو تیرے خط کے آنے کی خبر
اپنی زلفوں کی طرح سے دل میں بل کھاتے رہے

---

٦۵ - مظہر ، مرزا مظہر جان جاناں

تارک الدنیا ، درویش با سر و سامان ، صاحب دو زبان ، ہندی گو ، فارسی خوان ، شاعر بہتر ، مرزا مظہر جان جاناں تخلص **مظہر** ۔ مشائخ کبار ، ابراہیم ادہم شعار ، میر عبدالحی تاباں کی محبت میں زار و نزار تھا ۔ بپاس خاطر میر موصوف کے کبھی کبھی ہندی[1] شعر بھی زبان پر جاری ہوتا ، و الا نہ وہ فارسی گوئی میں نام آوری[2] رکھتا تھا ۔

حکایت : جب استیلائے فوج نادر شاہ مردم دہلی پر ہوا اور لشکر مخالف ہر گھر میں غارت کو در آیا ، مرزا کی امتعہ پر (بھی) دست ستم دراز کیا ۔ اس وقت برائے چاشت فقرا دیگ کھچڑی کی اجاغ پر رکھی ہوئی تھی ، وہ میمون سرشت اسے ابالی کھانے لگے ۔ مرزا نے باوجود جور و ستم کے ان سے کہا روغن اور اچار طاق پر دھرا ہوا ہے ، اسے کھاؤ کہ مزہ دے ۔

دوستان را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری[3]

چوں کہ مرزا موصوف تعزیہ داری کو بسبب تصوف کے بدعت

۱- شعر ہندی بھی جاری ہوتا ۔ ۲- نام‌وری ۔
۳- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

جاتے تھے ، ہفتم ماہ محرم کی کسی نے ایک قرابین (ان پر) سر کی - وہ بہانہ ان کی موت کا ہوا - تاریخ[1] وفات کی سودا نے یہ کہی :

مظہر کا ہوا جو قاتل اک مرتد شوم
اور اس کی ہوئی خبر شہادت کی عموم
تاریخ وفات اس کی لکھی از روئے درد
سودا نے کہ : ہائے جان جاناں مظلوم[2]

من[3] کلام مرزائے ذوی الاحترام :

اس گل کو بھیجنا ہے مجھے خط صبا کے ہاتھ
اس سے بکا ہوا ہوں چمن کی ہوا کے ہاتھ
برگ حنا پہ یارو مرا حال دل لکھو
شاید کہ جا لگے وہ کسی میرزا کے ہاتھ

یہ دل کب عشق کے قابل رہا ہے
کہاں[4] اس کو دماغ اور دل رہا ہے
خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو
یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے

لوگ کہتے ہیں سوا مظہر بے کس افسوس
کیا ہوا اس کے تئیں اتنا تو بیمار نہ تھا

۱- تاریخ ان کی وفات کی جو سودا نے کہی تھی ، وہ یہ ہے ۔
۲- ''ہائے جان جاناں مظلوم'' = ۱۱۹۱ + ۴ (روئے درد = د) = ۱۱۹۵ھ - مرزا مظہر کی شہادت ۱۰ محرم کو ہوئی - (مرتب)
۳- منکلامہ -
۴- کہاں اس کو دماغ و دل رہا ہے -

٦٦ ـ یقین ، انعام اللہ خاں

شاعر خوش ظاہر، کلام اس کا متین ، انعام اللہ خاں متخلص بہ یقین ، پسر اظہر الدین خاں ـ مرزا مزاج ، شیریں زبان ، حسن و وجاہت میں یوسف کنعاں ، مرید اور شاگرد مرزا مظہر ـ دیوان اس کا صحیح اور مرتب کیا ہوا مرزا کا ـ اکثر شعرا نے بہتر اور نایاب سمجھ کر اس کے مضمون پر تصرف کیا ، چنانچہ یہ شعر حجت :

حق یقیں کو یارو برباد مت دو آخر
طرزیں[1] سخن کی اس کے تم نے اڑائیاں ہیں

ٹک ایک انصاف کر اتنی بھی کرتا ہے جفا کوئی[2]
کرے گا بعد میرے کس توقع پر وفا کوئی
عجب ڈھب سے کیا ہے قتل مجھ کو اس کومت ٹوکو
طلب کرتا ہے ایسے قاتلوں سے خوں بہا کوئی

بت کرے سجدہ ترے حسن خدا داد کو دیکھ
سرو بندہ ہو[3] ترے قامت آزاد کو دیکھ
ان گنہگاروں میں ہوں میں کہ مزے کے مارے
جی نکلتا ہے مرا دور سے جلاد کو دیکھ
عشق کے جور و جفا میں تجھے گر شک ہو یقین
عشق پرویز کو اور محنت فرہاد کو دیکھ

۱- طرزیں سخن کی تم نے اس کی اڑائیاں ہیں ـ
۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ـ (مرتب)
۳- ہے ـ

خار سے مژگاں کے جی ڈرتا ہے میرا بے طرح
رکھ مری آنکھوں پہ دیتے ہو کف پا بے طرح

نہیں معلوم اب کے سال مے خانے پہ کیا گزرا
ہمارے توبہ کے کرنے سے پیمانے پہ کیا گزرا
برہمن سر کو اپنے پیٹتا تھا دیر کے آگے[۱]
خدا جانے مری صورت سے بت خانے پہ کیا گزرا

سریر سلطنت سے آستان یار بہتر تھا
مجھے ظل ہما سے سایۂ دیوار بہتر تھا
مجھے زنجیر کرنا کیا مناسب تھا بہاراں میں
کہ گل ہاتھوں میں اور پاؤں میں میرے خار بہتر تھا

کیا بدن ہو گا کہ جس کے کھولتے جامہ کے بند
بوئے گل کی طرح ہر ناخن معطر ہو گیا
آنکھ سے نکلے پر آنسو کا خدا حافظ یقین
گھر سے جو باہر ہوا لڑکا وہ ابتر ہو گیا

باغباں بے رحم اور در بند ، دیواریں بلند[۲]
بلبل بے بال و پر جاوے چمن میں کس طرح

اس بسنتی پوش سے آغوش رنگیں کیجیے
جی میں ہے اس مصرع موزوں کو تضمیں کیجیے
عشق میں راحت نہیں ملتی مگر جوں کوہکن
جان شیریں دیجیے تب خواب شیریں کیجیے

۱،۲- یہ دونوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

چھٹے اس زندگی کی قید سے اب داد کو پہنچے
وصیت ہے ہمارا[1] خوں بہا جلاد کو پہنچے
نہ نکلا صبر سے کچھ کام اب فریاد کرتا ہوں
مری فریاد ہی شاید مری فریاد کو پہنچے

دکھ تو دیتا ہے کروں تجھ کو بھی حیراں تو سہی
باغباں اب کے اجاڑے لوں گلستاں تو سہی
اب تو ناصح کے تئیں سینے دو میرا چاک جیب
تار تار اس ضد سے کر ڈالوں گریباں تو سہی

نہیں ممکن کہ ہم کعبہ کو جائیں چھوڑ بت خانہ[2]
کرے واعظ ہمیں ارشاد جتنا اس کا جی چاہے

اس اشک و آہ سے سودا بگڑ نہ جائے کہیں
یہ دل کچھ آب رسیدہ ہے کچھ جلا بھی ہے
یہ آرزو ہے کہ اس بے وفا سے یوں پوچھوں
کہ میرے بے مزہ رکھنے میں کچھ مزا بھی ہے

سایہ بے شخص نہیں رہتا ہے کہتا ہے یقیں[3]
آپ سے مجھ کو جدا حضرت مظہر نہ کرو

---

٦٧ ـ یک رنگ ، مصطفیٰ خاں

شاعر[4] با فرہنگ و شیریں زبان ، مصطفیٰ خاں تخلص **یکرنگ** ،

۱ـ ہماری ـ
۲،۳ـ یہ دونوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ـ (مرتب)
۴ـ شاعر بافرہنگ ، مصطفیٰ خاں ، شاگرد مرزا مظہر جان جاناں ـ
یہ اشعار اس سے یادگار ـ

شاگرد مظہر جان جاناں ۔ من کلامہ :

ہرگز تم اب کسی کے سخن آشنا نہیں
سب خوبیاں ہیں تم میں ولے یک وفا نہیں
یکرنگ نے تلاش کیا ہے بہت سنو
مظہر سا اس جہاں میں کوئی میرزا نہیں

---

٦٨ - حشمت ، محتشم علی خاں

طبیعت (ان کی) رواں ، سخن میں متانت ، محتشم علی خاں تخلص حشمت ، پسر میر باقی ۔ شعر[1] فارسی نہایت لطافت کے ساتھ کہتا تھا ، کبھی کبھی شعر ہندی بھی زبان پر آتا اور مرزا مظہر کی صحبت میں رہتا تھا ۔ من کلامہ :

گور کے بھی سونے والوں کو جگاتی ہے بہار
شور ہے غل ہے قیامت مست آتی ہے بہار
حشمت اپنا درد دکھ[2] تو اس برس مظہر سے کہہ
ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار

---

٦٩ - تاباں ، میر عبدالحی

مشہور یوسف کنعاں ، میر عبدالحی تخلص تاباں ، حسن[3] اس کا چار سوئے دہلی میں شہرت تمام رکھتا تھا ۔ چونکہ عنفوان جوانی میں

۱- شعر نہایت مزے کے ساتھ کہتا تھا ۔ متبع مرزا مظہر جان جاناں ، یہ اس کا بیان ۔

۲- درد دل ۔

۳- چار سوئے دہلی میں اس کے حسن کی شہرت نہایت تھی ۔

وہ یوسف لقمہ[1] گرگ اجل کا ہوا (تھا) ، ہر شخص نے واسطے تسلی خاطر کے صورت اس کی کھنچوائی تھی[2] اور پاس رہتی تھی ۔ حشمت کی شاگردی کا اقرار ، یہ شعر اس سے یادگار :

زبس تیری مژگاں سے[3] ہے مجھ کو الفت
جہاں دیکھ لینا وہاں لوٹ جانا

رہتا ہے خاک و خوں میں سدا لوٹتا ہوا[4]
میرے غریب دل کو خدا جانے کیا ہوا

میں اپنے دل کو غنچۂ تصویر کی طرح
یا رب کبھی خوشی سے نہ دیکھا کھلا ہوا

تاباں کے دیکھنے سے برا مانتے تھے تم
کھو دی بہار خط نے تمھاری بھلا ہوا

جفا سے اپنی پشیماں نہ ہو ، ہوا سو ہوا
تری بلا سے مرے دل پہ جو ہوا سو ہوا

سبب جو میری شہادت کا یار سے پوچھا[5]
کہا کہ اب تو اسے گاڑ دو ، ہوا سو ہوا

---

۷۰ ـ ندیم ، مرزا علی نقی

مرثیہ گوئے قدیم ، مرزا علی نقی تخلص ندیم ، ایک[6] شعر اس

۱۔ طعمہ ۔
۲۔ . . . کھنچوائی تھی ۔ حشمت . . . اقرار اور یہ اشعار اس سے یادگار ۔
۳۔ کی ۔
۴،۵۔ یہ دونوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۶۔ یہ شعر اس کا واسطے یادگاری کے ترقیم ہوا ۔

کا لکھا جاتا ہے :

جدائی میں تری ہم کیا کہیں کس طرح جلتے ہیں
بجائے مو بدن سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں

---

۷۱ - فغاں ، کوکہ خاں [اشرف علی خاں]

شاعر خوش بیان کوکہ خاں تخلص فغاں ۔ شیرینیٔ شیر و شکر اس کے کلام میں اور[1] اقرار شاگردی ندیم خاص و عام میں کرتا تھا ۔ (یہ) چند شعر کہ مزہ اس میں شیر خالص کا ہے ، لکھے جاتے ہیں ۔ (منکلام فغاں) :

ہر چند اب ندیم کا شاگرد ہے **فغاں**
دو دن کے بعد دیکھیو استاد ہوئے گا

مت قصد کر صبا تو دل داغ دار کا
ظالم یہ ہے چراغ کسی کے مزار کا
کرتا ہے وصل میں در و دیوار پر نظر
تجھ کو مزا پڑا ہے **فغاں** انتظار کا

عالم کو جلاتی ہے تری گرمیٔ بازار
مرتے ہم اگر سایۂ دیوار نہ ہوتا

رفتہ رفتہ بت خوش قد مرا آفت ہو گا
قدم آگے جو رکھے گا تو قیامت ہو گا

۱- اور شاگردیٔ ندیم کا اقرار خاص و عام میں ۔

ایسی نگاہ کی کہ مرا جی[1] نکل گیا
قصہ مٹا ، عذاب[2] سے چھوٹے ، خلل گیا

آنا ہمارے گھر میں تجھے عار ہو گیا
ایسا **فغاں** کے نام سے بے زار ہو گیا

ق

کیا پوچھتے ہو حال **فغاں** کیا سنا نہیں
خانہ خراب عشق نے دنیا سے کھو دیا

اس کی وصال و ہجر میں یونہیں گزر گئی
دیکھا تو ہنس دیا جو نہ دیکھا تو رو دیا

دل بستگی قفس سے یہاں تک ہوئی مجھے
گویا مرا قفس میں کبھی آشیاں نہ تھا

تجھ[3] کو روزی ہو مری جان دعائیں لینا
مجھ کو ہر شب تری زلفوں کی بلائیں لینا

قاتل کا داد خواہ میں کیوں کر ہوں روز حشر[4]
لوہو مرا بہا ہی دیا شست و شو کے بیچ

ممکن نہیں کہ غیر نہ ہووے رکاب میں
تجھ کو خدا نہ لاوے ہمارے مزار پر

۱- دم -
۲- . . . . عذاب چھٹا اور خلل گیا -
۳- تم -
۴- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

توشۂ راہ سبھی ہم سفراں رکھتے ہیں
تیرے دامن میں **فغاں** لخت جگر ہے کہ نہیں

تا حشر نہ کم ہووے گی ظالم طپش دل
کافر ہوں اگر گور میں آرام کروں میں

ہو کر ترے قفس سے میں آزاد کیا کروں
بے بال و پر ہوں اے مرے صیاد کیا کروں
نے زندگی میں وصل میسر نہ بعد مرگ[1]
عاجز ہوا ہوں اے دل ناشاد کیا کروں

خط دیجیو چھپا کے، ملے وہ اگر کہیں
لینا[2] نہ میرے نام کو اے نامہ بر کہیں

رکھتا ہے دوست، چرخ مری دود آہ کو[3]
زلف سیہ سے ربط ہے بخت سیاہ کو
مہر علی ہے دل میں نہ کر خوف روز حشر
تو لے چلا ہے ساتھ **فغاں** زادراہ کو

صیاد راہ باغ فراموش ہو گئی
کنج قفس سے مت مجھے آزاد کیجیو

۱۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں۔ (مرتب)
۲۔ لینا نہ نام کو مرے اے نامہ بر کہیں۔
۳۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں۔ (مرتب)

نقد دل لے کر فغاں کا چھوڑ دیتا ہے عبث[1]
گرم کرتی ہے خریداری ترے بازار کو

مجھ مبتلا کی چشم کہاں تک پر آب ہو[2]
اے دل خدا کرے ترا خانہ خراب ہو

کہتے ہیں فصل گل تو چمن سے گزر گئی
اے عندلیب تو نہ قفس بیچ مر گئی

شکوہ تو کیوں کرے ہے مرے اشک سرخ کا[3]
تیری کب آستیں مرے لوہو سے بھر گئی

تنہا اگر میں یار کو پاؤں تو یہ کہوں
انصاف تو[4] نہ چھوڑ مروت اگر گئی

مجھ سے جو پوچھتے ہو تو ہر حال شکر ہے
یوں بھی گزر گئی مری ووں بھی گزر گئی

آخر فغاں وہی ہے اسے کیوں بھلا دیا[5]
وہ کیا ہوئے تپاک وہ الفت کدھر گئی

آتا ہے مری خاک پہ ہمراہ رقیباں
یعنی مجھے تربت میں بھی آرام نہ ہووے

دل زلف میں الجھے مجھے آرام یہی ہے[6]
میں صید بلا کش ہوں مرا دام یہی ہے

---

۱ تا ۳۔ یہ اشعار نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۴۔ کو
۵۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۶۔ اس زمین کے دونوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

بھر لیجیو دامن میں **فغاں** لخت جگر تو
ہم خانہ بدوشوں کا سر انجام یہی ہے

یہ فن کسے نہیں آتا کہ[1] دل میں راہ کرے
فغاں میں اس کے تصدق ہوں جو نباہ کرے

ظالم تجھے قسم ہے جو اس کو جلا نہ دے[2]
یہ دل بھی دل نہ ہووے جو تجھ کو دعا نہ دے
بے طرح جوش گل نے چمن میں لگائی آگ
ڈرتا ہوں آشیانے کو کافر جلا نہ دے

اثر کرتی نہیں اس بت کے دل میں آہ کیا کیجے
عجب حالت ہے میری اے مرے اللہ کیا کیجے

یار اگر جفا کرے ، چاہیے دل وفا کرے
یہ نہ کرے تو کیا کرے ، وہ نہ کرے تو کیا کرے

ترے فراق میں کیوں کر یہ درد ناک جیے
مرے تو مر نہیں سکتا جیے تو خاک جیے

---

۷۲ - صابر ، صابر علی شاہ

بے‌نوا[3] اور شاگرد ، صابر علی شاہ تخلص صابر ، ہم عصر رفیع السودا - من کلامہ :

۱- جو
۲- اس زمین کے دونوں شعر نسخہ' انجمن میں نہیں - (مرتب)
۳- فقیر

نظر بھر کے ہمیں اک دیکھنا اس کا کفایت ہے
جو ہم بستر نہ ہو ہم سے تو کیا اس کی شکایت ہے

---

۷۳ - فدوی لاہوری

مغرور بہت اور کم دستگاہ ، فدوی لاہوری ، شاگرد صابر علی شاہ ، بقال پسر[۱] اور نو مسلم تھا - مرزا محمد رفیع سودا نے کہ قصہ بوم اور بقال کا اس کی ہجو میں بیان کیا ہے ، اس سے اشارہ (ہے) دعوئ شاعری کا اس کے دماغ میں حد سے زیادہ اور مرتبۂ شاعری سے گزر کر قدم جادۂ امرد پرستی پر آمادہ تھا - اس فعل شنیع پر بارہا نوبت خانہ جنگی کی پہنچی تھی - بدن اس کا زخموں سے چور چور مگر علت سے ناصبور تھا - قصۂ یوسف و زلیخا کو حسب فرمائش نواب ضابطہ خان (کے) اس نے ہندی میں نظم کیا تھا اور اسے اپنا مایۂ بساط سمجھتا[۲] تھا - حالانکہ اس پر یہ مثل عائد ہوتی تھی ، ساری زلیخا پڑھی مگر یہ نہ معلوم ہوا کہ زلیخا مرد ہے یا عورت - جب مرزا رفیع نے یہ بند مخمس کا اس[۳] کے بالمشافہ پڑھا :

جہاں میں کوئی بناتا ہے الو پٹھے کا
کسی سے بن کوئی جاتا ہے الو پٹھے کا
بہت ہی جان کھپاتا ہے الو پٹھے کا
بنا مجھی کو یہ آتا ہے الو پٹھے کا
کہ فدوی جگ میں کہاتا ہے الو پٹھے کا

۱- . . . . . . پسر نو مسلم تھا ، مرزا رفیع السودا نے . . . . بیان کیا ہے ، وہ اشارہ ہے دعوئ شاعری اُس کے . . . . .
۲- جانتا تھا -
۳- اُس کی مذمت میں بالمشافہ پڑھا -

چوں کہ یہ[1] مصرع پڑھنے والے کی طرف عائد ہوتا ہے ، فدوی نے کہا ، اللہ مبارک کرے ۔ یہ فقرہ نثر کا سودا کی نظم[2] پر اس وقت غالب آیا ۔ (اس سے نقل یہ زیادہ مزہ رکھتی ہے ۔ ایک دن فدوی نے سر بازار سودا کو گالیاں دیں ۔ سودا نے کہا فدوی اسی قابل ہے ۔ اس مقام پر یہ حدیث کتنی مناسب ہے ۔) فمن ضحک ضحک ۔ دو چار شعر فدوی (کے) لکھے جاتے ہیں :

ابرو کی تیرے تیغ سے سورج ڈرے ہوئے
پھرتا ہے اپنے منہ پہ سپر کو دھرے ہوئے

آنسو نہیں ہیں دیدۂ تر میں بھرے ہوئے
موتی ہیں آبدار صدف میں بھرے ہوئے

فدوی ہمارے دیدۂ گریاں کے فیض سے
اشجار کوہ و دشت کے یکسر ہرے ہوئے

مضمون سودا (سودا نے اسے مقطع کیا ہے) :

ساون کے بادلوں کی طرح سے بھرے ہوئے
یہ دیدے وہ ہیں جن سے کہ جنگل ہرے ہوئے

(فدوی) :

ٹلتے ہیں کوئی ہاتھ چلے یا زباں چلے
ہم داد خواہ ساتھ ہیں اس کے جہاں چلے

کب ہم سری ہے تیر کی اس تیر آہ سے
اک تیر ہے یہی کہ سدا بے کماں چلے

۱- مصرع آخر ۔

۲- . . . . نظم پر غالب ہوا ۔ (نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے "نظم" کی جگہ "نظر ہے" ۔ (مرتب)

سر پر تو دھر کے نعش ہماری کو تا مزار
ہر اک قدم پہ روتے ہوئے خوں فشاں چلے

لائے تھے سر پہ دھر کے کس اخلاص سے ہمیں
بس آنکھ اوجھل ہوتے ہی اے دوستاں چلے

واللہ اعلم میاں مصحفی نے کیا سمجھ کر[1] داخل انتخاب ان دو شعروں کو کیا ہے، ایک نا موزوں دوسرے میں حشو زائد۔

یاروں نے اپنی راہ لی **فدوی** ہمیں رہے[2]
وہ چیز اب کہاں ہے جو پوچھے کدھر چلے

یہ سرو نہیں باغ میں ہے آہ کسی کی
نرگس یہاں تکتا ہے چمن راہ کسی کی

ایک دن اس نے دکھائی تھی مجھے گردش چشم
وہ ادا یاد رہی یار کی مرتے مرتے

نہ ہمیں تاب خموشی ہے نہ یارائے سخن
بات بھی تجھ سے جو کرتے ہیں تو ڈرتے ڈرتے

تماشا ہے اگر آیینہ بے زنگار ہو پیدا
تحیر کے مکاں سے عکس روئے یار ہو پیدا

جسے کچھ نکتۂ تحقیق سے پہنچے خبر **فدوی**
اسی کے دل میں عشق حیدر کرار ہو پیدا

۱- ۔ ۔ ۔ ۔ کر ان دو شعروں کو داخل انتخاب کیا ہے۔
۲- یہ اور اس کے بعد کا شعر نسخۂ انجمن میں نہیں۔ (مرتب)

۷۴ - آرزو ، سراج الدین خان

شہسوار عرصۂ گفتگو ، سخن ور مسلم ، شاعر[1] با آبرو ، سراج الدین خاں متخلص بہ آرزو - یہ اشعار بقول اعظم الدولہ میر محمد خاں تخلص سرور ، صاحب[2] تذکرہ چار باغ ، اس سے یادگار :

رکھے سیپارۂ دل کھول آگے عندلیبوں کے
چمن میں آج گویا پھول تھے تیرے شہیدوں کے

اگرچہ قافیہ عندلیب کا غریب ہو سکتا ہے مگر چند نسخوں میں یہی دیکھنے[3] میں آتا ہے - اللہ اللہ خان آرزو کہ تمام عالم پر دست تصرف اس کا دراز اور اس مطلع سے[4] کہ ایطاء جلی ہے (اس سے) بے نیاز - (دیگر) :

آتا ہے ہر سحر اٹھ اس کی برابری کو
کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشید خاوری کو

۷۵ - شوق ، حسن خان

شاعر پاکیزہ خو ، حسن خاں تخلص شوق ، شاگرد خان آرزو - یہ[5] دو شعر اس سے یادگار :

دکھا دیدار اے پیارے کہ میں فرقت سے در گزرا
مرا فردائے محشر آج ہے میں کل سے در گزرا

۱- لفظ "شاعر" نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- مولف -
۳- دیکھا ہے -
۴- میں -
۵- یہ اس سے یادگار -

مدت سے یہ بحث درمیاں ہے
پر علم نہیں کمر کہاں ہے

---

۷٦ ـ سرور ، اعظم الدولہ امیر محمد خان

شاعر[1] معتبر ، امیر مفتخر ، اعظم الدولہ امیر محمد خاں ، تخلص سرور ، صاحب تذکرہ مسمی (بہ) چار باغ ، شاگرد آرزو :

لگایا[2] اس کماں ابرو سے اپنا جب سے دل ہم نے
کیا تیر ملامت کا نشانہ ایک عالم نے

فرہاد و قیس کیسے یک بار مار ڈالے
اس عشق کینہ جو نے کیا یار مار ڈالے

ہم دیکھتے ہی یار کو بے ہوش ہو گئے
شکوے جو یاد تھے وہ فراموش ہو گئے

نامہ کس سوختہ جاں کا یہ لیے جاتا ہے
بازوؤں سے جو ہلاتا ہے کبوتر پنکھا

ہاتھ اپنے رہے زیر بغل بعد فنا بھی
تھی[3] بسکہ ہم آغوشیٔ دلدار کی حسرت

۱۔ شاعر معتبر ، اعظم الدولہ . . . .شاگرد خان آرزو ۔ یہ اس سے یادگار ہے ۔
۲۔ لگایا اس کماں ابرو سے جب سے اپنا دل ہم نے۔
۳۔ ہے ۔

دل میں ہر ایک کے سودا ہے خریداری کا
یوسف مصر مگر تو بھی ہے اے یار عزیز

روبرو غیروں کے شکوہ[1] کیا کروں میں آپ کا
ہو رہیں گی ہر کہیں باتیں ہماری آپ کی

جی میں ہے یہ پیش دستی کیجیے فرہاد سے
بے ستوں کو پھینک دیجے کھود کر بنیاد سے

محو صورت اسے نو خط جو بنایا تو نے
باغ سبز آیینے کو خوب دکھایا تو نے

مضمون دہان یار کا مجھ سے نہاں نہیں
مانند میرے اور کوئی نکتہ داں نہیں

سبزۂ خط جلوہ گر یوں[2] ہے رخ دلبر کے پاس
جس طرح پھولا ہو ریحان لالۂ احمر کے پاس

۷۷ - بہار ، ٹیک چند

شاعر ارجمند ، نیک شعار ، ٹیک چند تخلص بہار ، مولف بہار عجم ، شاگرد خان آرزو - یہ شعر اس سے یادگار (ہے) :

وہی اک ریسماں ہے جس کو ہم تم تار کہتے ہیں
کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں

۱- کیا شکوہ -   ۲- ہے یوں -

۷۸ ۔ آبرو ، شاہ مبارک

جگہ اس کی بالائے[1] چشم مثل ابرو ، شیخ نجم الدین عرف شاہ مبارک ، تخلص آبرو ، شاگرد خانِ آرزو ، نبیرۂ محمد غوث نور اللہ مرقدہ ۔ اپنے[2] وقت میں مشہور اور نامور تھا ۔ چوں کہ چشم راست بہ سبب گل کے نور بصارت سے عاری تھی ، مرزا مظہر میں اور اس میں مکابرہ ہوا ، یہ بیت اس کی مذمت میں[3] کہی :

آبرو کی آنکھ میں اک گانٹھ ہے
آبرو سب شاعروں کی .....[4] ہے

جواب از آبرو[5] :

جب ستی ست پر چڑھے تو پان کھانا رسم ہے
آبرو جگ میں رہے تو جان جاناں ....[6] ہے

کتابت کا پہنچنا آہ سے میری ہوا مشکل
جلے جاتے ہیں گرمی سے ہوا کی پر کبوتر کے

دامن دشت کیا نقش قدم سے پُر گل
کس بہاراں کا یہ دیوانہ تماشائی ہے

۱- چشم پر ۔
۲- یہ جملہ نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۳- ..... میں مظہر نے کہی ۔
۴- یہاں ایک فحش لفظ تھا ۔ (مرتب)
۵- آبرو نے اس کے جواب میں یہ کہا ۔
۶- یہاں ایک فحش لفظ تھا۔ (مرتب)

سجا ہے نرگسی بوٹے کا جامہ
کرے کیوں کر نہ مجھ سے چشم پوشی

عبث کیوں روبرو ہونے کی کھاتے ہو قسم جھوٹی[1]
بن آیینے کے تم اک دن بھی رہ سکتے ہو منہ دیکھو

شوق اس کو ہے اشک باری کا
آبرو چشم تر قیامت ہے

دل کب آوارگی کو بھولا ہے
خاک اگر ہو گیا بگولا ہے

گاہے گاہے پیار کی آنکھوں سے کرتا ہے نگاہ
مہرباں ہوتا چلا ہے اب تو بارے اس قدر

کچھ ٹھہرتی نہیں کہ کیا ہو گی
اس دل بے قرار کی صورت

تمھارے لوگ کہتے ہیں کمر ہے
کہاں ہے کس طرف کو ہے کدھر ہے
کیا ہے بے خبر دونوں جہاں سے
محبت کے نشہ میں کیا اثر ہے
تخلص آبرو برجا ہے میرا
ہمیشہ اشک غم سے چشم تر ہے

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۷۹ ـ فدوی ، میر محمد حسن

صاحب سخن وری ، میر محمد حسن تخلص فدوی ، ولد میر غلام مصطفیٰ خان ، شاگرد آبرو ـ من کلامہ :

یار کیوں ہم سے سدا چیں بہ جبیں رہتا ہے
نہیں معلوم بلا کون سی پیش آتی ہے

ہو ساتھ کہ حسرت دل مرحوم سے نکلے
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

---

۸۰ ـ ثاقب ، شیخ شہاب‌الدین

عالی مراتب ، شیخ شہاب الدین تخلص ثاقب ، شاگرد شاہ مبارک آبرو ـ من کلامہ :

ثاقب کی نعش اوپر قاتل نے آ کے پوچھا
یہ کون مر گیا ہے کس کا ہے یہ جنازہ

---

۸۱ ـ ناجی ، محمد شاکر

شاعر فارسی و ہندی ، محمد شاکر متخلص[1] بہ ناجی ، شاگرد نجم‌الدین آبرو ـ من کلامہ :

کفن ہے سبز ترے گیسوؤں کے ماروں کا
مکان غم ہے ترے در کے بے قراروں کا

۱ـ تخلص ناجی ـ

ماہ رو جب سفید پوش ہوا
ہر طرف چاندنی کا جوش ہوا

دیکھ ہم صحبت کی دولت سے نہ رکھ چشم کرم
لب[۱] صدف کے تر نہیں ہر چند ہے گوہر میں آب

گر سلیماں تخت دے مت لے
کہ سب آخر کو جائے گا برباد

تری نگاہ کی کثرت سے اے کماں ابرو[۲]
ہمارے سینہ میں تودہ بنا ہے تیروں کا

---

۸۲ ۔ سکندر ، خلیفہ محمد علی

بہتر[۳] اور برتر ، خلیفہ محمد علی تخلص سکندر ، ابتدا میں مرثیہ گوئے حضرت سید الشہدا کا (کذا) تھا ، آخر آخر غزل گوئی[۴] سے آشنا ہوا ۔ شاگرد ناجی ۔ یہ شعر اس سے یادگار :

سحر گزرا چمن سے[۵] کون سا خورشید رو یارب
کہ شبنم گل کے منہ میں اب تلک پانی چواتی ہے

نہ دیکھا ہو جو کسی نے حباب میں دریا
وہ دیکھ لے[۶] مری چشم پر آب میں دریا

۱۔ لب صدف کے خشک ہیں ہر چند ہے گوہر میں آب ۔
۲۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۳۔ بہتر ۔ ۴۔ غزل سرائی ۔
۵۔ میں ۔ ۶۔ دیکھ لیں ۔

۸۳ ـ احسان ، حافظ عبدالرحمان

حافظ عبدالرحمان ، تخلص احسان، شاگرد خان آرزو : من[1] اشعاره :

ربط آہ سرد یوں ہے دیدۂ گریاں کے ساتھ
جس طرح ہوتی ہے اک ٹھنڈی ہوا باراں کے ساتھ

مجھ پر نہ ایک یار ہی کچھ خشمگیں ہوا
نامہ بھی وا کیا تو وہ چیں بر جبیں ہوا

جنت میں مجھ کو اس کی گلی میں سے لے گئے[2]
کیا جانیے کہ مجھ سے ہوا آہ کیا گناہ

---

۸۴ ـ احسان لکھنوی

میاں[3] احسان مرثیہ بھی زمان سابق میں خوب کہتے تھے ـ جب انھوں نے امام باڑہ بنایا اور تعزیہ داری شروع کی ، وہ عہد جناب عالی نواب سعادت علی خان کا اوائل عہد تھا ـ اول تعزیہ

۱ـ یہ اُس کی گفتگو ـ

۲ـ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ـ (مرتب)

۳ـ ترجمۂ احسان لکھنوی نسخۂ انجمن میں نہیں ، نسخۂ پٹنہ کے کے جس صفحے پر حافظ احسان کا ذکر ہے ، اُس کے حاشیے ہر بعد میں اضافہ کیا گیا ہے ـ اس ترجمے کے ابتدائی الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ تذکرہ نگار کے نزدیک حافظ عبدالرحمان احسان اور احسان لکھنؤی دو مختلف شاعر نہیں ہیں ـ حکیم مہدی علی خاں اور ناسخ سے متعلق واقعات کو ترجمۂ ناسخ کا جز ہونا چاہیے ، ان کا احسان لکھنوی سے کوئی تعلق نہیں ـ (مرتب)

روز چہلم بستم ماہ صفر کو لکھنؤ میں میاں احسان نے اٹھایا ، بلکہ یہ امر جدید جناب عالی کو ناگوار ہوا ، لیکن[1] بپاس مذہب کچھ حکم نہ دے سکے اور یوں کہا کہ اب لوگ بہت زیادہ امر جدید کرنے لگے ۔ دوسرے سال سے ایک سیدانی نے بھی تعزیہ نوزدہم ماہ صفر چہلم کو اٹھانا شروع کیا ۔ پھر رفتہ رفتہ یہ امر کل رواج ہو گیا ۔

نقل یہ ہے کہ بعد انتقال میاں احسان کے ان کی زوجہ بھی حسب دستور اپنے شوہر کے تعزیۂ چہلم اٹھایا کرتی تھیں ۔ اوائل عہد نصیر الدین حیدر بادشاہ سے مبلغ دو سو روپیہ واسطے اٹھانے تعزیہ کے سرکار شاہی سے ہر سال چہلم میں زوجۂ میاں احسان کو ملا کرتے تھے ۔ جب عہدۂ نیابت منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خاں کا ہوا ، نواب مذکور نے بہ سبب خیر خواہی کے چاہا کہ یہ بھی سالانہ مثل اور امروں کے موقوف کریں ۔ یہاں تک کہ تعزیہ اٹھنے میں تامل ہوا ۔ بہ سبب نہ وصول ہونے سالانہ کے جب نوبت استغاثہ کی حضور بادشاہ تک پہنچی ، بادشاہ بہت ناراض ہوئے اور نواب مذکور کے پاس چوب دار بھیجا اور چوب دار کو حکم دیا کہ روپیہ مختار زوجۂ میاں احسان مرحوم کو اپنے سامنے دلوا کے آنا اور اس کی رسید میرے حضور میں جلد حاضر کرنا ۔ چوب دار فوراً نواب صاحب کے پاس آیا اور حکم بادشاہ سنایا ۔ نواب صاحب سے بار بار چوب دار نے تقید کی ۔ تب نواب صاحب نے لاچار ہو کے فرمایا کہ وہ مختار زوجہ میاں احسان کا کہاں ہے ۔ جب مختار حاضر ہوا تب نواب مذکور نے فرمایا کہ میاں احسان وہی تھا کہ جو تعزیہ کا اچار ڈالتا تھا ، اب ان کی زوجہ بھی مثل اپنے شوہر کے اچار ڈالتی ہے چالیس دن تک ۔ تب مختار نے جل کے عرض کیا کہ

۱- اصل : لاکن ۔

حضور بجا ہے لیکن وہ اچار آپ کے عہد نیابت میں پڑا - تب نواب مذکور نے باکراہ مختار کو روپے عنایت فرمائے اور چوب دار کو حکم دیا کہ رسید اس سے لے کر بادشاہ کے حضور میں گزران دو - بعد لینے رسید کے مختار کی گردن میں ہاتھ دے کے کچہری وزارت سے نکال دیا - سبحان اللہ کیا ایمان داری و ستم گری ہے -

حکیم مہدی علی خاں کشمیری بچہ تھا ، چنانچہ در عہد معتمد الدولہ ، شیخ ناسخ صاحب نے برائے خوشنودیٔ نواب معتمد الدولہ مختار الملک سید محمد خاں بہادر ضیغم جنگ عرف آغا میر ، حکیم مہدی علی خاں کی ہجو بھی کہی تھی ، چنانچہ ایک شعر اس ہجو کا یہ ہے - شعر :

روبہ صفت ز ہیبت ضیغم گریختہ
کاشو برائے پختن شلغم گریختہ

بعد معزول ہونے معتمد الدولہ کے جب حکیم مہدی علی خاں لکھنؤ میں آیا تو شیخ صاحب نے اس کے حق میں یہ مصرع کہا - مصرع :

کاشو برائے خوردن شب دیگ آمدہ

جب زمانۂ نیابت حکیم صاحب مذکور ہوا تو شیخ صاحب لکھنؤ سے بھاگے - پھر تو یہ شیخ صاحب کا معمول ہوا کہ جب حکیم صاحب داخل لکھنؤ ہوتے تو شیخ صاحب لکھنؤ سے گریزاں ہوتے - چنانچہ دو دفعہ یہ امر واقع ہوا - جب کہ لکھنؤ میں خبر آمد آمد حکیم صاحب فرخ آباد سے مشہور ہوتی تو لوگ لکھنؤ لکھتے کہ جا کر شیخ صاحب کو دریافت کرو کہ اپنے مکان میں ہیں یا لکھنؤ چلے گئے - اگر شیخ صاحب اپنے مکان میں ہیں تو خبر آمد آمد حکیم صاحب کی غلط ہے اور اگر نہیں ہیں تو حکیم

صاحب آئے یا آتے ہوں۔

ایک دفعہ کی نقل ہے، اوائل عہد محمد علی شاہ میں کہ شیخ صاحب کو معلوم نہ تھا کہ دفعتاً حکیم صاحب داخل لکھنؤ ہوئے۔ جب کہ شیخ صاحب نے سنا فوراً صورت اپنی بدل کر اور باناتی مرزائی و کلاہ پہن کر اور کالواں رتی کی صورت بنا کر اور کانور کندھے پر رکھ کر لکھنؤ سے پوشیدہ ہمراہ کالواں رتیوں کے بم بم کہتے ہوئے روانہ الہ آباد ہوئے۔ جب یہ خبر حضرت محمد علی شاہ کو پہنچی، وہ نہایت ہنسے اور حکیم صاحب سے کہہ کر شیخ صاحب کا قصور معاف کروایا اور شقہ مہری حکیم صاحب کا بنا بر طلب بہ نام شیخ صاحب الہ آباد بھیج کر شیخ صاحب کو لکھنؤ بلایا اور شیخ صاحب کے دو سو روپیہ کی ماہواری اپنی سرکار سے جاری کی۔ پرورش اہل کمال کی اور خاوندی فرمائی۔ قدردان ایسے ہوتے ہیں۔ چنانچہ دو سو روپیہ کی تنخواہ شیخ صاحب کو مادام آں جناب سرکار شاہی سے ملا کی۔ شعر:

ز حادثات جہانم ہمیں پسند آمد
کہ خوب و زشت وبد و نیک در بدر دیدم

۸۵۔ میر، تقی میر

استاد استادان، امام شرع سخن وران، عدیم المثال و بے نظیر، محمد تقی متخلص[۱] بہ میر، پسر رشید (میر) عبداللہ، ساکن اکبر آباد۔ ہمشیرہ زادہ سراج الدین خان آرزو۔ غالب[۲] ہے کہ تربیت یافتہ بھی

۱۔ تخلص میر۔
۲۔ یہ جملہ نسخۂ انجمن میں نہیں۔ (مرتب)

اسی کے ہوں ۔ یہ نقل خود فرماتے تھے کہ عنفوان جوانی میں جوش وحشت اور استیلائے سودا طبیعت پر غالب ہوا اور زبان و کام ہرزہ گوئی پر راغب ، ترک ننگ و نام بلکہ رسوائی خاص و عام پسند آئی - ہر کسی کو دشنام دینا شعار اور سنگ زنی کاروبار تھا ۔ خان آرزو نے کہا کہ اے عزیز دشنامِ موزوں ، دعائے نا موزوں سے بہتر اور رخت کے پارہ کرنے سے تقطیع شعر خوش تر ہے ۔ چونکہ موزونیٔ طبیعت جوہر ذاتی تھی ، جو دشنام زبان تک آئی مصرع یا بیت ہو گئی ۔ بعد اصلاح دماغ و دل کے مزا شعر گوئی کا طبیعت پر رہا ، کبھی کبھی دو چار شعر جو خان آرزو کی خدمت میں پڑھے ، پسند فرمائے اور تاکید شعر[1] و سخن کی زیادہ سے زیادہ کی ۔ ایک دن خان آرزو نے ان سے کہا کہ آج مرزا[2] رفیع آئے اور یہ مطلع نہایت مباہات کے ساتھ پڑھ گئے ۔

مطلع :

چمن میں صبح جو اس جنگ جو کا نام لیا
صبا نے تیغ کا آب رواں سے کام لیا

میر صاحب نے اس کو سن کر بدیہتہً یہ مطلع پڑھا :

ہمارے آگے ترا جب کسی[3] نے نام لیا
دل ستم زدہ کو اپنے[4] تھام تھام لیا

خان آرزو (اس کو سن کر) فرط خوشی سے اچھل پڑے اور کہا خدا چشم بد سے (اسے) محفوظ رکھے ۔

۱- . . . . شعر و سخن زیادہ . . . .

۲- . . . . مرزا سودا یہ مطلع اپنا نہایت . . . .

۳- کسو ۔

۴- ہم نے ۔

اب سنیے جب[1] اکبر آباد سے میر صاحب پورب کی طرف چلے ، حسب اتفاق ایک بنیے کے ساتھ گاڑی میں سوار ہوئے مگر وقت[2] سواری کے کچھ رات باقی تھی ، جب روز روشن ہوا اور اس[3] کی صورت دیکھی ، منہ اپنا ادھر سے پھیر لیا اور لکھنؤ تک اس کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھے ۔ سبحان‌اللہ کیا عالی دماغ لوگ تھے کہ ضرورت میں بھی ناگوار کو گوار نہ کرتے تھے ۔ مرزا مغل سبقت نقل[4] کرتے تھے کہ جب میر صاحب لکھنؤ میں تشریف لائے ، بندہ ان کے شرف ملازمت کو گیا ۔ خبر ہونے کے بعد دیر میں تشریف لائے ، میں نے دولت دست بوسی حاصل کی (اور) بعد قیل و قال کے ملتمس ہوا (کہ) کچھ اپنے کلام سے مستفید فرمائیے ، بے تامل فرمایا کہ تمھارے بشرہ سے شعر فہمی معلوم نہیں ہوتی ، سخن کو ضائع کرنے سے حاصل ۔ انسان کو اتنی[5] بھی خود پسندی زیبا نہیں کہ مثل من دیگرے نیست ۔ فضلنا بعضکم علی بعض ۔ میرزا مغل اچھے شاعر تھے بلکہ اوروں پر سبقت رکھتے تھے ۔ ایک دن شاہ قدرت اللہ قدرت[6] تخلص اور میرصاحب کشتی پر سوار تھے ، قدرت نے چند غزل اپنے دیوان کی (میر صاحب کے آگے) پڑھیں ۔ میر صاحب نے کچھ نہ کہا ، آخر وہ ملتمس ہوا کہ آپ نے کچھ نہ فرمایا ۔ میر صاحب نے کہا صوابدید یہ ہے کہ

۱- جب میر صاحب اکبرآباد سے پورب کو چلے ۔
۲- وقت سوار ہونے کے ۔
۳- صورت اس کی ۔
۴- کہتے تھے ۔
۵- اتنی خود پسندی ۔
۶- قدرت اور . . . .

دیوان کو اپنے دریا میں ڈال دو۔

اور نقل ہے کہ عماد الملک نواب غازی الدین خاں لب دریا بیٹھے ہوئے تھے اور مرغان آبی بط و سرخاب دریا میں واسطے سیر و تماشا کے چھوٹے ہوئے تھے۔ اتفاقاً میر صاحب بھی ادھر سے آ نکلے، نواب[۲] نے چند قصیدے اپنے میر صاحب کے روبرو پڑھے اور داد طلب ہوئے۔ میر صاحب نے فرمایا میری تعریف کی کیا احتیاج ہے، ہر بط کو صاحب کے اشعار پر حالت وجد[۳] اور سماع ہے۔ نواب کو[۴] یہ سخن نہایت ناگوار گزرا (اور) دوسرے روز میر صاحب کو پھر طلب فرمایا[۵] اور آپ ایک کرسی پر بیٹھے، زمین پر سوائے خاک کچھ فرش نہ بچھوایا۔ میر صاحب نے لمحے کے لمحے انتظار چوکی[۶] اور مونڈھے کا کیا، بعد ازاں دوپٹا اپنا دوتا کر کے بچھایا اور بیٹھ گئے۔ نواب صاحب نے[۷] کہا کچھ عنایت فرمائیے یعنی اپنے کلام سے مستفید کیجیے، میر صاحب نے یہ قطعہ پڑھا:

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا
یکسر وہ استخوان شکستہ سے چور تھا

کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر
میں بھی کبھی کسی کا سر پر غرور تھا

تھا وہ تو رشک حور بہشتی ہمیں میں میر
سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنی قصور تھا

۱- اور۔

۲- نواب چند قصیدے اپنے ان کو پڑھ کر داد طلب ہوئے۔ (کذا)

۳- وجد و سماع۔ ۴- پر۔

۵- کیا۔ ۶- مونڈھے چوکی کا ....

۷- .... نے کہا کچھ ارشاد کیجیے میر صاحب نے ....

جب سرکار نواب آصف الدولہ بہادر میں میر صاحب صیغۂ شاعری میں نوکر ہوئے ، ایک دن وہ آصف جاہ کتاب خانے میں جلوہ گر تھا اور دواوین[1] زیر و بالا رکھے ہوئے تھے - ایک جلد نواب نام دار کے ہاتھ سے دور تر[2] تھی اور میر صاحب سے نزدیک (تھی) ، فرمایا مجھے اٹھا دیجیے - میر صاحب نے ایک خدم (کذا) سے کہا سنو تمھارے آقا کیا فرماتے ہیں - نواب نے راست ہو کر اس کو اٹھا لیا مگر یہ مرزائی نہایت ناگوار[3] خاطر ہوئی - بعد ایک لمحے کے فرمایا: "کیوں میر صاحب مرزا رفیع السودا کیا شاعر مسلم الثبوت تھا" - میر صاحب نے کہا : "بجا ، ہر عیب کہ سلطاں بہ پسندد ہنر است۔" حضور پر نور نے کہا : "ہم عیب پسند ہیں، یک نشد دو شد۔" اس میں میر[4] محمد سوز صاحب کہ استاد جناب عالی کے تھے ، واسطے مجرے کے حاضر ہوئے - حضور نے فرمایا : "کچھ[5] اپنے شعر پڑھو" - حسب الحکم میر سوز (صاحب) نے دو تین غزلیں[6] اپنے دیوان میں سے پڑھیں - نواب فلک جناب نے تعریف میں ان کی مبالغہ فرمایا - میر صاحب کو (دلیری) میر سوز کی اور تعریف نواب کی بہت ناگوار گزری - میر سوز سے کہا: "تمھیں اس دلیری پر شرم نہ آئی"- میر سوز نے کہا: "صاحب بندہ کیا میں شاہجہاں آباد میں بھاڑ جھونکتا تھا"- کہا "بزرگی اور شرافت میں تمھاری کیا تامل مگر[7] رتبۂ شعر میں

۱- دونوں نسخوں میں "دوانین" ہے - (مرتب)

۲- دور اور . . . .   ۳- ناگوار گزری -

۴- میر سوز کہ . . . .

۵- کچھ پڑھو -

۶- . . . . غزلیں پڑھیں -

۷- مگر شعر میں میر سے کیا کسی کو ہم سری نہیں - (کذا)

میر سے کسی کو ہمسری نہیں ، موقع اور محل تمھاری شعر خوانی کا وہ ہے جہاں لڑکیاں جمع ہوں اور ہنڈکلیا پکتی ہو نہ کہ میر تقی کے سامنے" ۔ میر سوز سے تو یہ کہا اور وہ شقہ کہ جو میر کی طلب کو حضور پرنور نے لکھا تھا ، جیب سے نکال کر حضور کے آگے رکھ دیا اور یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے : "خانہ آباد دولت زیادہ" ۔ نواب نام دار نے فرمایا: "خدا حافظ"۔ دو تین مہینے کے بعد تحسین علی خاں (خواجہ سرا) نے ذکر اس کی عسرت اور غریب‌الوطنی کا تقریباً حضور میں گزارش کیا ۔ اس حاتم زماں نے اول شکایت اس کی بے اعتنائی کی بہت سی کی ، بعدہ شفاعت خواجہ سرا کی قبول فرمائی ۔ خواجہ سرا خوش خوش میر صاحب کے پاس آیا اور وہ ذکر سنایا ۔ میر صاحب نے حاضر ہونا دربار میں اس[1] کی معرفت ننگ مردی سمجھ کر انکار کیا ۔ ایک دن وہ جوہر شناس ہنر منداں ، عتیق اللہ کے امام باڑہ کی طرف آیا اور تحسین کو اشارہ[2] کیا کہ میر صاحب کو لے آ ۔ خواجہ سرا نے میر صاحب سے کہا چلو تمھارے لینے کو حضور آئے ہیں ۔ سبحان اللہ کیا قدر شناسی تھی کہ اپنے نوکر کی رئیسوں کو یہ خاطر تھی ۔

آخر آخر میر صاحب کو ولولۂ عشق[3] پیدا ہوا اور صورت کسی کی آئینۂ خورشید میں معائینہ ہونے[4] لگی ۔ پیر جواں ہمت ایسوں کو کہتے ہیں ۔ کسی نے پوچھا اس[5] پیرانہ سالی میں کد خدا ہونے کا کیا باعث ہوا ۔ فرمایا[6] فقط اس واسطے کہ سسرال والے کہیں

۱- خواجہ سرا کی ۔ ۲- اشارے سے کہا کہ . . . . ۔
۳- ولولہ عشق کا پیدا ہوا ۔ ۴- ہوتی تھی ۔
۵- ت ۔ ۶- فرمایا اس واسطے . . . .

لڑکا آیا ۔ (میاں مصحفی تذکرے میں لکھتے ہیں کہ دیوان فارسی ہم دارد لیکن در فارسی گویاں محسوب نمی شود اور میر صاحب یہ شعر فارسی پڑھتے تھے اور کہتے تھے :

روئے ترا شگاف درے گر نظارہ کرد
اے یار رشک ہیں کہ دلم پارہ پارہ کرد

شیخ علی حزیں بیشتر یہ شعر مجھ سے پڑھواتے تھے اور وقت رخصت ایک اشرفی دیتے تھے اور یہ اتفاق ایک ہفتہ میں دو روز ہوتا تھا ۔) جب مرض الموت سے (میر صاحب) بیمار ہوئے ، وصیت کی ، میرے جنازے کے اٹھانے میں تعجیل نہ کرنا ، جو سنے گا کہ میر نے رحلت[1] کی ہے ، خواہ مخواہ نقد اور سامان معقول بھیجے گا ۔ بموجب وصیت کے صبح سے شام ہوئی ، کسی[2] نے کچھ نہ بھیجا ۔ آخر شیخ امام بخش ناسخ کی اعانت زاد آخرت ہوئی ۔ میاں مصحفی نے تاریخ ان کے مرنے[3] کی "موا نظیری آج" کہی ہے اور (شیخ) ناسخ کی کہی ہوئی تاریخ یہ ہے :

شد ز جہاں میر محمد تقی   داغ ز بےمہری[4] اہل جہاں
ناسخ تاریخ وفاتش نوشت   واویلا مرد شہ شاعراں

من کلامہ[3] :

ناز چمن وہی ہے بلبل سے گو خزاں ہے
ٹہنی جو زرد بھی ہے وہ شاخ زعفراں ہے

کم اٹھانا تھا نقاب آہ کی طاقت رہتی
کاش یک بار ہمیں منہ نہ دکھایا ہوتا

۱۔ انتقال کیا ہے ۔   ۲۔ کہیں سے کچھ نہ آیا ۔
۳۔ انتقال ۔   ۳۔ من کلام میر صاحب ۔

جدا جو پہلو سے وہ دلبر یگانہ ہوا[1]
طپش کی یاں تئیں دل نے کہ درد شانہ ہوا

کھلا نشہ میں جو پگڑی کا پیچ ، اس کے میر
سمند ناز پہ اک اور تازیانہ ہوا

استاذنا حضرت مذنب مغفور فرماتے تھے کہ میں نے یہ مقطع میر سے سن کر یہ شعر فارسی کا پڑھا :

ز فرط نشہ چو وا گشت طرہ بر دستار
سمند ناز ترا تازیانہ دیگر شد

میر صاحب نے کہا - "یہ دل و دماغ اور فرصت و فراغ کسے ہے کہ اور کا کلام دیکھے" - من کلامہ[2] :

باغ میں جس شب گئے ہم ظلم کے مارے ہوئے
جان کو اپنی گل مہتاب انگارے ہوئے

پیار کرنے کا جو خوباں ہم پہ رکھتے ہیں گناہ
ان سے بھی تو پوچھیے تم اتنے کیوں پیارے ہوئے

آستیں رکھتے ہی رکھتے دیدۂ خوں بار پر[3]
حلق بسمل کی طرح لوہو کے فوارے ہوئے

استخواں ہی رہ گئے تھے یاں دم خونریز میر
دانتے پڑ کر نیمچے اس شوخ کے آرے ہوئے

جم گیا خوں کف قاتل پہ جو کل تیرا میر
ان نے رو رو دیا کل ہاتھ کو دھوتے دھوتے

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- منہ -
۳- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

ہم ہیں مجروح ماجرا ہے یہ[1]
وہ نمک چھڑکے ہے مزا ہے یہ

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم
اب جو ہیں خاک انتہا ہے یہ

بے رہے بے گانگی کبھی اس نے
نہ کہا یہ کہ آشنا ہے یہ

مدت سے لگ رہی تھیں آنکھیں در حرم سے
پردہ اٹھا تو لڑیاں آنکھیں ہماری ہم سے

دن نہیں رات نہیں صبح نہیں شام نہیں
وقت ملنے کا مگر داخل ایام نہیں

سر پہ عاشق کے نہ یہ روز سیہ لایا کرو[2]
جی الجھتا ہے بہت، مت بال سلجھایا کرو

ایک نے صورت نہ پکڑی پیش یار
دل میں شکلیں سینکڑوں ٹھہرائیاں

رقعہ بھی جو آئے ہے سو تیر میں بندھا
کیا دیجیے جواب اجل کے پیام کا

۱- اس زمین کے تینوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں -(مرتب)
۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

تاب مہ کی تاب کب ہے نازکی سے یار کو
چاندنی میں آفتابی کا مگر سایہ کرو[1]

کہتا ہے کون میر کہ بے اختیار رو
اتنا تو رو کہ رونے پہ تیرے ہنسی نہ ہو

بھرے رہتے ہیں سارے پھول ہی جس کے گریباں میں
وہ کیا جانے کہ ٹکڑے ہیں جگر کے میرے داماں میں
جہاں سے دیکھیے اک شعر شور انگیز نکلے ہے
قیامت کا سا ہنگامہ ہے ہر جا میرے دیواں میں
ہوائے ابر میں کیا میر ہنستا باغ میں وہ تھا
گری پڑتی تھی بجلی آج کچھ صحن گلستاں میں

رو چکا خون جگر سب ، اب جگر میں خوں کہاں[2]
غم سے پانی ہو کے کب کا بہہ گیا ، میں ہوں کہاں
عاشق اور معشوق یاں آخر فسانہ ہو گئے
جائے گریہ ہے جہاں ، لیلی کہاں مجنوں کہاں

جاویں تو جاویں کہاں جو گھر رہیں کیا گھر رہیں
یار بن لگتا نہیں جی کاش کے ہم مر رہیں
وہ نہیں جو تیغ سے اس[3] کی گلا کٹوائیے
تنگ آئے ہیں بہت اب آپ جوہر کر رہیں

۱- چاندنی کا آفتابی میں مگر سایہ کرو (کذا) ۔
۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۳- ان کی ۔

جس کا خوباں خیال لیتے ہیں
دل کلیجہ نکال لیتے ہیں[1]

آتے ہی آتے تیرے یہ ناکام ہو چکا
واں کام ہی رہا تجھے یاں کام ہو چکا

جو یہ دل ہے تو کیا سر انجام ہو گا[2]
تہ خاک بھی خاک آرام ہو گا

گرم مجھ سوختہ کے پاس سے جانا کیا تھا
آگ لینے مگر آئے تھے یہ آنا کیا تھا
دیکھنے آئے دم نزع لیے منہ پہ نقاب
آخری وقت مرے منہ کا چھپانا کیا تھا

دیکھیں تو تیری کب تک یہ کج ادائیاں ہیں
ہم نے بھی اب کسی سے آنکھیں لڑائیاں ہیں
ہم ہیں وہ خوں گرفتہ ظالم جنھوں نے تیری
ابرو[3] کی جنبش اوپر تلوار کھائیاں ہیں

غیروں سے وہ اشارے ہم سے چھپا چھپا کر
پھر دیکھتے ادھر ہو آنکھیں ملا ملا کر
ہرگام سد رہ تھی[4] بت خانے کی محبت
کعبہ تلک تو پہنچے لیکن خدا خدا کر

۱، ۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۳- ابرو کے حسن اوپر . . . . ۴- ہے -

گرمیٔ عشق مانع نشو و نما ہوئی
میں وہ نہال تھا کہ آگا اور جل گیا

ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر
تیوری چڑھائی تو نے یہاں جی نکل گیا

طالع پھرے سپہر پھرا قلب پھر گئے[1]
چندے وہ رشک ماہ جو ہم سے جدا پھرا

خانہ خراب **میر** بھی کتنا غیور تھا[2]
مرتے موا پر اس کے کبھی گھر نہ جا پھرا

جنوں نے گو کیا رخصت مجھے سیر بیاباں کو
نکالا جائے مو سر سے مرے خار مغیلاں کو

سرگشتہ ایسی کس کی ہاتھ آ گئی تھی مٹی
جو چرخ زن قضا نے یہ آسماں بنایا

وہ تو مٹا گیا تھا تربت بھی **میر** جی کی
دو چار اینٹیں لے[3] کر پھر میں نشاں بنایا

مبادا کارواں جاتا رہے تو صبح سوتا ہو
بہت ڈرتا ہوں میں اے **میر** تیری دیرخوابی سے

۱، ۲۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں۔ (مرتب)
۳۔ رکھ کر۔

ہر بات پر خشونت طرز وفا[1] تو دیکھو
ہر لمحہ بے ادائی اس کی ادا تو دیکھو
سائے میں ہر پلک کے خوابیدہ ہے قیامت
اس فتنۂ زماں کو کوئی جگا تو دیکھو

باغ گو سبز ہو پر یاں سر گلزار کہاں
دل کہاں وقت کہاں عمر کہاں یار کہاں
دل کی خواہش ہو کسی کو تو کمی دل کی نہیں؟
اب بھی یہ جنس بہت ہے پہ خریدار کہاں

قد کھینچے ہے جس وقت تو ہے طرفہ بلا تو
کہتا ہے ترا سایہ پری سے کہ ہے کیا تو

نہ کچھ یعقوب رویا اس الم میں
کنوئیں اندھے ہوئے یوسف کے غم میں

رہتا ہے مدتوں سے جو میرے ہیا لگا
کیا درد عاشقی کا اسے بھی مزا لگا

آنکھوں میں مری آنسو ہر دم جو نہ آ جاتا
تو کام مرا اچھا پردے میں چلا جاتا
کہتے ہیں کہ یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا
سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

۱- نسخۂ پٹنہ میں "طرز ادا" ہے - (مرتب)
۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں -(مرتب)

ہم خاک میں ملے تو ملے لیکن اے سپہر
اس شوخ کو بھی راہ پہ لانا ضرور تھا

خواب میں کل پاؤں اپنے دوست کے ملتا تھا میں
آنکھ دشمن کھل گئی ، سو ہاتھ مل کر رہ گیا

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا
لہو آتا ہے جب نہیں آتا

ہوش جاتا رہا نہیں لیکن
جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا

بارہا گور دل جھکا لایا اب کی شرط وفا بجا لایا

(دستۂ داغ فوج غم لے کر
ہم بھی نکلے ہیں اک حشم لے کر)

ضعف یاں تک کھنچا کہ صورت گر
رہ گیا ہاتھ میں قلم لے کر

مرگ اک زندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

تناسب پر اعضا کے اتنا تبختر
بگاڑا تجھے خوب صورت بنا کر

کون کہتا ہے منہ کو کھولو تم
کاش کے پردے ہی میں بولو تم

۱- اس زمین کے دونوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

حکم آب رواں رکھے ہے یہ حسن
بہتے دریا میں ہاتھ دھو لو تم

میں بندہ ہوں تیرا خدا جانتا ہے
خدا جانے تو مجھ کو کیا جانتا ہے
جفا اس پہ کرتا ہے حد سے زیادہ[1]
جسے یار اہل وفا جانتا ہے

کم ہے کیا لذت ہم آغوشی
سب مزے میرؔ در کنار رہے

میں جو بولا کہا کہ یہ آواز
اسی خانہ خراب کی سی ہے
میرؔ ان نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

رباعی

تسبیح کو مدتوں سنبھالا ہم نے
خرقہ برسوں گلے میں ڈالا ہم نے
اب آخر عمر میرؔ مے کی خاطر
سجادہ گرو رکھنے نکالا ہم نے

(کیا تن نازک ہے جاں کو بھی حسد جس تن پہ ہے[2]
کیا بدن کا رنگ ہے تہہ جس کی پیراہن پہ ہے

۱۔ یہ شعر نسخہ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۲۔ یہ اور اس کے بعد کے تمام اشعار نسخہ انجمن میں حواشی پر اضافہ کیے گئے ہیں ۔ (مرتب)

فقیر ہونے نے سب اعتبار کھویا ہے
قسم جو کھاؤں تو کہتے ہیں کیا گدا کی قسم

خوش نہ آئی تمھاری چال ہمیں
یوں نہ کرنا تھا پائمال ہمیں
حال کیا پوچھ پوچھ جاتے ہو
کبھی پاتے بھی ہو بحال ہمیں

وہ اک روش سے کھولے ہوئے بال ہو گیا
سنبل چمن کا مفت میں پامال ہو گیا

قامت خمیدہ رنگ شکستہ بدن نزار
تیرا تو میر غم سے عجب حال ہو گیا

عناب کوئی ان کو کہے ہے کوئی گل برگ
تو بھی تو ہلا ہونٹ کہ اک بات ٹھہر جائے

خط مت رکھو کہ اس میں بہت ہیں قباحتیں
رکھیے تمھارے منہ پہ تو تم کو برا لگے

توصیف ہو کے شعر میں الجھاؤ پڑ گیا
دانتوں کو سلک در جو کہا میں تو لڑ گیا)

---

٨٦ - فیض ، میر فیض

سخن ور خوش لہجہ ، شاعر شیریں زبان ، میر فیض تخلص فیض ،

مشہور بہ میر جواں ، خلف الصدق[1] محمد تقی میر، شاگرد اور تربیت یافتہ اپنے پدر بزرگوار کا تھا - من کلامہ :

نہ[2] مانی تو نے میری اپنی ضد اے بے وفا رکھی
کہیں[3] اب کس سے ہم جا کر ہماری تو نے کیا رکھی

کدورت جب نہ تب انداز سے نکلا ہی کی تیرے
ہماری خاک اس کوچے میں تو نے کب صبا رکھی

دور میں ساقی ترے آ نکلے ہیں مدہوش ہم
جام خالی دے ہے کیا ، اتنے نہیں بے ہوش ہم

سر فرو لاتے نہیں ژولیدہ مویاں عشق کے[4]
سایۂ بال ہما پر مارے ہیں پاپوش ہم

شوق میں تیرے کنار و بوس کے اے بحر حسن
موج کی مانند ہو جاتے ہیں سب آغوش ہم

گل کھائے تھے جنھوں کے لیے جسم زار پر
وہ پھول بھی نہ لائے ہمارے مزار پر

یاری کی مت امید رکھا کر رقیب سے
اک میں ہی نا تواں ہوں ہماری ہزار پر

کیا کیا طیور آ کے سر تیر پھر گئے
کچھ ان دنوں نہیں ہے ترا دل شکار پر

۱- خلف الصدق میر تقی ، تربیت یافتہ . . . .
۲- نہ مانی میری تو نے اپنی . . . .
۳- کہیں اب کس سے ہم ، تو نے ہماری بات کیا رکھی ـ
۴- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں -(مرتب)

اے **فیض** ساری صورتیں ہیں مٹنے والیاں[1]
مت بھولیو یہاں کے تو نقش و نگار پر

روش بھائی ہے کیا ان خوب صورت گل‌عذاروں کو
لیے آیینے دیکھا کرتے ہیں اپنی بہاروں کو
نہیں معلوم کس رشک قمر کی راہ تکتے ہیں
کہ ساری رات آنکھوں میں گنا کرتے ہیں تاروں کو
خدا جانے کہ تجھ سے **فیض** کیا ہے اس کو بے زاری
جہاں دیکھا تجھے ، اس نے پکارا اپنے یاروں کو

---

۸۷ - تجلی ، میاں حاجی

شاعر منتہی ، میاں حاجی[2] ، تخلص تجلی ، ولد میر محمد حسین - ہمشیرہ زادہ و[3] شاگرد محمد تقی میر ، ریختہ گوئی میں بے نظیر - مثنوی لیلیٰ (و) مجنوں بہ فصاحت تمام کہی[4] ہوئی اس کی ہے - چنانچہ یہ مطلع اس کا :

الٰہی یہ مجنوں دل زار ہے کہ جویائے لیلائے دیدار ہے

من کلامہ :

کئی دن سے روٹھ رہے ہیں وہ نہ پیام ہے نہ سلام ہے
جو یہی طرح رہی ہم نشیں تو ہمارا کام تمام ہے

۱- تذکرہ ہندی میں یہ شعر اس طرح ہے -
یہ فیض ساری صورتیں نہیں مٹنے والیاں
مت بھول آہ یاں کے تو نقش نگار کو
۲- نسخۂ پٹنہ میں "ہاجی" لکھا ہے جو درست نہیں - (مرتب)
۳- اور -
۴- . . . . کہی ہے - چنانچہ یہ مطلع اور یہ اشعار اس سے یادگار -

کبھی پاس بھی جو بلاتے ہو تو ہزاروں باتیں بناتے ہو'
مرے صاحب اتنا تو جانیے کوئی کیا تمھارا غلام ہے

طرب کا رنگ رخ گل پر آشکار آیا
کلی سے کھل' گئے جو ہیں وہ گل‌عذار آیا

تڑپ کے جان نکل جائے گی ابھی صیاد
نہ کہیو باغ میں پھر موسم بہار آیا

یہ شوق دیکھو پس مرگ بھی تجلی نے
کفن میں کھول دیں آنکھیں سنا جو یار آیا

---

۸۸ ـ ضیا : میر ضیا الدین

شاعر با مزہ و صفا ، میر ضیا الدین تخلص ضیا ، شاگرد میر ۔ یہ اشعار اس کے[۳] یادگار :

یا رب تو خیر کیجو قاصد نے دیر کی ہے
گھر[۴] کو ہے اس کے بھولا یا راہ پھیر کی ہے

باؤ بھی کھائی نہ تھی دل نے کہ مرجھانے لگا
آہ یہ غنچہ تو کچھ کھلتے ہی کملانے لگا

گل کی رسوائی تجھے کیا بس نہ تھی اے ننگ خلق
اس کے کوچے میں ضیا پھر آج تو جانے لگا

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۲- گل کھلے ۔ ۳- سے ۔
۴- یا گھر ہے اس کا بھولا . . . . ۔

کہا کیا جانے کیا میری طرف سے تجھ سے بد گو نے[1]
کہ رفتہ رفتہ یہ احوال پہنچایا مرا تو نے

پلادے آب خنجر ہم کو قاتل تشنہ جاتے ہیں
جو مرتا ہے تو اس کے حلق میں پانی چواتے ہیں

ہے[2] ماتم کس دوانے کا الہٰی آج صحرا میں
کہ سیلیں روتی پھرتی ہیں بگولے خاک اڑاتے ہیں

---

۸۹ ۔ مجنوں

مفتون[3] و دل ریش ، مجنون درویش ، مشہور سر برہنہ ، شاگرد میر ۔ یہ ابیات اس سے یادگار[4] :

چڑھا کر ساغر لبریز تو جس دم نکلتا ہے
ترا انداز ہنسنے کا گلوں کے ہونٹ ملتا ہے

سر کٹائیں گے ہم اپنا تیری ہی شمشیر سے
لڑ گئی تدبیر اپنی گر کبھی تقدیر سے

بیٹھا تھا مجھ کو دیکھ بہانے سے اٹھ گیا
حسن سلوک آہ زمانے سے اٹھ گیا

کیا پوچھتا ہے مجنوں غیروں سے آشتی ہے
رہتی ہے اس کی مجھ سے ہر دم لڑائی اب تو

۱۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۲۔ یہ کس دیوانے کا ماتم ہے یا رب آج صحرا میں ۔
۳۔ مفتون دل ریش ۔ ۴۔ من کلامہ ۔

۹۰- مشتاق ، عبداللہ خان

مجمع الطاف و اشفاق ، عبداللہ خان[1] ابن سیف الدولہ ، تخلص مشتاق ، شاگرد محمد تقی میر - من کلامہ :

شہید عشق تمھارے کی نعش اٹھتی ہے
بنے تو آپ بھی چلیے نماز پڑھنے کو

رنگ کیوں سبز ہے **مشتاق** ترے چہرے کا
کس نے دیکھا ہے تجھے زہر بھری آنکھوں سے

کی اک نگاہ یاس جو مژگان یار پر
سو برچھیاں پڑیں دل امید وار پر
مشتاق تیرا کشتۂ تیغ فراق[2] ہے
تقریب فاتحہ سے چل اس کے مزار پر

خرد کو روئیے یا صبر یا دل ناز پرور کو[3]
کیا اک ترک نے غارت مرے لشکر کو
مکدر ناقۂ لیلیٰ چلا آتا ہے صحرا سے
صبا کس نے ستایا آج قیس خاک بر سر کو

آہ[4] لاحق عشق کی جب سے یہ بیماری ہوئی
بارہا نبضیں چھٹیں اکثر غشی طاری ہوئی

۱- . . . خان تخلص مشتاق ، ابن سیف الدولہ ، شاگرد میر تقی ، یہ اُس سے یادگار -

۲- نگاہ -

۳- اس زمین کے دونوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۴- آہ لاحق عشق کی یہ جب سے بیماری ہوئی -

دل سنبھل چل دزدیٔ بوسہ شب دیگر پہ رکھ
یار چونکا ، پاسبانوں میں خبر داری ہوئی

کھینچ تیغ آ[1] دشمن جان امتحان کرتا ہے کیا
کر چکے ہم عاشقی ، جب زندگی بیاری ہوئی

۹۱ - وحشت ، مرزا باقر علی خان

(صاحب جاہ و ثروت[2])، مرزا باقر علی خاں ابن[3] حسین علی خاں، صوبہ دار (بانس) بریلی ، تخلص وحشت ، شاگرد[4] محمد تقی میر ۔ آخر آخر مرتبہ ان کا بہ سبب قرابت نصیر الدین حیدر بادشاہ سے بیش از بیش ہوا ۔ یہ چند اشعار کہ یادگار اس سے ہیں ، صفحۂ قرطاس پر لکھے جاتے ہیں :

اضطراب[5] دل رقم جو خط میں یک سر ہو گیا
اپنا مرغِ نامہ بر لوٹن کبوتر ہو گیا

ٹھہرا نہ کوئی بھی مرا آزار دیکھ کر
آنکھیں تلک تو پھر گئیں بیمار دیکھ کر

منشیٔ تقدیر کا ہوں گا گریباں گیر میں
بن پڑھائے لکھ دیا کیوں خط پیشانی مجھے

۱- تیغا ۔

۲- اصل میں سہو کتابت ہے "سروت" ۔ (مرتب)

۳- خلف الصدق ۔

۴- شاگرد میر تقی ۔ آخر آخر بہ سبب قرابت نصیرالدین حیدر بادشاہ مرتبہ اُن کا بیش از بیش ہوا ۔ یہ اشعار اُن سے یادگار ۔

۵- اضطراب دل رقم خط میں جو یکسر ہو گیا ۔

چل نکلتا ہے وہ بادہ کی طرح جوش میں آ
کیا بہکتا ہے سخن اس لب سے نوش میں آ
(آرزو رہتی ہے یہ روز و شب اے وعدۂ وصل
دہن یار سے ہو کر تو مرے گوش میں آ)
تو نے کونین فراموش کیا اے وحشت
اتنی بے ہوشی نہیں خوب ذرا ہوش میں آ

---

۹۲ - فنا ، شیخ پیر محمد

فنون سپہ گری سے خوب آشنا ، شیخ پیر محمد[1] تخلص فنا ، شاگرد میر تقی ، یہ اس سے یادگار :

کیوں نہ کہیے گیسووں کو اس کے جوڑا سانپ کا
صاف دونوں میں اثر ہے تھوڑا تھوڑا سانپ کا
پیچ سے نکلا نہ دل ہرگز تمھاری زلف کے
سب پڑھے باقی کوئی منتر نہ چھوڑا سانپ کا

---

۹۳ - برشتہ ، آغا

شیریں[2] زبان ، خوش تقریر ، آغا برشتہ ، شاگرد محمد تقی میر۔ فارسی خوان ، ہندی گو ، یہ اشعار اس سے یادگار :

جو مدرسۂ عشق میں مجنوں کا سبق تھا
سو اپنے وہ دیوان کا بر آوردہ ورق تھا

۱- شیخ پیر تخلص . . . . تقی - منکلامہ -
۲- نسخۂ انجمن میں برشتہ کا ذکر جان کے بعد اور مرزا سے پہلے ہے - (مرتب)

منہ پھیر لیا میری طرف سے دم بسمل
اس حسرت دیدار کو جلاد نہ سمجھا

بس دیکھ لی تاثیر تری عشق کہ ہم کو
دیوانہ بھی اپنا وہ پری زاد نہ سمجھا

(کوئی دن میں اے برشتہ ہوتا ہوں صحرا نورد
آدمی ہوں عشق کے صدموں سے دل گھبرا گیا)

بے چین کیا تو نے ہمیں سخت برشتہ
نالوں سے ترے ہم کو شب آرام نہ آیا

ہائے مل ڈالا ہے ہمارا دل
کسی نے پنجۂ حنائی سے
اے برشتہ کہیں بھی نکلا ہے
عشق کا کام میرزائی سے

---

۹۴ - شکیبا ، شیخ غلام حسین

طبع[1] اس کی ہوش ربا ، شیخ غلام حسین تخلص شکیبا ، شاگرد میر ، یہ اس کی تقریر :

نیم بسمل اس نے گر چھوڑا تو اس کا غم نہیں
پر یہ غم ہے اعتبار دست قاتل اٹھ گیا

۱- نسخۂ انجمن میں شکیبا کا ذکر فنا کے بعد ہے - (مرتب)

تری چین جبیں ہے موج طوفاں
اسی سے ہم کنارے ہو رہے ہیں

نہ پوچھو ماجرا ہجراں کی شب کا سخت آفت ہے
مہ تاباں نہیں ہے سر پہ خورشید قیامت ہے

---

۹۵ ۔ جان ، میر جان علی

شیریں[۱] زبان ، میر جان علی تخلص جان ، شاگرد میر ۔ یہ[۲] شعر اس سے یاد :

ذکر اس زلف کی درازی کا
صبح سے تابہ شام رہتا ہے

---

۹۶ ۔ مرزا ، آغا مرزا

شاعر[۳] خوش ادا ، آغا مرزا تخلص مرزا ، شاگرد[۴] محمد تقی میر ، یہ دو تین بیتیں اس سے بقا :

بولے برہم ہو کے میں بولا جو ان[۵] کی بات میں
آپ بھی دینے لگے اب دخل معقولات میں

مجنوں کی عیادت کو سب جاتے ہیں اے لیلیٰ
کیسی ہے تو عاشق کی غم خوار نہیں چلتی

۱۔ نسخۂ انجمن میں جان کا ذکر برشتہ سے پہلے ہے ۔ (مرتب)
۲۔ من کلامہ ۔
۳۔ نسخۂ انجمن میں مرزا کا ذکر برشتہ کے بعد ہے ۔ (مرتب)
۴۔ شاگرد میر ، یہ اس کی تقریر ۔
۵۔ اس کی ۔

فرصت جو ایک دم کی پائیں گے غم کے ہاتھوں
گم گشتہ[1] دل کی اپنے ہم جستجو کریں گے
عاشق کی تب پڑھیں گے خوباں نماز میت
جب[2] قتل کر کے خون سے اس کے وضو کریں گے

---

۹۷ - فقیر ، میر شمس الدین

عروضی[۵] بے نظیر ، میر شمس الدین متخلص[3] بہ فقیر - بہ قول اعظم الدولہ امیر محمد خان سرور[4] صاحب تذکرہ مسمی بہ باغ و بہار، یہ دو شعر ہندی اس عالی مقدار سے یادگار :

دم کا آنا حباب ہے گویا
زندگی موج آب ہے گویا
خال اس کی بیاض گردن کا
نقطہ[۵] انتخاب ہے گویا

---

۹۸ - موزوں ، میر فرزند علی

شاعر یگانہ ، میر فرزند علی تخلص موزوں ، ساکن سامانہ - خوش تقریر ، شاگرد فقیر - من کلامہ :

نرگس کا پھول بھیجیے نامے میں یار کو
معلوم تا کرے وہ مرے انتظار کو

۱- گم گشتہ اپنے دل کی ہم . . . .
۲- جب قتل کر کے اس کے خون سے وضو کریں گے -
۳- تخلص فقیر -
۴- . . . . سرور مولف تذکرہ - یہ دو شعر ہندی اُس سے یادگار -

کیا خاک دل لگاؤں آیینہ طلعتوں سے
حاصل کدورتیں ہیں مٹی کی مورتوں سے

ابرو کی کروں یا صف مژگاں کی میں فریاد
بلوے میں ہوں مارا گیا قاتل نہیں معلوم

اہل دنیا تو نہیں دیتے ہیں موزوں غم کی داد
کوہکن کو خواب شیریں سے جگاؤں تو سہی

پھول جھڑتے ہیں ترے منہ سے ، مری آنکھوں سے
حسن اور عشق کی کیا خوب گل افشانی ہے

مشہور ہے ہماری آنکھوں کی نیزہ بازی
تیرے ستم کشوں سے ہم فوج میں علم ہیں

۹۹ ـ منت ، میر قمرالدین

شاعر پاکیزہ طبیعت ، میر قمر الدین تخلص منت ، ساکن[۱] سنپت[۲] ـ شاگرد میر شمس الدین فقیر ـ میاں مصحفی صاحب نے تاریخ اس کے انتقال کی یہ کہی ہے :

منت کہ ہیچ گہ بہ فنون کمال شعر
از ہم سراں نہ کردہ کسے ہم سری او
وا حسرتا کہ سال وفاتش نوشتہ شد
منت کجا و زمزمۂ شاعری او[۳]

۱۔ شاگرد فقیر ، مصحفی نے . . . . .
۲۔ سونی پت (مرتب) ۔ ۳۔ ۱۲۰۷ھ ۔ (مرتب)

اشعار اس کے[1] :

مدعی اس سے سخن ساز بہ سالوسی ہے
پھر تمنا کو یہاں مژدۂ مایوسی ہے

آہ اے کثرت داغ غم خوباں کہ تمام
صفحۂ سینہ پر از جلوۂ طاؤسی ہے

تہمت عشق عبث کرتے ہیں مجھ پر منت
ہاں یہ سچ ملنے کی خوباں سے تو اک خو سی ہے

کسے عرض حال غم دل کا رو ہے
گرہ زیر لب نغمۂ آرزو ہے

قدم رکھ گیا کون سینے پہ اپنے
گل داغ میں آج مہندی کی بو ہے

گر اس لب جاں بخش کی کچھ بات سناؤں
عیسیٰ بھی جو بولے تو میں صلوات سناؤں

ہم سے وہ جوشش وہ[2] الفت دور کی
آپ کو[2] سوجھی نہایت دور کی

---

۱۰۰ - ممنون ، میر نظام الدین

متلاشی سخن نو ، جویائے[3] (تازہ) مضمون[4] ، شاعر یگانہ ، میر

۱- من کلام منت ۔ ۲- ایک سوجھی ہے نہایت دور کی ۔
۳- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے ''جائے'' ۔ (مرتب)
۴- . . . . مضمون ، میر نظام الدین ممنون ، خلف اور شاگرد میر
(باقی حاشیہ صفحہ ۱٦۷ پر)

نظام الدین تخلص ممنون ۔ خلف میر قمر الدین منت ، سخن میں اس کے طلاقت ، اپنے پدر بزرگوار سے سخن سرا ، متبع مرزا رفیع سودا ۔ پایۂ شاعری میں معاصرین سے برابر بلکہ برتر ۔ یہ اشعار اس سے یادگار :

کل جو خلوت میں وہ بت محو خود آرائی[1] تھا
آینہ پشت بہ دیوار تماشائی تھا

کھولا جو پیچ طرۂ عنبر شمیم کا
مشک ختن سے بھر گیا دامن نسیم کا

بس ہے یہ لطف صبا بہر گرفتار قفس
راہ بوئے گل کرے سوراخ دیوار قفس

منکر ہمارے قتل سے ہوتا ہے تو ہنوز
رنگیں ہے اپنے خون سے وہ خاک کو ہنوز
آنکھیں بسان آینہ پتھرا گئیں مری
اے خود نما نہ آیا مری سمت تو ہنوز
اپنا غبار بھٹکے ہے مانند گرد باد
گو ہو گئے ہیں خاک ، پہ ہے جستجو ہنوز

بندہ ہوں حسن و صورت عشق مجاز کا
ہر آینے میں جلوہ ہے اس جلوہ ساز کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱٦٦)

قمر الدین منت ، متبع مرزا رفیع سودا ، معاصرین سے فکر اس کی بالا ۔ یہ اشعار . . . .

۱۔ نسخۂ انجمن میں سہو کتابت ہے ”تماشائی“ ۔ (مرتب)

اے آہ بے ادب نہ اسے پھونکیو کہ ہے
دل جلوہ گاہ پردہ نشینان راز کا

ہے آستان دیر[1] پر اپنی نشست و خواست
کب ہو حرم میں ہم کو ارادہ نماز کا

ہم جان تک بھی دے چکے پروا وہاں نہیں[2]
جھگڑا چکے گا کیوں کہ یہ ناز و نیاز کا

ممنوں ستم زدہ نہیں ہے عشق کا حریف
یاں ہے دو چار صعوۂ بے بال باز کا

قدم رکھا یہاں کس نے کہ گل تصویر قالی کا[3]
رکھے ہے رنگ اس پائے حنا بستہ کی لالی کا

نگاہ شوخ یوں گستاخ مت جا اس کے عارض پر
خطر ہے سبزۂ نو خیز خط کو پائمالی کا

لکھا جو شعر تعریف جمال یار میں ممنوں
وہ حسن نظم میں ہم سر ہے اشعار جمالی کا

کب گل ہے ہوا خواہ صبا اپنے چمن کا
وا جنبش دم سے ہے رفو زخم کہن کا

بے تابی دل تیرے شہیدوں کی کہاں جائے
کچھ کم رگ بسمل سے نہیں تار کفن کا

۱- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے ''دہر'' - (مرتب)
۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۳- اس زمین کے تینوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

رہے ہے رو کش نشتر ہر آبلہ دل کا
یہ حوصلہ ہے کوئی بل بے حوصلہ دل کا

کیوں مسکی مسکی چولی ہے اور بکھرے بکھرے بال
گر اختلاط غیر سے باہم نہیں رہا

دور فلک میں کس کو نہیں ذوقِ مے کشی
رکھتا ہے ماہ ہاتھ میں ساغر بلور کا

ممنوں بہ رنگ حضرت سودا جو دیکھیے
ہر سنگ میں شرار ہے اس کے ظہور کا

عین راحت ہے جو کچھ ہم پہ ستم کیجے گا
سر جھکائیں گے اگر تیغ علم کیجے گا

دیکھ کر مجھ کو یہ کہتے ہیں بتانِ خوش خط[1]
ایک دن سر کو ترے تن سے قلم کیجے گا

اپنی راحت گاہ نت آغوش بے تابی رہی
کب ہمیں طفلی میں میلِ جنبشِ گہوارہ تھا[2]

کاوشِ غم نے ستم رات یہ مجھ پر توڑا
کہ ہر اک مو نے بدن پر مرے نشتر توڑا

کس قدر شرحِ گراں باریٔ غم لکھی تھی
کہ مرے نامے نے بازوے کبوتر توڑا

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں۔ (مرتب)
۲- نسخۂ پٹنہ میں اسی شعر پر یہ حاشیہ لکھا گیا ہے۔ "قافیہ اور ردیف دونوں بیکار اور خلافِ معنی۔" (مرتب)

گماں نہ کیوں کہ کروں تجھ پہ دل چرانے کا
جھکا کے آنکھ سبب کیا ہے مسکرانے کا

یہ سینہ ہے یہ جگر ہے یہ دل ہے بسم اللہ
اگر خیال ہے تلوار آزمانے کا

ہے سایہ فگن زلف سیہ فام زمیں پر[1]
یا صبح قیامت کی ہے یہ شام زمیں پر

شب ہم کو کشت و خون رہا فوج غم کے ساتھ[2]
سو حسرتیں شہید ہوئیں اپنے دم کے ساتھ

حاجت ہے کیا جو خاک پر اپنی وہ لائے گل[3]
ہیں اس کے نقش پائے نگاریں بجائے گل

وقت نظارہ اک نگہ آرزو نہیں
جس کی کہ حسرتوں کا ٹپکتا لہو نہیں

شکوہ لفظ و معنی ریختہ میں شرط ہے ممنوں[3]
جو خالی اس سے ہے وہ جھولنا ہے، لعب طفلاں ہے

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ، نسخۂ پٹنہ میں اس پر یہ حاشیہ لکھا گیا ہے : اگر ''اپنے'' [کی] جگہ ''ایک'' ہوتا تو مناسب تر تھا - (مرتب)

۳ ۳- یہ اشعار نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۱۰۱ ـ مرھون ، مرزا رضا علی

خال و خط خوبان کا مفتون ، مرزا رضا علی تخلص مرہون[1] ، وطن اس کے بزرگوں کا خراسان ، شاگرد ممنون ـ منہ :

جز یک نگاہ خشم کبھی اس کی خو نہیں
قسمت تو دیکھ یہ بھی کبھو ہے کبھو[2] نہیں

عرق اس لطف سے ہے زیر زلف اس روئے تاباں پر
شب مہتاب میں جلوہ ہو جوں عقد ثریا کا

سراپا ہو گیا آیینہ ساں جو محو حیرانی
دل مرھون ہوا ہے محو کس کے روئے زیبا کا

پڑا ہے شور دل میں جب سے اس کان ملاحت کا
یہاں ہر زخم ہے مہماں نمک دان قیامت کا

اگرچہ حوصلہ طاقت کا برگ کاہ سے کم ہے
ولے روکش سدا رہتا ہوں میں صد کوہ محنت کا

شہید لطف قاتل ہوں کہ بعد از قتل کل اس نے
کیا محرم لب افسوس انگشت ندامت کا[3]

---

۱۰۲ ـ فدا ، مرزا فدا حسین خان

بلبل دستاں سرا ، مرزا فدا حسین خان تخلص فدا ، نبیرۂ

۱ـ . . . ، مرہون ، شاگرد میر نظام الدین ممنون ، متکلامہ ـ
۲ـ نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے اس مصرع میں دونوں جگہ ''کبھی'' ہے ـ (مرتب)
۳ـ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ـ (مرتب)

نواب حاتم خاں ، شاگرد[1] میر نظام الدین ممنون ۔ یہ شعر اس کے یادگار جہاں :

چاہت سے بے خبر ہے ہماری تو یار حیف
ہم چاہیں اور ہمیں تو نہ چاہے ہزار حیف

آدھر تیرا گزر جس روز اے باد صبا ہو گا
تو کہیو جاں کنی میں تھا **فدا** اب مر چکا ہوگا

نہیں کھاتا وہ قسم غیر کے گھر جانے کی
سچ جو پوچھو تو یہی بات ہے مر جانے کی

غیر کی تم نے کی خوشی اور ہمیں خفا کیا[2]
خوب کیا بجا کیا خیر بہت بھلا کیا

لے تو ہی کچھ عزیز نہیں تجھ سے یار دل
قربان تیری جان پر ایسے ہزار دل

کچھ اپنے تو نزدیک خطا ہم نہیں کرتے
آپ ہو خفا تم کو خفا ہم نہیں کرتے
میں بھی جو کسی بات میں بولا کہ کرو یوں
تو کہنے لگے تیرا کہا ہم نہیں کرتے
مختار ہمارا ہے وہی ہم تو ہیں بے بس
واللہ جو کرتے ہیں **فدا** ہم نہیں کرتے

۱۔ شاگرد ممنون ، یہ اس سے یادگار ۔

۲۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ہے ۔ دوسرا مصرع اصل میں اس طرح ہے ۔ ''بھلا کیا بجا کیا ، خیر بہت خوب کیا'' ۔ (مرتب)

تیروں کا ان بتوں کے دل آما جگاہ ہے
یاں آہ آہ کرتے ہیں واں واہ واہ ہے

واں ہم کنار غیر سے وہ رشک ماہ ہے
یاں کنج غم میں شکوۂ بخت سیاہ ہے

شفا پائے ابھی بیمار تیرا[1]
جو دیکھے اک نظر دیدار تیرا

---

۱۰۳ ـ بشیر ، میر بشارت علی

موزوں اور خوش تقریر ، میر بشارت علی تخلص بشیر ، شاگرد میر نظام الدین ممنون ـ من کلامہ[2] :

یا رب نہ کھلے زلف گرہ گیر کسی کی
وابستہ ہے واں خاطر دل گیر کسی کی

شاید دل بے تاب کو تسکین ہو اپنے
کھنچوا کے رکھو سینے پہ تصویر کسی کی

دیوانہ **بشیر** آیا ہے اس شہر میں شاید
پھر کھڑکے[3] ہے اس کوچہ میں زنجیر کسی کی

---

۱۰۴ ـ مظفر ، مظفر علی خاں

خوش سخن ور ، مظفر علی خاں[4] بہادر تخلص مظفر ، شاگرد میر نظام الدین ممنون ، یہ بیت اس سے یادگار :

۱ـ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ـ (مرتب)
۲ـ یہ اس کی تقریر ـ
۳ـ پھر کھڑکی اُسی کوچے میں . . . . ـ
۴ـ . . . .خاں تخلص . . . . شاگرد ممنون ـ

تجھ کو ہی پوچھتا تھا کل نزع میں مظفر
آیا بہت ہی رونا ہم کو جو تو نہ آیا

---

۱۰۵ ۔ آشوب ، میر مراد علی

شاعر خوش اسلوب ، میر مراد علی تخلص آشوب ۔ خلف[1] میر روشن علی فروغ ۔ شاگرد ممنون ۔ (یہ اشعار اس سے بر قرار) :

ناوک غم سے چھنا ، یاں تک تن اس نا کام کا
استخواں پر ہے گماں میرے ہما کے دام کا

گنہ کے بوجھ سے محشر تلک پہنچ نہ سکے
اسی میں پردہ رہا ہم گناہ گاروں کا

پوچھا جو میں نے یار سے انجام سوز عشق
شوخی سے اک[2] چراغ کو اس نے بجھا دیا

دل کو سمجھے تھے کہ اس بزم سے لے آئیں گے
ہائے اپنا بھی ہوا واں سے پھر آنا مشکل

پاس آلودگی دامن قاتل نہ رہا
کس قدر شوق تپیدن سے پشیماں ہوں میں

دل[3] کہیں دیدہ کہیں صبر کہیں تاب کہیں
ہائے کیا ہی شب ہجراں میں پریشاں ہوں میں

۱۔ نسخہ انجمن میں یہ جملہ نہیں ہے ۔ (مرتب)

۲۔ نسخۂ انجمن میں ''اس'' ہے جو ظاہر ہے کہ مفہوم کے اعتبار سے درست نہیں ۔ (مرتب)

۳۔ دل کہاں دید کہاں صبر کہاں تاب کہاں ۔

عذر جفا کے کب تلک تم کرو ہم گلہ کریں
وصل کی رات کم ہوئی آؤ معاملہ کریں

---

۱۰۶ - جعفری ، میر باقر علی

میر باقر علی تخلص جعفری ، پور[۱] کوچک میر قمر الدین منت۔ یہ (دو) شعر اس سے یادگار :

آرام وعدے کی شب یک دم کبھو نہ آیا
آیا نہ چین دل کو جب تک کہ تو نہ آیا

تیغ یوں دل میں خیال نگہ یار نہ کھینچ
نا خدا ترس تو کعبے میں تو تلوار نہ کھینچ

---

۱۰۷ ـ تسکین ، میر سعادت علی

لائق تحسین، کلام اس کا متین ، میر سعادت علی تخلص تسکین ـ صاحب تقویٰ و صلاحیت ، شاگرد میر قمر الدین منت ، یہ[۲] اس کا جوش طبیعت :

حال دل کہیے تو ہم سے وہ صنم رکتا ہے
اور چپ رہیے تو مشکل ہے کہ دم رکتا ہے

کس کا کوچہ ہے یہ یارب نہیں معلوم ہمیں
خود بہ خود یاں کے پہنچتے ہی قدم رکتا ہے

جس کم سخن سے میں کروں تقریر بول اٹھے
ہے مجھ میں وہ کمال کہ تصویر بول اٹھے

---

۱ پسر ۔

۲- یہ اشعار اس سے یادگار ۔

میاں دل گیر صاحب کہتے تھے کہ ایک دن میں شیخ ناسخ کی خدمت میں حاضر تھا کہ میر سعادت علی تسکین تشریف لائے۔ شیخ صاحب نے کہا کچھ ارشاد فرمائیے ، میر صاحب[1] نے شعر مرقوم الصدر پڑھا ۔ شیخ[2] نے کہا شعر آپ کا خوب ہے ، اگر کم سخن کی جگہ بے زبان ہو تو کمال آپ کا ظاہر اور وہ نادر ہو جائے ۔ میر صاحب نے دخل ان کا قبول فرمایا ۔ منہ[3] :

یوں مجھ میں اس میں بگڑی سدا اور سدا بنی
کچھ اب کے ایسی بگڑی کہ بس جی پر آ بنی

---

۱۰۸ ـ قدرت ، شاہ قدرت اللہ

درویش کامل[4] ، شیریں گفتار ، شاہ قدرت اللہ ، اولاد شاہ عبدالعزیز شکر بار ، برادر عموی میر شمس الدین فقیر ۔ سخن میں اس کے نہایت متانت ، تخلص قدرت ، ہر شعر نایاب ، ہر مصرع انتخاب ہے ۔ من کلامہ :

سینہ اس کا ہے دل اس کا ہے جگر اس کا ہے
تیر بیداد جدھر منہ کرے گھر اس کا ہے

دست امید ہے اور دامن مایوسی ہے
دل پر داغ ہے اور حسرت پابوسی ہے

۱۔ میر موصوف ۔ ۲ ۔ ناسخ ۔
۳۔ یہ لفظ اور اس کے بعد کا شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۴۔ شیریں گفتار ، درویش کامل، شاہ ۔ ۔ ۔ سخن میں نہایت متانت ۔ ۔ ہر شعر اس کا نایاب ، ہر مصرع انتخاب ۔ منہ ۔

سرمہ آلودہ نگاہوں[1] نے کیا دل ٹکڑے
اشک خونیں[2] سر مژگاں پہ مرے طوسی ہے

شب تو جو گزری ہے سو یہ کچھ بلا انگیز ہے
روز بھی تجھ بن ستم گر روز رستا خیز ہے
آہ اس کم فرصتی پر[3] ہو نشہ سے کیا سرور
شیشہ تا خالی ہو جام زندگی لبریز ہے
جرم پر اپنی سیہ بختی کے روز حشر کو
ہاتھ میں قدرت کے، تیری زلف دست آویز ہے

دم تیغ کا ہوں میں تشنہ لب، مجھے تیغ سے سروکار ہے
اسے آب خضر نصیب ہو جسے زندگی پہ مدار ہے

حسرت اے صبح وطن ہم سے چمن[4] چھوٹے ہے
مژدہ اے شام غریبی کہ وطن[5] چھوٹے ہے

ہوا ہے عشق سے آ کر مقابلہ دل کا
بھڑا پہاڑ سے دل بل بے حوصلہ دل کا

جوں نقش پا جہاں کہ یہ مجبور رہ گیا[6]
طاقت وہاں سے چل گئی مقدور رہ گیا

۱- نگاہوں سے ہوا -   ۲- خونی -
۳- . . . . پرنشہ سے کیا ہو سرور -
۴- وطن -   ۵- چمن -
۶- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

واماندگی تو میری رفاقت نہ چھوڑیو
گو قافلے سے یک دو قدم دور رہ گیا

جب کہ وہ رخ تہِ نقاب چھپا
ہو گئی شام آفتاب چھپا
منکر بادہ محتسب آیا
ساقیا شیشہ شراب چھپا
اس بنا گوش کی خجالت سے
در شہوار زیر آب چھپا
ہے قصور نظر یہاں قدرت[1]
ورنہ کب حسن بے حجاب چھپا

ہم پر ایام مصیبت آج پھر آنے لگا[2]
یار گھر جانے لگا اے وائے گھر جانے لگا

جب مسیحا دشمن جاں ہو تو کب ہو زندگی[3]
کون رہ بتلا سکے جب خضر بہکانے لگا
کب تک اے نالہ یہ زیر لب رہے گا تو گرہ[4]
حوصلہ باقی نہیں بس جی تو گھبرانے لگا

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں (مرتب) -
۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - نسخۂ پٹنہ میں مولف نے اس پر یہ حاشیہ لکھا ہے : "ایام جمع یوم کی ہے ، آنے لگے چاہیے" - (مرتب)
۳- نسخۂ پٹنہ میں یہاں "دشمنی" ہے جو ظاہر ہے کہ کتابت کی غلطی ہے - (مرتب)
۴- یہ شعر اور اس کے بعد کا شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

رنگ ہستی مٹ چلا اس دل کا موج اشک سے
غنچۂ تصویر تھا پانی سے کملانے لگا

اہل عدم[1] کو رنگ فنا کا کب تھا شعور
سر مشق رفتگاں مرا لوح مزار تھا
آداب عاشقی کوئی سیکھے پتنگ سے
تا شمع جلوہ گر ہو یہ مشت غبار تھا

ہر سر جلوہ جو کل وہ بت ہرجائی تھا
سو جگہ چاک مرا جیب شکیبائی تھا
جلوۂ حسن نے کھولی ہی نہ تھی منہ سے نقاب
کہ ہمیں مد نظر کوچۂ رسوائی تھا

---

۱۰۹ - عسکری ، مرزا

افسر سخن وری ، مرزا عسکری ، تلامیذ[2] سے شاہ قدرت کے تھا - یہ شعر اس سے یاد :

کہنے کو ادھر ادھر گئے ہم
تھے تیری طرف جدھر گئے ہم

---

۱۱۰ - درد ، خواجہ میر

رنگ کسب ریاضت سے زرد ، تن میں نالہ ، لب پر آہ سرد ، حضرت[3] خواجہ میر صاحب تخلص درد - خلف الرشید شاہ گلشن -

---

۱- اہل فنا -
۲- شاگرد قدرت ، منکلامہ -
۳- خواجہ میر تخلص درد -

سحر بیان ، شیریں سخن ، مصنف کتاب نالۂ عندلیب ، شغل حسن پرستی سے نا شکیب ۔ اوائل میں سپاہی پیشہ ، صاحب خنجر و تیر زن ، اخیر[1] اخیر ترک لباس کر کے سجادہ نشین ہوئے ۔ علم موسیقی میں کوک و ساز اور علم تصوف[2] کے ہم راز تھے ۔ سلسلہ ان کا نقش بند ، سرود اور غنا پسند ، ایک رسالہ مختصر حلت غنا میں مریدوں کی ہدایت کے واسطے تصنیف کیا ہوا اس[3] کا اور ذات شریف بھی بیشتر اوقات محو سرود و غنا ۔ دوسری تاریخ ہر مہینے کی مجلس حال و قال ان کے پدر بزرگوار کے مزار پر مقرر تھی ، ایسا انبوہ کہ سلاطین بھی آتے تھے ۔ حتیٰ کہ[4] ایک دن بادشاہ عالی گوہر شریک صحبت ہوئے تھے ، ایک دن دو زانو بیٹھنے کا دیر اتفاق رہا ، قدم مبارک درد کر اٹھا ، بادشاہ نے ایک زانو کو دوسرے زانو پر رکھ لیا ۔ نظر خواجہ صاحب کی نا گاہ بادشاہ پر جا پڑی ، وہ کھنڈی کے فقیروں کے پاس ہوتی ہے ، بہ قوت تمام بادشاہ کے زانو پر ماری ۔ بادشاہ نے شکوے کے عوض عذر درد پا پیش کیا ۔ میر درد صاحب نے کمال بے دردی سے فرمایا کہ ایں خانۂ درد است ، سراپا درد شو و گرنہ ازیں جا بیروں رو ۔

(خواجہ صاحب موجد ایسے تھے کہ) اس صوفی صافی کی نذر[5]

۱۔ آخر ترک . . . .

۲۔ نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے ''تصور'' ۔ (مرتب)

۳۔ اُن کا ۔

۴۔ حتیٰ کہ بادشاہ عالی گہر شریک صحبت ۔ ایک دن دو زانو . . . اتفاق ہوا . . . . بادشاہ نے اس زانو کو اس پر رکھ لیا ۔ ناگاہ نظر خواجہ بادشاہ پر . . . . پیش کیا ۔ درد نے کمال . . . .

۵۔ نذر کے واسطے ۔

کو ایک شخص مینا لایا اور حضرت نے[1] پنجرہ اس کا خلوت خانۂ خاص میں لٹکایا ۔ اس جانور نے یا علی مدد کی صدا کہی ، باوجودے کہ طریقۂ فقیری بولی ٹھولی کا ہے ، اس تعصب پیشہ نے زبان اس حیوان مطلق کی حلق سے کھینچی ۔ نعوذ باللہ من ہذہ العقیدہ ۔ یہ اشعار کہ اس سے یادگار ہیں، رقم ہوتے ہیں :

مژگان تر ہوں یا رگ تاک بریدہ ہوں
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

ہر شام مثل شام رہوں ہوں سیاہ پوش
ہر صبح مثل صبح گریباں دریدہ ہوں

جاؤں میں کدھر جوں گل بازی مجھے گردوں
جانے نہیں دیتا ہے ادھر سے نہ ادھر سے

نزع میں تو ہوں ولے تیرا گلہ کرتا نہیں
ہے وہی دل میں وفا پر جی وفا کرتا نہیں

عشوہ و ناز و کرشمہ ہیں سبھی جاں بخش لیک[2]
درد مرتا ہے کوئی اس کی دوا کرتا نہیں

کہیں ہوا ہے سوال و جواب آنکھوں میں
یہ بے سبب نہیں ہم سے حجاب آنکھوں میں

نزع میں ہوں پہ وہی نالے کیے جاتا ہوں
مرتے مرتے بھی ترے غم کو لیے جاتا ہوں

۱- شاہ صاحب نے ۔

۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

روندے ہے نقش پا کی طرح خلق یاں مجھے
اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

اے گل تو رخت باندھ، اٹھاؤں میں آشیاں
گل چیں تجھے نہ دیکھ سکے، باغباں مجھے

کچھ اور گنج غم کے سوا سوجھتا نہیں
آتا ہے یاد جب کہ وہ گنج دہاں مجھے

ہم چشمی ہے وحشت کو مری چشم شرر سے
آتے ہی نظر پھر وہی غایب ہو نظر سے

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

اذیت مصیبت بلائیں ملامت
ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

کیا مجھ کو داغوں نے سرو چراغاں
کبھی تو نے آ کر تماشا نہ دیکھا

تغافل نے تیرے یہ کچھ دن دکھائے
ادھر تو نے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا

موت کیا آ کے فقیروں سے تجھے لینا ہے
مرنے سے آگے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں

تا قیامت نہیں مٹنے کے دل عالم سے
درد ہم اپنے عوض چھوڑے اثر جاتے ہیں

اس اثر میں دو معنی ہیں، ایک تو تاثیر اور دوسرے نام سجادہ نشین کا کہ ان کے بعد ہوا۔

ہر دم بتوں کی صورت رکھتا ہے دل نظر میں
ہوتی ہے بت پرستی اب تو خدا کے گھر میں

یہ رات شمع سے کہتا تھا **درد** پروانہ
کہ حال دل کہوں گر جان کی اماں پاؤں

جگر پہ داغ نے میرے یہ گل فشانی کی
کہ اس نے آپ تماشے کو مہربانی کی

تمنا ہے تیری اگر ہے تمنا
تری آرزو ہے اگر آرزو ہے

صورتیں کیا کیا ملی ہیں خاک میں
ہے دفینہ حسن کا زیر زمیں

درد درویش ہوں مری تعظیم
کرتے ہیں لوگ کہہ کے یا اللہ

بے کسی کو عبث کیا بے کس
قتل کر مجھ کو کیا کیا تو نے

جان پہ کھیلا ہوں میں میرا جگر دیکھنا
جی نہ رہے یا رہے مجھ کو اُدھر دیکھنا
ذکر وفا کیجیے اس سے جو واقف نہ ہو
کہتے ہو یہ کس سے تم ٹک تو اُدھر دیکھنا
سو بھی نہ تو ایک دم دیکھ سکا اے فلک
اور تو یاں کچھ نہ تھا ایک مگر دیکھنا

نالۂ دل کا اثر دیکھ لیا درد بس
جی میں نہ رہ جائے یہ آہ بھی کر دیکھنا

باہر نہ آ سکی تو قید خودی سے اپنی[1]
اے عقل بے حقیقت دیکھا شعور تیرا

جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا

ان لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

اگر یوں ہی یہ دل ستاتا رہے گا[2]
تو اک دن مرا جی ہی جاتا رہے گا

میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے
مری یاد تجھ کو دلاتا رہے گا

مشکل نگیں جو ہم سے ہوا کام رہ گیا
ہم رو سیاہ جاتے رہے نام رہ گیا

یا رب یہ دل ہے یا کوئی مہماں سرائے ہے
غم رہ گیا کبھی ، کبھی آرام رہ گیا

ساقی مرے بھی دل کی طرف ٹک نگاہ کر
لب تشنہ تیرے عہد میں یہ جام رہ گیا

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۲- اس زمین کے دونوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

ہر چند کیے ہزار نالے[1]
پر دل سے نہ اضطراب نکلا

آشیانے میں درد بلبل کے[2]
آتش گل سے آج پھول پڑا

بارے مجھے بتا تو سہی کیا سبب ہوا
پھر مجھ پہ مہربان ہوا تو غضب ہوا

حیران آیینہ وار ہیں ہم
کس سے یارب دو چار ہیں ہم

کوئی کیوں کر نظر میں لائے
تنگ چشم شرار ہیں ہم

مجنوں ہو خواہ کوہ کن ہو
عاشق کے دوست دار ہیں ہم

اپنے ملنے سے منع مت کر[3]
اس میں بے اختیار ہیں ہم

کلیم بخت سیہ سایہ دار رکھتے ہیں
یہی بساط میں ہم خاکسار رکھتے ہیں

یہ کس نے ہم سے کیا وعدۂ ہم آغوشی
کہ مثل بحر سراسر کنار رکھتے ہیں

بلا ہے نشۂ دنیا کہ تا قیامت آہ
سب اہل قبر اسی کا خمار رکھتے ہیں

---

۱ تا ۳ یہ اشعار نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

نہ برق ہیں نہ شرر ہیں نہ شعلہ نے سیماب
وہ کچھ ہیں پر کہ سدا اضطرار رکھتے ہیں
وہ زندگی کی طرح ایک دم نہیں رہتا
اگرچہ درد اسے ہم ہزار رکھتے ہیں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں
تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ[1] جائیو
دامن نچوڑ دیں[2] تو فرشتے وضو کریں

اس کی بہار حسن کا دل میں ہمارے جوش ہے
فصل بہار جس کے یاں ایک یہ گل فروش ہے
بخت سیہ یہ رنگ شب نت ہی گلیم پوش ہے
شمع بھی اپنے یاں اگر ہے تو سدا خموش ہے
خلوت دل نے کر دیا اپنے حواس میں خلل
حسن بلائے چشم ہے نغمہ بلائے گوش ہے
نالہ و آہ کیجیے ، خون جگر ہی پیجیے[3]
عہد شباب کہتے ہیں موسم ناؤنوش ہے

آفت جان و دل یہاں وہ بت خود فروش ہے
پہلے ہی جس کی پیش کش صبر و قرار و ہوش ہے
دل کو سیاہ مست کر کچھ بھی جو تجھ کو ہوش ہے
کہتے ہیں کعبہ اس کو اور کعبہ سیاہ پوش ہے

۱۔ نہ جا ابھی ۔ ۲۔ دامن نچوڑے تو . . .
۳۔ یہ اور اس کے بعد کے تین شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

کس کی یہ ہوتی ہے صبا گفت و شنید باغ میں
غنچے سبھی دہان ہیں گل بھی تمام گوش ہے

اپنے تئیں تو کام کچھ خرقہ و جامہ سے نہیں
درد اگر لباس ہے دیدۂ عیب پوش ہے

اہل فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے
لوح مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

اس ہستیٔ خراب سے کیا کام تھا ہمیں
اے نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہے

تیری گلی میں میں نہ پھروں اور صبا چلے
یونہی خدا جو چاہے تو بندے کا کیا چلے

کہہ بیٹھیو نہ درد کہ اہل وفا ہوں میں
اس بے وفا کے آگے جو ذکر وفا چلے

---

۱۱۱ - اثر ، میر محمد

سخن ور بہتر ، میر محمد تخلص اثر ، برادر[۲] و سجادہ نشین میر درد ۔ یہ اشعار اُن سے یادگار :

کب کب تری گلی میں ہم بے قرار آئے
سو بار جی نے چاہا تب ایک بار آئے

تیرے کوچہ میں دوبارا خوب ہم ہو کر چلے
ڈھونڈنے آئے تھے دل کو جان بھی کھو کر چلے

۲۔ برادر اور شاگرد اور سجادہ نشین میر درد کے ۔ من کلامہ ۔

کوئی کھاتا تھا دغا جھوٹی مدارات سے میں
آ پھنسا دام میں کیا جانیے کس گھات سے میں

سختِ ناچار ہے تقدیر کے ہاتھوں بندہ
ورنہ یوں باز رہوں تیری ملاقات سے میں

جی میں ہے از سر نو ظلم ترے یاد کریں
تو سنے یا نہ سنے نالہ و فریاد کریں

ہم اسیروں کی اسے چاہیے خاطر داری
اور الٹی نہ کہ ہم خاطر صیاد کریں

۱۱۲- رنج ، سید محمد نصیر

سخن سنج ، میر محمد نصیر[1] تخلص رنج ، نواسہ[2] میر درد ـ یہ دو بیت اس سے یادگار :

خط دیکھ کر ادھر تو مرا دم الٹ گیا
قاصد اُدھر بہ دیدۂ پر نم الٹ گیا

کان کا موتی نہیں عاشق کا اشک
سرد مہری سے تری یوں جم رہا

---

۱۱۳ ـ الم ، صاحب میر

خوش تقریر ، مرد بے غم ، صاحب میر تخلص الم ، خلف

۱- نسخۂ انجمن میں "نظیر" ہے جو غلط ہے ـ (مرتب)
۲- نبیرہ ـ

میر درد ۔ کبھی' کبھی کوئی رباعی کہتے تھے ۔ منہ :

رباعی

نے دل کو قرار بے قراری کے سبب
نے چشم میں خواب اشک باری کے سبب

واقف نہ تھے ہم تو ان بلاؤں سے کبھی
یہ کچھ دیکھا سو تیری یاری کے سبب

سودا کب تھا اسے یہ کب تھی وحشت
بس دیکھ مجھے ہوا پریشاں حالت
زلفوں کے دام میں الم سے آزاد
آ کر پھنس جائیں یوں خدا کی قدرت

---

۱۱۴ ۔ طپش ، محمد اسماعیل عرف مرزا جان

سودائے شعر سے خاطر اس کی مشوش ، محمد اسماعیل عرف مرزا جان تخلص طپش ، اولاد سے سید جلال بخاری کی تھا ۔ ابتدا میں محمد یار بیگ سائل کا شاگرد ، بعد اس کے خواجہ میر درد کا ہوا ۔ منہ[۲] :

رشک سے تیرے لعل گل گوں کے
غنچے پیاسے ہیں اپنے ہی خوں کے

اس گلشن جہاں میں جو آیا سو داغ ہے
گلچین روز گار سے کس کو فراغ ہے

۱۔ دو رباعی اُس سے یادگار ۔
۲۔ منکلامہ ۔

برگز نہ سلاسل سے ہو تسخیر ہماری[1]
جوں زلف بتاں چاہیے زنجیر ہماری

کچھ تیرے سلیقے سے پھنسے ہم نہیں صیاد
لائی ہے ہمیں دام میں تقدیر ہماری

دشنام کا نہیں کبھی انعام کا نہیں
خود کام وہ مرا تو کسی کام کا نہیں

دینے لگے طپش جو دل ان کو تو بول اٹھے
رہنے دو اپنے پاس کسی کام کا نہیں

خاک سے جام کیا جام کو پھر خاک کیا
تو نے کیا کیا نہ کچھ اے گردش افلاک[2] کیا

کس کی طرف سے آج طپش تجھ کو یاس ہے[3]
سچ کہہ ہمارے سر کی قسم کیوں اداس ہے

خدا کسی کو نہ آزار عشق دیوے یار
کبھی ہمیں بھی یہی عارضہ تھا اب سے دور

ہے فدا جب سے دیکھ کر یہ طپش
خال کا تیرے گال پر نقطہ

جن دنوں میں کہ تھا یہ تیرا سبق[4]
دال خالی ہے ذال پر نقطہ

۱۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۲۔ نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے ''ایام'' ۔ (مرتب)
۳ ، ۴۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

کبھی تو پاؤں کی ٹھوکر سے ہم بھی آشنا ہوتے
اگر خوابیدہ کوچے میں ترے جوں نقش پا ہوتے

ترا وہ نامہ جو تھا ہم نے کر رکھا تعویذ[۱]
سو بعد مرگ ہوا وہ بھی قبر کا تعویذ

ترے شہید کے اسباب غم نظر آئے
شب فراق کے کالے علم[۲] نظر آئے

ق

وا حسرتا کہ پہنچے جو ہیں تا سواد شام[۳]
بولا یہ ساربان سیہ دل پکار کے
او نا مراد ناقۂ لیلیٰ نہیں ہے یہ
آتا ہے کس امید پہ پیچھے قطار کے

---

۱۱۵ ـ ہدایت ، ہدایت خان

سرو جوئے بار موزونیت ، ہدایت خاں تخلص ہدایت ـ معاصر و[۴] ہم طرح محمد قایم ـ شاگرد میر درد ـ (من کلامہ) :

تجھ بن تو چاہتا نہیں جی سیر باغ کو
لگتی ہے ٹھیس نکہت گل سے دماغ کو

۱ـ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ـ (مرتب)
۲ـ نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے ''الم'' ـ (مرتب)
۳ـ شہر ـ ۴ـ اور ـ

دیکھا نہ دور سے بھی میں روئے چمن کبھی[1]
آنکھوں سے میری رخنۂ دیوار ہے بھلا

رہا مرتے مرتے مجھے غم اسی کا
نہیں بعد میرے کوئی بے کسی کا
کیا حسن سے اپنے آگاہ اس کو
الٰہی ہو خانہ خراب آرسی کا

ٹھیر چکی تھی جی پہ یہ[2] جاؤں نہ کوئے یار میں
آہ پر اس کو کیا کروں دل نہیں اختیار میں

بے آب و دانہ مرتے ہیں ان کا ثواب لے
ظالم خبر اسیروں کی اپنے شتاب لے

مرتا ہے اس کی چشم سیہ فام کے لیے
دل میرا ہے دو نیم دو بادام کے لیے

انجام کار دل کا ہدایت میں کیا کہوں
آنسو کی بوند ساتھ لہو کے ٹپک گئی

نالے سے میرے اور تو اب چاہتا ہے کیا
پانی تو کر دیا ہے دل کوہسار کو

---

۱۱۶ - محشر، مرزا علی نقی

شاعر خود تکر، مرزا علی نقی تخلص محشر، بزرگ اس کے

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۲- یوں -

اہل خطہ اور آپ ہند کا پرورش یافتہ ۔ دود[1] دعویٔ شاعری دماغ میں پیچیدہ ، قدم راہ صواب[2] سے کشیدہ تھا ۔ دل احباب اس کی یاوہ‌گوئی سے نفور ، میر درد کا شاگرد مشہور ، یہ شعر اس سے یادگار :

جاں منتظر ہے آنکھوں میں وقت رحیل ہے
جلدی پہنچ کہ تیرے ہی آنے کی ڈھیل ہے

دور میں اس چشم کے گردش سے آسائش نہیں
کس گھڑی کس دم نئے فتنے کی فرمائش نہیں

---

۱۱۷ ۔ حضور ، لالہ بال مکند

شعرائے دہلی میں معروف و مشہور ، لالہ بال مکند تخلص حضور ۔ شاگرد میر درد ، یہ[3] دو شعر اس کے ہیں :

وفا کو تم ستم[4] سمجھے ستم کو ہم کرم سمجھے
ادھر کچھ جی میں تم سمجھے ادھر کچھ دل میں ہم سمجھے

چلے ہو تم جو اب اس بت سے ساز کرنے کو
حضور[5] پاس بھی ہے کچھ نیاز کرنے کو

---

۱۱۸ ۔ فراق ، ثنا اللہ خاں

مجمع الطاف و (معدن) اشفاق ، ثنا اللہ خاں تخلص فراق ، پختہ‌کار ،

۱۔ دعویٔ شاعری ۔ ۔ ۔ ، پیچیدہ ، قدم ، ، ، ، کشیدہ ۔ دل ، ، ، ،
۲۔ دونوں نسخوں میں "ثواب" ہے ۔ (مرتب)
۳۔ یہ اس سے مشہور ۔ ۴۔ جفا ۔
۵۔ حضور پاس بھی کچھ ہے نیاز کرنے کو ۔

شیریں گفتار ، شاگرد[1] میر درد ، یہ شعر اس کے یادگار :

خنجر لو ہاتھ میں نہ میاں تم کٹار لو
اس صید نا تواں کو نگاہوں میں مار لو

یاران عدم کو کوئی کہہ دو کہ سدہاریں
ہم پیچھے چلے آتے ہیں ہم کو نہ پکاریں

کس زلف کا شیدا ہے مرا دل نہیں معلوم
کس چشم کا زخمی ہے یہ بسمل نہیں معلوم

ہر غنچے میں بو ہے تری ہر گل میں ترا رنگ[2]
تس پر بھی تری شکل و شمائل نہیں معلوم

سمجھانے کسی کے یہ سمجھتے نہیں بے خود
کیوں پاؤں میں پڑتی ہے سلاسل نہیں معلوم

کروں کیا[3] وصف میں صیاد تیری خوش نگاہی کا
ہر اک دام نگہ میں جال ہے کیا پشت ماہی کا

متاع دل فراق ارزاں ہے یوں بازار خوباں میں
کہ جیسے مال بکتا ہو کسی مفلس سپاہی کا

آنکھوں نے جو اس شوخ سے یاں راہ نکالی
ساتھ اپنے ڈبویا مجھے کیا چاہ نکالی

۱- شاگرد رشید خواجہ میر درد - یہ اشعار اس سے یادگار -
۲- یہ اور اس کے بعد کا شعر نسخہ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۳- کا -

گو جان سے جاوے تو فراق اس کے الم میں
پر دیکھیو تو نے جو کبھی آہ نکالی

---

۱۱۹ - وصال ، نصر اللہ خان

سخن سنج[۱] بے مثال ، نصر اللہ خان تخلص وصال ، خلف[۲] اور شاگرد ثنا اللہ خان فراق - منہ ؛

آینہ گھورنے کو سب سے نرالا نکلا
منہ تو دیکھو یہ بڑا چاہنے والا نکلا

---

۱۲۰ - بیدار ، میر محمدی

چشم مست کا بیمار ، میر محمدی تخلص بیدار ، شاگرد ثنا اللہ خاں فراق - من کلامہ[۳] ؛

ہم پہ سو ظلم و ستم کیجیے گا[۴]
ایک ملنے کو نہ کم کیجیے گا
گر یہی زلف یہی مکھڑا ہے
غارت دیر و حرم کیجیے گا

۱- سخن‌ور ۔
۲- پسرو شاگرد فراق ، یہ اُس سے یادگار ۔
۳- یہ اس سے یادگار ۔
۴- نسخۂ انجمن میں اس زمین میں ایک شعر ہے جو پہلے شعر کے مصرع اول اور دوسرے شعر کے مصرع ثانی پر مشتمل ہے - یہ سہو کتابت ہے ۔ (مرتب)

قابل مقام کے نہیں بیدار یہ سرا
منزل ہے دور خواب سے آٹھ دن تو ڈھل گیا

صبا کوچے میں تیرے اس لیے ہر صبح آتی ہے
کہ تیری بو سے جا گلشن میں پھولوں کو بساتی ہے

جان تک تو نہیں ہے تجھ سے دریغ
اے میں قربان کیوں تو برہم ہے
گاہ روتا ہے گاہ ہنستا ہے
عاشقی کا بھی زور عالم ہے

سلام بھی ہے زمانے میں اور دعا بھی ہے
ہمارے یار نے قاصد سے کچھ کہا بھی ہے

جس دن تم آکے ہم سے ہم آغوش ہو گئے
شکوے جو دل میں تھے وہ فراموش ہو گئے

مان کہنے کو نہ جا چھوڑ کے اس وقت مجھے
بات رہ جائے گی اور دن تو گزر[1] جاتے ہیں

تیری[2] ہم خاطر نازک سے حذر کرتے ہیں
ورنہ یہ نالے تو پتھر میں اثر کرتے ہیں

۱- . . . . گزر جائیں گے -
۲- ہم تری خاطر . . . . . .

جانیں[1] مشتاقوں کی لب پر آئیاں
بل بے ظالم تیری بے پروائیاں

---

۱۲۱ - شیدا [خواجه هینگا]

موزون الطبع ، ذہن کا رسا ، نام فراموش ، تخلص شیدا ، شاگرد[2] میر مہدی بیدار ، یہ شعر اس سے یادگار :

لے کے دل اے بے وفاؤ کیوں قسم کھاتے ہو تم
ہم وفاداروں کے آگے سے کہاں جاتے ہو تم

اک نرالے شہر میں بانکے تمھیں پیدا ہوئے
ہر گھڑی تیغ و سپر لے لے کے دھمکاتے ہو تم

---

۱۲۲ - مقبول ، مقبول علی خان

مرد معقول ، مقبول علی خان تخلص مقبول ، پسر انعام اللہ خان یقین ، شاگرد فراق - من کلامہ :

دل گرفتاری کو اس زلف کی کب چاہے تھا
عشق نے ڈالی ہے پاؤں میں یہ زنجیر بہ زور

---

۱۲۳ - قاصر ، مرزا ببر علی بیگ

طبیعت اس کی حاضر ، مرزا ببر علی بیگ تخلص قاصر ، شاگرد ثنا اللہ خان فراق - (من کلامہ) :

۱- دونوں نسخوں میں "جان" ہے - (مرتب)
۲- شاگرد بیدار ، یہ اس نے مابقا -

یاد کس گل رو کی اس دل کو نزاکت آ گئی
آہ کر سکتا نہیں ایسی نقاہت آ گئی

---

۱۲۴ - قربان ، میر محمدی

تیر خوردۂ کمان ابروئے خوباں ، میر مہدی متخلص[1] بہ قربان ، شاگرد فراق - من کلامہ :

کس کی برگشتہ نگہ کا ہوں میں بیمار کہ آہ
یاں مسیحا کی ہوئی جاتی ہے تدبیر الٹی

---

۱۲۵ - عشق ، میر عزت اللہ

خوش مذاق ، میر غریب[2] اللہ خاں تخلص عشق ، شاگرد ثناءاللہ خاں فراق - من اشعارہ :

ترا اے صانع تقدیر ہم[3] نے کیا بگاڑا تھا
کہ اس نازک بدن کا دل بنایا سنگ خارا سا

سبز خط کی دل سے الفت ہم بھلا سکتے نہیں
جو خدا نے لکھ دیا ہے وہ مٹا سکتے نہیں

بلبل تو عبث پھولے ہے اس گل پہ کہ جس کے
کچھ دل میں مروت ہو نہ آنکھوں میں حیا ہو

۱- . . . تخلص قربان . . . . فراق ، یہ اس سے یادگار۔
۲- دونوں نسخوں میں نام غلط لکھا ہے - (مرتب)
۳- . . . . کیا ہم نے بگاڑا تھا -

چل ساتھ مرے تجھ کو دکھاؤں وہ طرح دار
آنکھوں سے نہ دیکھا ہو نہ کانوں سے سنا ہو

بے تاب[1] نہیں شے کوئی سیماب کی مانند
پروہ بھی نہ ہو گا دل بے تاب کی مانند

۱۲۶ - مسرور ، سنگی بیگ

شاعر نیک ، (کلام اس کا اہل نظر کا منظور ، مرزا) سنگی بیگ تخلص مسرور ، نہایت[2] مشہور ، شاگرد عزت اللہ عشق - من کلامہ :

سدا اس چشم مے گوں سے یہ دل مستانہ رکھتے ہیں
صراحی کی ہوس نے خواہش پیمانہ رکھتے ہیں

۱۲۷ - مسرت ، شیخ وزیر علی

صاحب استعداد و قابلیت ، شیخ وزیر علی تخلص مسرت ، شاگرد[3] عشق - منہ :

اگرچہ[4] روتے روتے پھوٹی آنکھیں
نہ رکھا دیدۂ بیدار پر ہاتھ

۱۲۸ - تحیر ، مصطفی خان

غریق بحر تفکر ، مصطفیٰ خاں تخلص تحیر ، شاگرد ثنا اللہ

۱- بے تاب کوئی شے نہیں سیماب کی مانند ۔
۲- شاگرد عشق ، منہ ۔
۳- شاگرد غریب اللہ (کذا) عشق ، منہ ۔
۴- روتے روتے مری پھوٹی آنکھیں
نہ رکھا دیدۂ بیدار پہ ہاتھ

خاں فراق، منہ :

فکر اطفال کو ہے سنگ اٹھا لانے کی
آمد آمد ہوئی شاید ترے دیوانے کی

---

۱۲۹ - رفیق ، مرزا اسد بیگ

قابل اور لئیق ، مرزا اسد بیگ تخلص رفیق ، شاگرد ثنا اللہ (خاں) فراق - من کلامہ :

ہم گھر میں تمھارے کہو کس راہ سے آئیں
دشمن ہیں ہمارے در و دیوار تمھارے

روشن رہے گا داغ دل عاشقاں مدام
مانند نقش پا ترے کوچے میں مر مٹے

---

۱۳۰ - شہرت ، امیر بخش

صاحب عقل و فراست ، امیر بخش تخلص شہرت ، شاگرد فراق ، من کلامہ[1] :

حیرت پڑی ٹپکتی ہے شمع مزار سے
آیینے کو جلا دو ہمارے غبار سے

---

۱۳۱ - قدرت ، قدرت اللہ

قادر موزونیت ، مولوی قدرت اللہ تخلص قدرت ، ساکن اکبر آباد ، شاگرد فراق - (یہ اس سے یاد) :

۱- منہ -

زلفوں میں اگر دل یہ گرفتار نہ ہوتا
یوں روز مرا آہ شب تار نہ ہوتا

---

۱۳۲ - مائل، میر محمدی

شاعر نیکو[1] خصائل، میر محمدی تخلص مائل، شاگرد مولوی[2] قدرت اللہ - منہ :

کیا کیا کہوں میں تجھ سے دل زار کی ہوس
مشہور ہے جہان میں بیمار کی ہوس

---

۱۳۳ - آشفتہ، عظیم الدین خان

طبیعت کا شگفتہ، عظیم الدین خان عرف بھورے خان تخلص آشفتہ، شاگرد میر محمدی مائل - منہ[3] :

برگشتہ بخت ہم سے دیکھے ہیں کم کسی نے
جب ہم ہوئے مقابل وہ منہ کو موڑ بیٹھے

دیوانگی ہماری ہر لحظہ یاں ہے تازہ
شیدا ہیں اس پری کے ہم گرچہ مدتوں سے

نبی کو خاطر اصحاب کیوں نہ ہو منظور
کہ زیب و زینت مجلس[4] ہے چار یاروں سے

۱۔ نیک ۔

۲۔ . . . مولوی قدرت ، یہ اس سے یادگار ۔

۳۔ یہ اس سے یادگار ۔ ۴۔ محفل ۔

۱۳۴ - شیفتہ ، حافظ عبدالصمد

شاہد معنی کا فریفتہ ، حافظ عبدالصمد تخلص شیفتہ ، شاگرد بھورے خاں آشفتہ - من اشعارہ[1] :

بے سبب کاکل مشکیں پہ[2] یہ شانہ کیا تھا
منہ چھپانا تھا اگر تو یہ بہانہ کیا تھا

---

۱۳۵ - شگفتہ ، بدھ سنگھ

خامہ اس کا فولاد ، بدھ سنگھ تخلص شگفتہ ، (قوم) حداد[3] ، شاگرد بھورے خاں آشفتہ - منہ[4] :

پروانہ وار جل[5] کر گو خاک ہو گئے ہم
پر شمع رو نہ چوکا اپنی شرارتوں سے

---

۱۳۶ - حکیم ، محمد پناہ علی خان

عقیل[6] و فہیم ، محمد پناہ (علی) خاں تخلص حکیم ، شاگرد[7] خواجہ

۱- منکلاسہ -   ۲- میں -
۳- نسخہ انجمن میں سہو کتابت سے "ہداد" - (مرتب)
۴- من اشعارہ -   ۵- جل کے -
۶- نسخہ انجمن میں ترجمہ حکیم ، قربان کے بعد اور عشق سے پہلے ہے - نیز شگفتہ کے بعد شاہ نصیر اور ان کے سلسلے کے شعرا اور بعض دیگر شعرا کے تراجم ہیں ، لیکن نسخہ پٹنہ میں ترتیب مختلف ہے - یہاں نسخہ پٹنہ کی ترتیب قائم رکھی گئی ہے - (مرتب)
۷- ابتدا میں تخلص اس کا نثار تھا ، جب خواجہ میر درد کے بعد شاگرد فراق کا ہوا ، حکیم تخلص کیا - سنکلاسہ -

میر درد ، پہلے تخلص نثار بعد حکیم ۔ منہ :

کہتے ہیں حکیم آیا بت خانے سے مسجد میں
ہم کو تو تعجب ہے وہ گبر مسلماں ہو

تیرے لیے خلق در بدر ہے
اے خانہ خراب تو کدھر ہے

---

۱۳۷ ۔ ملول ، عارف اللہ شاہ

کلام[1] اس کا مطبوع و[2] مقبول ، عارف اللہ شاہ تخلص ملول ، فارسی میں الہام ۔ فارسی گویان لکھنؤ کو شاگردی پر اس کی افتخار[3] ، یہ اشعار اس سے یادگار :

قدر کچھ تو نے نہ جانی گو[4] برے یا نیک تھے
ناز برداروں میں تیرے ہم بھی ظالم ایک تھے

نگہ وہ شوخ کہ طعنے کٹار پر مارے
مژہ وہ تیز کہ خنجر کو دھار پر مارے

چھٹے عذاب جدائی سے کاشکے گردن
کوئی ملول کی[5] اس رہ گزار پر مارے

۱۔ نسخۂ انجمن میں حاشیے پر یہ عنوان لکھا ہے ۔ ''سلاطین ممالک گفتگو ، شعرائے دارالسلطنت لکھنؤ و توابع آں ۔''

۲۔ اور ۔ ۳۔ نازش تمام ۔

۴۔ یا ۔

۵۔ نسخۂ انجمن میں حاشیے پر لفظ ''کو'' صحیح بتایا گیا ہے جو معنوی اعتبار سے تو درست ہے لیکن اس طرح اس مصرعے سے متعلق بیان کردہ لطیفہ بے معنی ہو جاتا ہے ۔ (مرتب)

کہتے ہیں عیش باغ میں یہ مشاعرہ تھا ، نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر بہ سبب شوق اور تقاضائے جوانی کے اس صحبت میں رونق افزائے صدر تھے - جب شاہ ملول نے یہ مقطع پڑھا ، فرمایا کہ مصرع (آخرکو) پھر پڑھو - چند بار پڑھوایا اور متبسم ہوئے -

---

۱۳۸ - قرار ، جان محمد

آصف[1] الدولہ بہادر کا چوب دار ، جان محمد تخلص قرار ، شاگرد شاہ ملول - چوں کہ پیشہ چوب داری کا رکھتا تھا ، پیغام و سلام کا پہنچانا کہ خاصہ اس مردم کا ہے موجود :

ہے ناز سے اس کے یہی پیغام قضا کا
کیوں نام کیا آپ نے بدنام قضا کا

---

۱۳۹ - لطف ، مرزا علی

خوش فکر اور منتہی ، لطف[2] تخلص نام مرزا علی ، شاگرد شاہ ملول - یہ شعر اس کے مطبوع و مقبول :

وہ زلف ہے یا قہر کی شب کچھ نہیں معلوم
مکھڑا ہے الہی کہ غضب کچھ نہیں معلوم

خاموشی ہماری کے تئیں سحر ہی سمجھو
گو ہم کو لگا لینے کا ڈھب کچھ نہیں معلوم

۱- جان محمد تخلص قرار ، آصف الدولہ بہادر کا چوب دار ، شاگرد شاہ ملول - چونکہ سلام و پیغام کا پہنچانا خاصہ اس مردم کا ہے ، اس کے کلام میں موجود -

۲- مرزا علی تخلص لطف ، شاگرد شاہ ملول ، کلام اس کا مطبوع اور مقبول -

آپ[1] تو بات میں بگڑتے ہیں
واہ کیا منہ سے پھول جھڑتے ہیں
کوئی زخم اور بھی کہ او قاتل
کب سے ہم ایڑیاں رگڑتے ہیں

کھل گیا اب یہ کہ وصل اس کا خیال خام تھا[2]
آج امیدوں کا دل ہی دل میں قتل عام تھا

روز اے[3] جان جہاں آنے کو فرماتے رہے
روز واں آتا رہا یاں جی سے ہم جاتے رہے
نامہ دے کہہ دیجیو اتنا زبانی نامہ بر
لطف جی سے جا چکا تم آج تک آتے رہے

(سینکڑوں گل ہوئے خوش رنگ چمن میں کھل کے
آخرش خاک ہوئے خاک میں سب رل مل کے
جس گھڑی یار مرا مجھ سے جدا ہونے لگا
روئے ہم خوب طرح اس کے گلے مل مل کے
لطف یہ شعر کہا جس نے عجب شاعر تھا
جس کے سننے سے ہوئے ٹکڑے ہزاروں دل کے
آہ کیدھر کو چلے جاتے ہو چھوڑے تنہا
ہم رہو! ہم بھی مسافر ہیں اسی منزل کے)

۱- اب تو ہر بات میں . . . . .
۲- نسخۂ انجمن میں ردیف ''ہے'' - (مرتب)
۳- وہ -

رباعی

جو کوئی کہ آفت نہانی مانگے
اور ملک عدم کی کچھ نشانی مانگے
دکھلا دے اسے تو اپنی شمشیر نگاہ
جس کا مارا کبھی نہ پانی مانگے

---

۱۲۰ ـ آشفتہ ، مرزا رضا قلی

فکر علائق سے وارستہ ، مرزا رضا قلی تخلص آشفتہ ، (شاگرد ملول) ـ یہ[1] اشعار اس سے یادگار :

یہ جوش غم ہے کہ سینے میں دل ابلتا ہے[2]
نہ رکھو ہاتھ کلیجے پہ میرے جلتا ہے
کسی کے کان کا در دیکھا تو نے آشفتہ
جو اشک آنکھ سے موتی سا تیرے ڈھلتا ہے

وہ رشک مہر جو عالم میں بے نقاب پھرے
پھر اس چمک سے نہ گردوں پہ آفتاب پھرے
گئے تھے گل مجھے بٹھلا کے میں یہ آتا ہوں
میں[3] ان کے آنے کے صدقے بہت شتاب پھرے

لڑنے کو رات اس سے میں غصہ میں لڑ لیا
پر جب وہ اٹھ گیا تو[4] کلیجہ پکڑ لیا

۱- منہ ـ
۲- اس زمین کے دونوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ـ (مرتب)
۳- میں ان کے صدقے وہ جا کر بہت شتاب پھرے ـ
۴- میں ـ

نہ جانے کیوں کہ بصارت وہ چاند سا مکھڑا
نظر پڑا نہیں مجھ کو کئی مہینے سے

چلا ہے کعبے کو **آشفتہ** پارسا بن کر
خدا جو بیٹھے بٹھائے اسے خراب کرے

۱۴۱ ۔ برشتہ ، میاں مشرف

مردم اور خصال اس کے فرشتہ ، میاں مشرف تخلص برشتہ شاگرد آشفتہ ، یہ[1] سب اس سے یاد :

رشتہ توڑا **برشتہ** الفت کا
دیکھ[2] اس نے شکستہ حال ہمیں

۱۴۲ - سوز ، میر محمد

شاعر ادا بند ، سید ارجمند ، خوش لہجہ ، سخن ور با مزہ ، شمع شبستان افروز ، میر محمد متخلص بہ سوز ۔ اول میر تخلص کرتے تھے جب محمد تقی میر کی شہرت ہوئی ، میر قدیم نے سوز تخلص کیا ، الزام کس و ناکس اس مرد آزاد نے اپنے سر پر نہ لیا ۔ طرز کا اپنی استاد ، باوجود گرفتاریٔ علائق کے آزاد ۔ طرز اس کے سخن کی سہل الممتنع ، سوائے شعر و شاعری کے اور علم و ہنر اس میں جمع ۔ درویش روشن ضمیر ، تیر اندازی[3] اور شہسواری میں

۱- من کلامہ ۔ ۲- دیکھا ۔
۳- تیر اندازی میں قادر ، سواری اسپ [میں] بے نظیر ۔ مشہور بہمہ دانی . . . .

بے نظیر ۔ خط نستعلیق شفیعا میں صاحب قلم اور کلمۂ الجر کے کہنے میں علم ۔ خندہ رو ، شگفتہ پیشانی ، مشہور ہمہ دانی ، شعر خوان با ادا ، صورت میں معنی آشنا تھا ۔ نواب آصف الدولہ بہادر کے اجلاس[1] کی تہنیت میں جب یہ رباعی اس نے کہی ۔

رباعی

خالق کہ بخلق زندگانی دادہ
دنیا بہ فلانی و فلانی دادہ
ہر چند اجارۂ قضا و قدر است
الحال جہاں را بہ امانی دادہ

صاحب زادگی میں نواب کو مرزا امانی کہتے تھے ، اس[2] رباعی کی مرزا سودا نے نہایت تعریف کی اور الحق یہ رباعی تعریف کے قابل ہے ۔ اور میر سوز صاحب حریف و ظریف[3] ایسے تھے ، ایک شخص نے سوز پر مرکز دے کر ان سے پوچھا یہ کیا لفظ ہے ۔ کہا[4] سوز تھا کسی نا معقول نے گوز کیا ۔ عمر[5] ہشتاد سال ہوئی ، پھر انتقال کیا (یہ تاریخ انتقال جرأت کی کہی ہوئی ۔ ع

داغ اب سوز کا لگا دل کو)

شیخ[6] امام بخش ناسخ نے تاریخ جو ان کی وفات کی کہی ، وہ یہ ہے :

۱۔ نسخۂ انجمن میں سہو کتابت ہے ''اخلاص'' ۔(مرتب)
۲۔ رفیع السودا نے اس رباعی کی تعریف نہایت کی ۔
۳۔ . . . ظریف تھے ایسے بھی کہ ایک شخص . . .
۴۔ فرمایا کہ سوز . . . .
۵۔ عمر ان کی ہشتاد سال ۔
۶۔ ناسخ نے تاریخ رحلت ان کی یہ کہی ہے ۔

اٹھ گیا میر سوز دنیا سے
ہائے صاحب کمال واویلا
سال تاریخ ہے یہی ناسخ
شاعر بے مثال واویلا

یہ[1] کلام اس بزرگوار سے یادگار:

اشک خوں آنکھوں میں آکر جم گئے
دور کے بھی دیکھنے سے ہم گئے
شبنم آسا گلشن دنیا میں آ[2]
سوز ہم با دیدۂ پرنم گئے

کشور دل میں نہیں کوئی کہ آباد رہے
یوں اجاڑا ہے اسے تم نے بھلا یاد رہے

شہد میں جیسے مگس ہم حرص میں پابند ہیں[3]
وائے غفلت اس سیہ زنداں میں یوں خورسند ہیں
رزق کا ضامن خدا شاہد کلام اللہ ہے
تو بھی اپنی صورتوں سے روز حاجت مند ہیں

تو ہم سے جو ہم شراب ہو گا
عالم کا جگر کباب ہو گا
ڈھونڈے گا سحاب چھپنے کو مہر
جس روز وہ بے نقاب ہو گا

۱۔ من کلامہ۔ ۲۔ آہ۔
۳۔ اس زمین کے دونوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں۔(مرتب)

اہل ایماں سوز کو کہتے ہیں کافر ہو گیا
آہ یا رب راز دل ان پر بھی ظاہر ہو گیا

مجھے گر حق تعالیٰ عشق میں کچھ دسترس دیتا
تو دل ان بے وفاؤں کو کوئی میں اپنے بس دیتا
قسم ہے سوز گر وہ قتل کرتا اپنے ہاتھوں سے
تو جی دیتے ہوئے بھی صورت اس کی دیکھ ہنس دیتا

رات آنکھیں تھیں مندیں پر بخت ٹک بیدار تھا[1]
تا سحر دل محو دیدار خیال یار تھا
سوز کیوں آیا عدم کو چھوڑ کر دنیا میں[2] تو
واں تجھے کیا تھی کمی یاں تجھ کو کیا درکار تھا

اگر کچھ **سوز** نے پایا تو بت خانے کی خدمت سے
حرم کے در پہ ورنہ بارہا سر مار مار آیا

غم ہے یا انتظار ہے کیا ہے
دل جو اب بے قرار ہے کیا ہے
وائے غفلت نہ سمجھے دنیا کو
یہ خزاں یا بہار ہے کیا ہے
قفس تن تو جل کے راکھ[3] ہوا
آہ ہے یا شرار ہے کیا ہے

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں۔ (مرتب)
۲- سے۔ ۳- خاک۔

کچھ تو پہلو میں ہے خلش دیکھو
دل ہے یا نوک خار ہے کیا ہے
کھینچ کر تیر مار بیٹھے بس
سوز ہے یا شکار ہے کیا ہے

تھرتھراتا ہے آج تک خورشید
روبرو تیرے آ گیا ہو گا

مسی پر سرخیٔ پان دیکھ میری عقل بھولی ہے
کہ ہے خورشید تاباں تس پہ ایسی شام پھولی ہے

منہ دیکھو آینے کا تری تاب لا سکے
خورشید پہلے آنکھ تو تجھ سے ملا سکے
(تصویر تیری کھینچے مصور تو کیا مجال
دست قضا تو پھر کوئی ایسی بنا سکے)

پرکار کی روش چلے ہم جیسے چل سکے[1]
اس گردش فلک سے نہ باہر نکل سکے
دریا بھی تھم گیا ترے غصہ کے خوف سے
تھی چشم ڈبڈبائی پر آنسو نہ ڈھل سکے

غم عاشق سے کون محرم ہے[2]
محرم عشق خلق میں کم ہے

۱- اس زمین کے دونوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

نتھ کے موتی پکارتے ہیں پڑے[1]
تیرے عاشق کا ناک میں دم ہے

لوگ کہتے ہیں مجھے یہ شخص عاشق ہے کہیں
عاشقی معلوم لیکن دل تو بے آرام ہے

دامن تلک تو تیرے کہاں دسترس مجھے
تیری گلی کی خاک بھی ہوں تو ہے بس مجھے
کیا آمد بہار ہے اس غل کو پوچھیے[2]
اے وائے سوجھتا نہیں چاک قفس مجھے

سرشک شمع آخر شوق محفل ایک دن ہو گا
یہ آنسو رفتہ رفتہ جمع ہو دل ایک دن ہو گا[3]
تجھے اے دل بغل میں محنتوں سے میں نے پالا تھا
نہ جانا تھا کہ تو میرا ہی قاتل ایک دن ہو گا

آتا ہے وہ جفا جو تیغ ستم کشیدہ[4]
دامن بہ دست چیدہ ابرو بہم کشیدہ
صورت گر قضا نے تجھ سا کوئی نہ کھینچا
ہاں حسن ماہ کہیے سو ہے قلم[5] کشیدہ

۱- . . . . پکارتے ہیں یہی -
۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۳- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے یہ مصرع اس طرح درج ہے :
یہ آنسو رفتہ رفتہ جمع ہو کر ایک دل ہو گا - (مرتب)
۴- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۵- الم کشیدہ -

غرور حسن ہے تجھ کو تو مجھ کو تمکیں ہے[1]
تو سنگ دل ہے تو میری بھی آہ سنگیں ہے

اگر رحیم ہے تو میں بھی ایک عاصی ہوں
جو تیغ زن ہے تو میری طرف سے تحسیں ہے

تو عشق ہے تو میں دل ہوں تو درد ہے تو میں سوز
تو کوہکن ہے تو مجھ پاس جان شیریں ہے

کسی طرح ترے دل سے حجاب نکلے گا[2]
مرے سوال کا منہ سے جواب نکلے گا

امیدیں دل کی اپنے بھر پائیں میں نے لیکن[3]
اے سوز بعد مرگ تو اب مدعا ہے یہ

دامن کشاں وہ لاش پہ آکر مری کہے
ہے ہے کسی کے پیچھے ترستا ہوا ہے یہ

سنے ہے سوز تو ملنے کا قصد مت کر یار
اٹھا سکے گا کوئی ناز بے دماغوں کا[4]

تو جو پوچھے ہے کہ تیرا دل بتا کس نے لیا
بس حیا آتی ہے مجھ کو مت بکا کس نے لیا

۱- نسخۂ انجمن میں اس شعر کا دوسرا مصرع یوں درج ہے: توسنگ دل ہے تو میری طرف سے تحسین ہے - جو ظاہر ہے کہ سہو کتابت ہے - اس زمین کے باقی دو شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۳- دونوں نسخوں میں یہ مصرع اسی طرح ہے - (مرتب)

۴- یہ اور اس کے بعد کا شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

رباعی

بس سوز سنبھل یہ آہ و زاری کب تک
بس ہاتھ نہ مل یہ بے قراری کب تک
آپی عاشق ہے اور آپی معشوق
پردے سے نکل یہ شرم ساری کب تک

---

۱۴۳ ۔ رند ، مہربان خان

داخل جرگۂ سرداران ہند ، مہربان خان متخلص[1] بہ رند ، متبنیٰ نواب احمد خان بنگش ۔ مالک سرکار فرخ آباد ، علم و ہنر میں وہ استاد ، ہنر موسیقی میں بے نظیر[2]، رتبۂ شعر میں دل پذیر تھا ۔ مال شائیگاں اس شوق میں صرف کیا ، شاعروں کو بہت[3] سا کچھ دیا لیا ۔ میر سوز اور مرزا سودا صیغۂ شاعری[4] میں نوکر اور دار و مدار استادی میر سوز پر مقرر ۔ چنانچہ مرزا رفیع نے[5] مثنوی کہ اس کے دیوان کی تعریف میں کہی ہے ، اس میں یہ شعر ہے :

اپنے استاد کو غنیمت جان
کہیں[6] ملتے ہیں سوز سے انسان

۱۔ تخلص رند ۔
۲۔ . . . . . میں بے مثال ، شاعر خوش خیال تھا ۔
۳۔ . . . . بہت سا دیا ۔
۴۔ . . . . . شاعری میں اس کی سرکار میں نوکر ، اصلاح اس کے شعر کی میر موصوف پر مقرر ۔
۵۔ .... نے کہ اس کے دیوان کی تعریف میں مثنوی کہی ہے ۔ اس ....
۶۔ پھر ملیں گے نہ سوز سے انسان ۔

رند کا دیوان مولف کی نظر سے گزرا ہے ، سلاست اس کے کلام جنوں خیز (کی) سودا سے ہم سلسلہ ہے مگر اکثر وہی غزلیں میر سوز صاحب کے دیوان میں موجود اور نام رند کا ان میں سے نابود ، یہ نہ چاہیے ، جو چیز بالعوض[1] گئی ہو اس کا دعویٰ انصاف سے بعید ہے - واللہ اعلم بالصواب - یہ مہربان خاں رند کا انتخاب :

جب لبوں پر یار کے مسی کی دھڑیاں دیکھیاں
جوں زحل کی ساعتیں اس دل پہ کڑیاں[2] دیکھیاں

جب یار نے اٹھا کر زلفوں کے بال باندھے
سودائیوں نے دل میں کیا کیا خیال باندھے

تیرے ہی سامنے کچھ چوکے ہے تیر نالہ
ورنہ نشانے اس[3] نے مارے ہیں بال باندھے

دام کچھ **رند** کے ہیں پرگنۂ زلف کے بیچ
شانے کے پاس اجارے ہے وہ حاصل بھر دے

ورنہ وہ باندھ کے لے گا کہ یہی ہے معمول
یک سرمو بھی ہو نقصان تو عامل بھر دے

یا رب کہیں سے گرمیٔ بازار بھیج دے
دل بیچتے ہیں کوئی خریدار بھیج دے

دیتے ہیں عقد حسن میں عاشق عروس جاں
آتا نہیں تو آپ تو تلوار بھیج دے

۱- . . . . بالعوض ہو ، دعویٰ اس کا انصاف سے بعید ہے - منکلام مہربان خاں رند -

۲- . . . . گھڑیاں دیکھیاں -   ۳- ہم نے -

ہم کو نہ کچھ سیم نہ زر چاہیے
لطف کی اک تیری نظر چاہیے
کس کے لیے تیغ خریدی میاں
باندھنے کو بھی تو کمر چاہیے

خونِ عشاق سے بھر لے تو پیارے دامن
روز محشر ہے ترا ہاتھ ہمارے دامن

ہے تری جان کا یہی دشمن
رند اس دل کو خوار ہونے دے

---

۱۴۴ - آصف ، نواب آصف الدولہ

وزیر الممالک نواب آصف الدولہ بہادر ، تخلص آصف ۔ (عدالت سے اس کی آہو سے شیر خائف) سخاوت میں حاتم دوراں[1] اور شجاعت میں رستم زماں تھا ۔ ابتدا میں میر محمد علی وہم سے افادت اندوز بعد ازاں میر[2] محمد سوز سے ۔ وہ اشعار کہ نواب نام دار سے یادگار ہیں، یہ ہیں ۔ (سبحان اللہ) :

تجھے غیر سے جب ہم دیکھتے ہیں
نہ دیکھے کوئی جو کہ ہم دیکھتے ہیں
تو جلدی سے آ ورنہ میرے مسیحا
کوئی دم میں راہ عدم دیکھتے ہیں

۱- .... حاتم دوراں ، جواں مردی میں رستم ....
۲- محمد میر سوز ۔

بتوں کی گلی میں شب و روز **آصف**
تماشا خدائی کا ہم دیکھتے ہیں

وحشت بہ کوہ و دشت جو یہ آہ لے گئی
کیا کیا کنوئیں جھکانے تری چاہ لے گئی
کعبے میں بھی گئے تو ہمیں تیری یاد آہ
پھر سوئے دیر ، اے بت دل خواہ لے گئی
آصف چمن میں آتے ہی اس رشک گل کی یاد
کیا جانیے کدھر مجھے ناگاہ لے گئی

جس گھڑی تیرے آستاں سے گئے
ہم نے جانا کہ دو جہاں سے گئے
تیرے کوچے میں نقش پا کی طرح
ایسے[۱] بیٹھے کہ پھر نہ یاں سے گئے

دل تو کہتا ہے یار آتا ہے
پر مجھے کب قرار آتا ہے
میں کروں گا ترا گلہ ، تجھ کو
یہ بھلا اعتبار آتا ہے
خیر ہے **آصف** اس گلی میں آج
دل کو پھر پھر پکار آتا ہے

کس طرح غیر سے ہم تم کو بہم دیکھیں گے
یہ تو ان آنکھوں سے واللہ نہ ہم دیکھیں گے

۱- ایسے بیٹھے نہ پھر وہاں سے گئے .

۱۲۵ - ترقی ، آغا محمد تقی خان

اسد الدولہ[1] آغا محمد تقی خان بہادر فیل جنگ ، امیر با فرہنگ، فیروزۂ معدن نیشا پور ، ترق ان کے مدارج کی سب مشہور ، رئیس با کرم ، سردار با حشم ، شمع انجمن افروز ، ترق تخلص ، شاگرد میر سوز ، من کلامہ :

لے جائے ہے وہ روز نیا صید مار کے
لائق نہیں ہیں آہ مگر ہم شکار کے
اک عمر بعد آئی ہے اب زیر خاک نیند
تربت پہ میری رؤو نہ یارو پکار کے
دیوانہ اب کے دیکھیے ہوتا ہے کون کون
آتے ہیں زور شور سے پھر دن بہار کے
اے گل سنا نہ تو نے مرا حال اور میں
سنتا ہوں تیرے واسطے طعنے ہزار کے
وہ یار جن سے رہتی تھیں دن رات صحبتیں[2]
ملتے نہیں نشان اب ان کے مزار کے
منع فغاں نہ کر تو ترقی کو نا صحا
واقف نہیں ہے غم سے تو اس سوگوار کے

کیا شعاع حسن اس خورشید رو کے تن پہ ہے
پرتوا سا نور کا جو سارے پیراہن پہ ہے

۱- فیروزۂ معدن نیشاپور ، ترق ان کے مدارج کی مشہور ، امیر بافرہنگ ، اسدالدولہ آغا محمد تقی خاں بہادر فیل جنگ ، شمع انجمن افروز ، تخلص ترق ، شاگرد میر سوز ، یہ اشعار اس سے یادگار۔

۲- یہ اور اس کے بعد کا شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

داغ دل روشن رہے گا رات دن مثل چراغ
روشنی کی احتیاج اب کیا مرے مدفن پہ ہے

قتل کی لذت کا کس منہ سے ادائے شکر ہو
حشر تک احسان قاتل کا مری گردن پہ ہے

جرم کچھ ٹھہرا لے قاتل پھر مجھے تو قتل کر[1]
بے گناہی میری ثابت دوست اور دشمن پہ ہے

آتش دل اشک[2] سے سینہ میں بھڑکی اور بھی
اب تو آب چشم[3] کو میرے شرف روغن پہ ہے

ہے ترقی میرے اس سینہ میں وہ آتش نہاں
طعنہ زن جس کا شرر ہر شعلۂ گلخن پہ ہے

گر ایک شب بھی وصل کی لذت نہ پائے دل
پھر تجھ سے کس امید پہ کوئی لگائے دل

اک دل تجھے مدام ستانے کو چاہیے
تیرے لیے کہاں سے کوئی روز لائے دل

پہلو کل اس نے چیرا جو دل کے لیے مرا
جز داغ حسرت اور نہ کچھ تھا بجائے[4] دل

ترغیب دے ہے کس لیے کعبہ کی تو ہمیں
زاہد خدا کا گھر نہیں کوئی سوائے دل

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے ''سنگ'' بجائے ''اشک''- (مرتب)
۳- نسخۂ انجمن میں ''آب اشک'' بجائے ''آب چشم'' - (مرتب)
۴- سوائے دل -

اترا نہ آ کے یاں کوئی جز کاروان غم
ماتم سرا سے کم نہیں یارو سرائے دل
کہتے ہیں درد مند **ترقی** کا حال دیکھ
یارب کبھو کسی پہ کسی کا نہ آئے دل

شکل مجنوں کل جو دیکھی ہم نے تصویروں[1] کے بیچ
ایک مشت استخواں تھی لاکھ زنجیروں کے بیچ
(وہ خماری انکھڑیاں بکھرے ہوئے بالوں میں یوں
جس طرح دو مست جکڑے ہوویں زنجیروں کے بیچ)

دنیا کے جو مزے ہیں ہرگز وہ[2] کم نہ ہوں گے
چرچے یہی رہیں گے افسوس ہم نہ ہوں گے
یاران رفتگاں پر روتے[3] ہو کیا **ترقی**
کیا ہم روانہ سوئے ملک عدم نہ ہوں گے

---

۱۲۶ ۔ سوزاں ، مرزا احمد علی خاں

بلبل خوش آہنگ ، مرزا احمد علی خاں شوکت جنگ، تخلص سوزاں ، خلف نواب مرزا علی خاں ، تربیت[4] یافتہ میر محمد سوز کا تھا۔ یہ اشعار اس سے یادگار :

۱۔ نسخۂ پٹنہ میں اس جگہ ''زنجیروں'' ہے جو ظاہر ہے کتابت کی غلطی ہے ۔ (مرتب)

۲۔ یہ ۔

۳۔ . . . . کیا رووِیں اے ترقی ۔

۴۔ شاگرد میر سوز ۔ یہ کلام اُن کا ہے ۔

مت دل لگا بتوں سے کہنے پہ جا کسی کے
ہرگز ہوئے نہ ہوں گے یہ آشنا کسی کے

خوبی ہے کیا ستم گر اس ہفتہ دوستی میں
اپنا کسی کو کیجے ہو رہیے یا کسی کے

فرقت[1] میں اس کی سوزاں نا حق کو جان دی ہائے
اس لا آبالی کو غم مرنے سے کیا کسی کے

---

۱۴۷ - داغ ، میر مہدی

داغ عشق سے سراپا باغ ، میر مہدی متخلص[2] بہ داغ، نوجوان دل افروز ، خلف اور شاگرد میر سوز ۔ تقاضائے عشق و جوانی سے گرفتار بلائے نا گہانی ، معشوقۂ بازاری پر عاشق اور والۂ محبت صادق ، ترک شہر و دیار خوش آیا ، آخر آخر تپ فرقت نے بستر موت[3] پر اس کو گرایا ۔ رمقے جان باقی تھی کہ خط اس معشوقۂ بے وفا کا آیا ۔ یہ شعر اس کے جواب میں لکھ کر آپ قاصد عدم آباد ہوا :

از جاں رمقے بود کہ مکتوب تو آمد
دیگر چہ نویسم خبرم خوب گرفتی

میر سوز اس کی مفارقت میں یہ شعر پڑھتے تھے اور دیوانہ وار پھرتے تھے :

اے میرے جھنڈولے بالوں والے
آ جا مری منتوں کے پالے

۱۔ فرقت میں اس کی ناحق سوزاں نے جان دی ہے ۔
۲۔ مخلص داغ ۔
۳۔ .... موت پر گرایا ۔

یہ[1] دو شعر اس سوختۂ عشق سے مثل داغ کہن صفحۂ روزگار پر یادگار :

یہ چاہ نہیں بھلی ، بری ہوتی ہے
جی لیتی ہے دوستی بری ہوتی ہے
لگتا ہی نہیں ہے جی کہیں اس بن آہ[2]
سچ کہتے ہیں یہ لگی بری ہوتی ہے

---

۱۴۸ - عیش ، مرزا حسین رضا

کاظم غیظ و طیش ، مرزا حسین رضا تخلص عیش ، شاگرد میر سوز ، یہ اس سے یادگار :

وہ اگر آئے پشت بام کہیں
میں بھی کر لوں اسے سلام کہیں
یہ غزل **عیش** ہے تصدق سوز
مجھ سے ہوتی ہے انصرام کہیں

---

۱۴۹ - ہوش [میر شمس الدین]

نام فراموش ، تخلص اس کا ہوش ، شاگرد میر سوز ، یہ[3] شعر اس سے یادگار :

یار ہنستا ہے چشم تر کو دیکھ
گریہ ٹک اپنے تو اثر کو دیکھ

۱- یہ رباعی اس سوختۂ عشق سے مثل داغ کہن یادگار ہے -
۲- لگتا ہی نہیں ہے جی اب اس بن کہیں آہ -
۳- مئنہ -

دست و پا گم کریں ہیں مو کمراں
نازنیں تیری اس کمر کو دیکھ
تیرے خط کا جواب آیا ہے
ہوش کھول آنکھ نامہ بر کو دیکھ

---

۱۵۰ ـ نوازش ، نوازش حسین خان

خدیو ملک سخن رانی ، نوازش حسین خاں عرف مرزا خانی ، شخص با تحمل ، خلف الصدق حسین علی خاں ابن نواب ناصر خاں صوبہ دار کابل ، تخلص نوازش ، شاعری کو اس پر نازش ـ شاگرد بلکہ قائم مقام میر سوز ، بندہ ان کی ملاقات سے گاہے گاہے بہرہ اندوز ـ ادا بندی[1] کا اختتام، نزاکت شعر خوانی ان پر تمام ، اس کے مقر خاص و عام ـ خود فرماتے تھے کہ میں نے ایک دن شیخ ناسخ سے اپنے باب میں پوچھا[2] کہ آیا میں کیسا کہتا ہوں ؟ شیخ (صاحب) نے کہا (میں قسم کھاتا ہوں اس پر) کہ معاملات کے شعر جیسے تم کہتے ہو دوسرا نہیں کہہ[3] سکتا ـ ایک[4] دن مولف سے کہنے لگے کہ ایک خدمت گار کہ ذرا صورت دار ہو نوکر رکھوا دو ـ میں نے گستاخانہ کہا کہ غرور اپنی صورت کا اسے کاروبار سے باز رکھے گا ، حضرت سلامت کو (دوستوں کے واسطے) حقہ اپنے ہاتھ سے بھرنا پڑے گا ـ

۱ـ نزاکت شعر خوانی ان پر تمام ، ادا بندی کا اختتام ـ
۲ـ استفسار کیا تھا کہ میں . . . . .
۳ـ کہتا ـ
۴ـ باوجود پیرانہ سالی کے شوق جوان اور اس نقل (کذا) بہ طریق صحبت بیان مجھ سے فرمانے لگے کہ . . . . .

فرمایا یہ قبول ہے ، سوہان روح تو نہ ہو گا ۔ چند[1] روز سے بہ سبب خرید کرنے دیہات نیلام کے کان پور میں تشریف رکھتے ہیں، گاہے گاہے لکھنؤ میں بھی آ جاتے ہیں ۔ یہ چند شعر ان کی بیاض سے میاں دل گیر کی معرفت دستیاب ہوئے تھے ، قلمی ہوئے :

نہ خدا تیغ بتوں کو نہ سپر دیتا ہے
قتل کو سیف[2] برہنہ انھیں کر دیتا ہے

اس کے بدلے مجھے برسوں ہی رلاتا ہے فلک
اک گھڑی چین یہ کم بخت اگر دیتا ہے

غیر بیٹھا ہے نہ رو ، کچھ نہ اٹھائے طوفان
کچھ سجھائی تجھے اے دیدۂ تر دیتا ہے

شب ہجراں کی سحر ہی نہیں ہوتی کیا آہ[3]
آج اذاں بھی تو نہیں مرغ سحر دیتا ہے

غیر کے سر کی نوازش جو وہ دیتا ہے قسم
رشک تلوار گلے پر مرے دھر دیتا ہے

(بے جا ہے مری چشم کو چشما نہ سمجھنا
دریا ہے یہ آنسو اسے قطرا نہ سمجھنا

تڑپوں جو شب ہجر تو لرزا تجھے آئے
تاثیر محبت نہیں اچھا نہ سمجھنا

غیروں میں مجھے چشم حقارت سے نہ دیکھو
آنکھوں میں بہت ہوں مجھے تھوڑا نہ سمجھنا

۱- چند روز سے بہ سبب خرید دیہات نیلام کے کان پور میں تشریف رکھتے ہیں ۔ لکھنؤ میں آمد و رفت بہت کم ۔ یہ چند شعر ان کے کہ میاں دلگیر کی معرفت دستیاب ہوئے ہیں ، لکھے جاتے ہیں ۔

۲- تیغ ۔

۳- یہ اور اس کے بعد کا شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

میں تو ہوں سمجھتا انھیں وہ مجھ کو نہ سمجھیں
رکھتا ہے عجب نہ یہ سمجھنا نہ سمجھنا

پھوڑوں میں اگر سر مرض سل تجھے ہو جائے
فرہاد نہ ہوں میں مجھے ویسا نہ سمجھنا

آغا نہ **نوازش** کو نوازش سے کہیں آپ
یہ ہے لقب بندہ تم آغا نہ سمجھنا)

سنگ طفلاں سے لہو کا پیرہن پر رنگ ہے
وحشت انگیز اک مرے دیوانہ پن پر رنگ ہے

کب گیا میں پر شکستہ تا سر دیوار باغ[۱]
مت کہو مجھ سے کہ خوب اب کے چمن پر رنگ ہے

آستیں ہے خوں میں تر یک دست دامن شور بور
چشم بد دور آج تو اس تیغ زن پر رنگ ہے

کس کی چشم مست نے مجلس کی مجلس کی خراب[۲]
ایک ہی صورت کا ساری انجمن پر رنگ ہے

گلوں کا یہ ہاتھوں پہ کھانا جدا ہے
عزیزو محبت کا پانا جدا ہے

سمجھ کر ہنسی مت لگاؤ کہیں دل
نہیں دل لگی ، دل لگانا جدا ہے

یاد ہے تکلیف زنداں ، آہ و زاری یاد ہے[۳]
آج تک اگلے برس کی بے قراری یاد ہے

۱، ۲- یہ اشعار نسخۂ انجمن میں نہیں (مرتب)
۳- یہ اور اس کے بعد کے چار شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

اب تو پانی بھی نہیں پیتا ہے میرے ہاتھ کا
کیوں ہے او پیماں شکن وہ بادہ خواری یاد ہے

ہاتھ نظارۂ مردم سے بھی دھو بیٹھے ہم
دل کو کیا روتے تھے آنکھوں کو بھی رو بیٹھے ہم
نرد بازی کی طرح کھیل اٹھا چرخ کچھ اور
ایک گھر میں کبھی قسمت سے جو دو بیٹھے ہم
دور کھینچ آپ کو تم نے تو اٹھائی نہ نگاہ
بے حیائی سے قریب آپ کے گو بیٹھے ہم

مریں ہم مگر سمجھو اے بتاں تم
خدا سمجھے ہو کتنے بدگماں تم
کریں بس بس نہ بوڑھے چوچلے آپ
ہوئے نام خدا ہو اب جواں تم
چمٹ کر وادیٔ وحشت کے کانٹو[۱]
اڑاتے کیوں ہو میری دھجّیاں تم
مسافر ہیں ہمارے پاس بیٹھو
کوئی دم میں کہاں ہم اور کہاں تم
زمانہ ہے یہی نیکی کا کیوں جی[۲]
دعائیں ہم جو دیں، دو گالیاں تم
عزیزو کھینچنے دو تیغ مجھ پر[۳]
نہ آؤ میرے اس کے درمیاں تم

---

۱ تا ۳- یہ اشعار نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

کہاں تجھ سے نوازش لوگ پیدا
جو کہتے ہو مجھے اے مہرباں تم
کرم صاحب کا کس لائق ہے بندہ
بیاں کرتے ہو اپنی خوبیاں تم

(اسی صورت سے چھپاتے غم جاناں دیکھا
دیکھا جب دل کو لیے ہاتھ پہ قرآں دیکھا
سادہ رو بھی رہا ، نکلا خط زنگاری بھی
صاف اپنے سے نہ اس کو کسی عنواں دیکھا

جو دل میں تجھے رکھتے ہیں غصا نہیں رکھتے
کر سینے کو شق دیکھ لے پتّا نہیں رکھتے
مرنے سے ہمیں اپنے بچا جاتے ہیں گولی
پائے پہ چڑھا کب وہ تپنچا نہیں رکھتے
گالی بھی ہے جھڑکی بھی ہے بوسہ بھی ہے پیارے
دینے کو دیا چاہو تو تم کیا نہیں رکھتے
جائے طلب بوسہ نوازش ہوا برخاست
تنخواہ نہ دی اور کہا جا نہیں رکھتے)

کیا کہیے کہ دل ہوتا ہے محجوب ہمارا
دو ہاتھ بڑا ہم سے ہے محبوب ہمارا

آتا ہے دلا مجھ کو جوانی پہ تری رحم
کہتے ہیں یہی قیس کو آزار ہوا تھا

پھر کھینچے لیے جاتی ہے واں دل کی تمنا
پھر نکلے گی اب خنجر قاتل کی تمنا

---

۱۵۱ - شعلہ ، شیخ محمد سلیمان

شاعر بامزہ ، شیخ محمد سلیمان تخلص شعلہ ، شاگرد[1] مرزا خانی نوازش ۔ منہ :

سنتے ہیں ترا یار ملا اور کسی سے
دل تو بھی چل اب دل کو لگا اور کسی سے

ہم وہ ہیں کہ مر جائیں پراے رشک مسیحا
تجھ بن کبھی پوچھیں نہ دوا اور کسی سے

نہ کرو شیفتہ زلف کو زنجیر عبث[2]
خود گرفتار ہے اس کی ہے یہ تدبیر عبث

---

۱۵۲ - راغب ، مرزا کریم بیگ

مرزا کریم بیگ تخلص راغب ، علم[3] و شعر و سخن کا مرزا خانی نوازش سے کا سب :

گلے آ کر لگایا دل ربا نے
مجھے یہ دن دکھایا پھر خدا نے

سوے عشاق آ اے ناوک انداز
یہی ہیں تیر الفت کے نشانے

---

۱۵۳ - دل گیر ، غلام حسین

شاعر خوش تقریر ، مرثیہ گوئے حضرت شبیر ، میاں دلگیر ۔

۱۔ شاگرد نوازش ، من کلامہ ۔

۲۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

۳۔ علم شعر و سخن میں مرزا . . . .

سابق[1] میں ہنود (نام چھنو لال) قوم کایتھ سکسینہ برادری مہاراجہ جھاؤ لال اور افتخارالدولہ مہاراجہ میوہ رام سے تھا ۔ چہاردہ سالگی میں بہ[2] سبب موزونیٔ طبع کے شاگرد مرزا خانی نوازش کا ہوا اور طرب تخلص کیا ۔ آخر شوق مرثیہ گوئی آسے پیدا ہوا اور طرف[3] وسیلۂ نجات کے شیدا ہوا ۔ تاثر غم امام حسین علیہ‌السلام سے طرب سے کنارا کر کے دلگیر[4] اپنا تخلص قرار دیا ۔ سال یک ہزار دو صد و سی ہجری میں شرف اسلام سے مشرف اور شیعۂ امیرالمومنین سے ہم طرف ہوا ۔ جب مرزا خانی صاحب نے سکونت کانپور کی اختیار کی ، حسب الارشاد اپنے آستاد کے (وہ) شیخ ناسخ سے مستفید رہا ۔ یہ شعر اس کے کہ سابق کے کہے ہوئے ہیں ، لکھے جاتے ہیں :

کس کو دکھاؤں میں یہ بھلا ماجرائے چشم
ناسور بن گئے ہیں عزیزو بجائے چشم

باتیں تری سنا کریں اور دیکھیں تیری شکل
وہ مدعائے گوش ہے یہ مدعائے چشم

آئے طرب جو تیرا وہ خوش چشم باغ میں
نرگس کے دستے کیجیو تو بھی فدائے چشم

کام اپنا خیال رخ جاناں سے نکالا
کار شب عشرت ، شب ہجراں سے نکالا

۱۔ نسخۂ پٹنہ کے حاشیے پر یہ عبارت اضافہ کی گئی ہے : سابق میں جب میاں دل گیر ہنود تھے ، ان کا نام چھنو لال تھا ، جب سے مسلمان ہوئے اپنا نام غلام حسین مقرر کیا ۔ (مرتب)

۲۔ بہ سبب موزونیٔ طبع شاگرد . . . .

۳۔ . . . . طرف وسیلہ کے نجات شیدا ۔ (کذا)

۴۔ دلگیر تخلص قرار دیا ۔

یہ طالب ایذا ہیں کہ جو پا میں چبھا خار
ہم نے جو نکالا آسے پیکاں سے نکالا

۱۵۴ ۔ امانت ، سید آغا حسن

صاحب دیانت و صیانت ، سید آغا حسن تخلص امانت[۱] ، ابن میر آقا علی عرف میر آغا ، برادر زادہ میر طالب علی اچھوتی والے مشہور ۔ اوائل میں میاں امانت نے برائے چندے میاں دلگیر صاحب سے اصلاح لی تھی ، پھر خود آستاد بن بیٹھے ۔ صاحب دیوان و خمسہ و مسدس و واسوخت و غزل اور مرثیہ و سلام بھی اپنی دانست میں خوب کہے اور آپ کے کلام میں جگت و ضلع خوب ہوتا ہے ۔ انتہا یہ ہے کہ مرثیے بھی آپ کے جگت سے خالی نہیں تھے ۔ ان کے مرثیے کا ایک مصرع یہ ہے ۔ مصرع :

شامی کباب ہو کے پسند قضا ہوئے

اور میاں امانت نے ہر چند چاہا کہ میرے آگے رنگ میر انیس صاحب کا اور مرزا دبیر صاحب کا دب جاوے مٹ جاوے لیکن کہیں خواجہ صاحب اور شیخ صاحب کے رو برو کوئی اور شاعر چمکا کہ میاں امانت اور میاں عشق صاحب آگے ان دونوں صاحبوں کے چمکتے ہوتے ۔ شاعر :

چراغے را کہ ایزد برفروزد
ہر آنکس پف کند ریشش بسوزد

آمدم بر سر مطلب ، میر امانت صاحب کی زبان میں لکنت بھی تھی اور یہ مرض ان کا آبائی تھا ، بلکہ ان کی اولاد تک کی زبان میں لکنت موجود ہے ۔ للہذا مرثیہ تصنیف ان کا ان کے شاگرد پڑھا کرتے ہیں

۱۔ ترجمہ امانت نسخہ انجمن میں نہیں ، نسخہ پٹنہ میں بھی بعد میں حاشیے پر اضافہ کیا گیا ہے ۔ (مرتب)

اور ان کے شاگردوں میں جو ہیں ان کے تخلص میں آخر میں "تے" ہوتی ہے ، مثل جنت و عبادت و میاں فرحت وغیرہ کے ۔ میاں امانت نے ایک رہس کی طرح مثنوی اندر سبھا تصنیف کی تھی ۔ اس میں بجائے امانت تخلص آستاد اپنا قرار دیا تھا اور اس مثنوی میں غزلیں اور ہولی و ٹھمری اور چھند زبان بھاگا میں کہے تھے ۔ چنانچہ جس کو سن کے پنڈت کشمیری اور بہاری کہار اور میر حافظ نے چند طفلان حسین چنے اور امردان ماہ جبیں ، خوبصورت جمع کر کے اور ان لڑکوں کو مثنوی یاد کرا کے اور تعلیم راگ اور ناچ دلوا کے ایک رہس کھڑا کیا تھا اور وہ پندرہ روپیہ روزینہ پر مجرے بھی جاتے تھے ۔ چنانچہ خلائق نے یہ جلسہ جدید دیکھ کر بہت پسند کیا اور ہزارہا لوگ بازاری جمع ہونے لگے ۔ ایک روز مولف تذکرۂ ہذا بھی اس جلسۂ رہس اندر سبھا میں گیا ۔ دیکھا میں نے کہ ہزارہا لوگ ان امردان حسین پر مفتون و شیفتہ [ہیں] بقول شعر حسب حال ، شعر :

ہجوم ماہ رویاں اس قدر تھا
کہ مجھ کو دل کے پس جانے کا ڈر تھا

اور میاں امانت مسند پر بیٹھے ہیں اور ایک لونڈا حسین مہ پارہ آگے گاتا ہے ۔ میں یہ دیکھ کر چندے توقف کے بعد اپنے مکان پر چلا آیا ۔ غرضکہ یہ اندر سبھا خوب چمکی اور مشہور خلائق ہوئی ۔ جیسے کہ میر حسن کی مثنوی سے ہزارہا عورات فاحشہ ہو گئیں ، ویسے ہی اس مثنوی اندر سبھا سے ہزارہا مرد لوطی و مغلم ہو گئے اور اغلام نے خوب رواج پایا ۔ اور مرثیہ میاں امانت صاحب کا اچھوتیوں والے امام باڑہ واقع منصور نگر لکھنؤ میں پڑھا جاتا ہے ، قابل شنیدنی ہے ۔ یہ چند اشعار اچھوتے میاں امانت صاحب کی غزل کے ، واسطے یادگار کے لکھے جاتے ہیں ۔ وھوھذا ۔ غزل امانت :

خیال آتا ہے دل کو شکوۂ بیداد کیا کیجے
خدا سے اے بت کافر تری فریاد کیا کیجے
بہار آئی ہے گلشن میں گھٹا جاتا ہے دم میرا
قفس کے در کو وا کرتا نہیں صیاد کیا کیجے
عبث کرتا ہے تو ہم سے خیال یار کا شکوہ
جو بھولے آپ کو اے دل اسے پھر یاد کیا کیجے
غلام اپنا ہو جو دل سے اسے آزاد کیا کیجیے
مقابل سرو کو پا کر گلستاں میں وہ گل بولا
چمن میں دیکھ کر اے دل سوے شمشاد کیا کیجے
کسی محبوب کا بوٹا سا قد آنکھوں میں پھرتا ہے
جنوں کا جوش کھوتا ہے رگوں کو چھو کے نشتر سے
نہ تجھ کو گالیاں دیجے تو اے فصاد کیا کیجے
لہو پیتا ہے شیروں کا ہمارا دم نکلتا ہے
گلے پر پھیرتا خنجر نہیں جلاد کیا کیجے
ہماری قبر کو ٹھوکر لگا کر یار کہتا ہے
ملا ہو خاک میں جو خود اسے برباد کیا کیجے
امانت کوہ پر پہنچا تو یوں فرہاد چلّایا
لبوں پر جان شیریں ہے، اب اے استاد کیا کیجے

---

۱۵۵ - سرور، مرزا رجب علی بیگ

کلام[۱] اس کا صاحب بینش کا منظور، مرزا رجب علی بیگ تخلص سرور، شاگرد مرزا خانی نوازش۔ من کلامہ :

۱- کلام اس کا بینش کا منظور، مرزا رجب علی تخلص . . . نوازش ۔
یہ اشعار اس سے یادگار ۔

مسیحا میں یہ باتیں کب تھیں جو ہیں اپنے دلبر میں
قضا غمزے میں ہے ، فتنہ نگہ میں ، حشر ٹھوکر میں

کسی دشمن نے ایسا دوست کو میرے پڑھایا ہے[1]
بدل لیتا ہے طوطی کی طرح سے آنکھ دم بھر میں

نہ ہم نازک مزاجوں سے اٹھیں گے ناز دلبر کے
یہ غمزہ جو اٹھاتا تھا وہ اب دل ہی نہیں بر میں

جگہ اب خال ہندو کی ہوئی ہے مصحف رخ پر[2]
عداوت اٹھ گئی جو تھی مسلمان اور کافر میں

ملا دیتا گلے سے کیوں نہ یار نکتہ داں اس کو
بڑی تجنیس خطی ہی تھی خنجر اور حنجر میں

ملایا خاک میں برگشتگی نے طبع جاناں کی
بسان شیشۂ ساعت پلٹتا ہے گھڑی بھر میں

ہمارے دل میں اس کی یاد ، واں سینے میں کینہ ہے
وہاں ہے لعل میں پتھر ، یہاں ہے لعل پتھر میں

مثال شمع سر جلتا رہا ہے رات بھر میرا
پر پروانہ شاید مل گیا تھا بالش پر میں

بنے اب اس سے یا بگڑے الم ہے اس کا لا حاصل
وہی ہو گا لکھا ہے جو سرور اپنے مقدر میں

(ذکر ہر شعر میں ہے اس بت لاثانی کا
میرے دیوان سے مرقع ہے خجل مانی کا

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- یہ اور اس کے بعد کے پانچ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

قدم یار پہ اس طرح سے ماتھا رگڑا
مٹ گیا صاف نوشتہ مری پیشانی کا

مل گیا پارے میں ہر پارہ دل بے تاب کا
دیکھ لے جوڑا نہ دیکھا جس نے ہو سیماب کا

غنچے چٹکے ، گل کھلے ، گلشن میں پھر آئی بہار
مژدہ اے وحشت کہ پیغام جنوں لائی بہار

وہ جو شانوں پہ کھلی زلف دوتا رکھتے ہیں
اُڑتی چڑیا کو وہی لوگ پھنسا رکھتے ہیں

وہ دل نہیں جو نگہ سے تری فگار نہیں
وہ چشم کور ہو جو صرف انتظار نہیں
ہماری خاک کو دامن سے جھاڑتے ہو کھڑے
پھر اس پہ کہتے ہو دل میں مرے غبار نہیں)

---

۱۵۶ - سہا ، مرزا احمد علی

جوان رعنا ، مرزا احمد علی تخلص سہا ، (خلف اور) شاگرد سرور۔
(من کلامہ) :

نیرنگیاں دکھائیں مجھے چشم یار نے
بن[1] موت مارا گردش لیل و نہار نے

پر باندھ کر قفس میں رکھا ٹانگ دی پلک
کس کس طرح کے ظلم کیے دام دار نے

---

[1] نا سے موت ۔

خط سیاہ کا رخ انور پہ ہے نشان
بھیجی حلب پہ فوج شہ زنگبار نے
فریاد رس نہ کوئی ہوا خاکسار کا[1]
در در اڑائی خاک ہماری غبار نے

---

۱۵۷ ، اظہر ، شیخ اظہر علی

کلام[2] اُس کا بامزا ، دافع صفرا ، شیخ اظہر علی تخلص اظہر ، ساکن[3] کانپور ، شاگرد نوازش ۔ من کلامہ :

بہ رنگ مرغ بسمل وصل کی شب خوب تڑپایا
عجب تاثیر ہے زاہد تری اللہ اکبر میں
وہ دیکھ آیینہ خود عاشق ہوا ہے اپنی صورت پر
مرا محشر کو ہوگا ہاتھ دامان سکندر میں

محبت گرچہ تھی زنجیر پا ہم کو بیاباں کی[4]
مگر یاں موکشاں پھر لائی الفت زلف پیچاں کی
وہ بڑھتا ہی گیا جتنا جنوں نے پاؤں پھیلایا
ذرا وسعت تو دیکھو اس مرے صد چاک داماں کی
بضاعت کچھ نہیں تو پاسباں ہو یا نہ ہو اظہر
نگہبانی کرے گی بے کسی جان غریباں کی

۱۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۲۔ کلام میں اُس کے سکنجبین کا مزا ۔
۳۔ کلام اُس کا مرزا خانی نوازش کا منظور نظر ، یہ اُس سے یادگار ۔
۴۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

۱۵۸ - مخلص ، میر مہدی حسن

میر[1] مہدی حسن تخلص مخلص ، صاحب اندیشہ ، وکالت پیشہ ، شاگرد مرزا خانی نوازش ، یہ اُس سے یادگار :

ہے زور شوروں پہ نا توانی نہ تلخ کیوں کر ہو زندگانی
برمگس یوں گراں ہے تن پر کہ جیسے پتھر ہزار من کا

مہ فلک کو خدا کی قدرت رخ منور سے کیا ہے نسبت
یہ ماہ کامل تو بے خلل ہے ، لگا ہے کھٹکا اُسے گہن کا

۱۵۹ - عسکر ، مولوی عسکری

شایان بزرگی و مہتری ، مولوی عسکری تخلص عسکر ، شاگرد[2] مرزا خانی نوازش ، من کلامہ :

غم فرقت کا دلا کھول نہ تو راز عبث
کون سنتا ہے در دل کو نہ کر باز عبث

ہم گرفتار قفس ہیں نہ دلا یاد چمن
ہم سے ہے باد بہاری یہ ترا ناز عبث

زردی[3] رخ سے عیاں راز محبت ہوگا
کہہ کے بدنام ہوئے ہیں مرے غماز عبث

ہو چکی وصل کی شب کاٹیں گے ہم آپ گلا
زاہدا تیری ہے تکبیر کی آواز عبث

اُس کے کوچے کے سوا اور کہاں جائے گا
طائر روح رواں کرتا ہے پرواز عبث

۱- صاحب اندیشہ ، وکالت پیشہ ، تخلص مخلص ، نام مہدی حسن ، مرزا خانی نوازش سے اسے تعلیم شعر و سخن - یہ اس سے یادگار -

۲- کلام اُس کا نوازش کا منظور نظر - یہ اُس سے یادگار -

مر گئے ہم تری فرقت میں نہ جاں بخشی کی
او مسیحا نظر آیا ترا اعجاز عبث

۱۶۰ - الطاف، کلب حسین خاں

شاعر[1] بے تکلف، سخن اُس کا صاف صاف، کلب حسین خان تخلص الطاف، برادر (خورد) اور شاگرد (بزرگ) مرزا خانی (نوازش)، یہ[2] اس کی سخن رانی:

کسی کو جام جمشیدی کسی کو راحت دنیا
عدم سے چرخ لایا ہے ہمیں اندوہ کھانے کو

کیا چشموں کو گر تر میری تربت پر تو یہ بولا
جلاؤ شمع اس کی گور پر آنسو بہانے کو

۱۶۱ - شرر، مرزا ابراهیم بیگ

سوختہ جگر، مرزا ابراہیم بیگ تخلص شرر، شاگرد (مرزا خانی) نوازش، یہ[3] شعر اس سے یادگار:

سامعیں کا نہ فقط سننے سے دم رکتا ہے
سرگزشت اپنی جو لکھیے تو قلم رکتا ہے

۱۶۲ - ذکا، مرزا مخدوم بخش

موزون الطبع، خوش نوا، مرزا مخدوم بخش تخلص ذکا، موجد نوحہ خوانی، شاگرد مرزا خانی - من کلامہ:

۱- کلام اُس کا بے تکلف صاف صاف . . . . . .
۲- یہ اُس سے یادگار۔ ۳- منہ۔

موت کے نام سے ڈر جاتے ہیں ڈرنے والے
تو نے دیکھے نہیں ظالم ابھی مرنے والے

ہم نہیں آپ کی تلوار سے ڈرنے والے
یاد رکھنا کہ برے ہوتے ہیں مرنے والے

بیٹھ کر صحبت نا جنس میں بگڑے ہیں تو بس
وہ کسی سے بھی کہیں اب ہیں سنورنے والے

قدر عاشق نہیں تم کو بڑے بے قدر ہو تم
اپنے ملتے ہیں کہاں پیار کے کرنے والے

لوگ غربت سے ہمیں سر پہ چڑھاتے ہیں ذکا
ہم کسی کے بھی نہیں جی سے اترنے والے

ہم نہ دل دے کے تمھیں جی سے گزر جائیں گے
آپ وہ ہیں کہ ابھی لے کے مکر جائیں گے

مجھ کو اس حال سے لے جا نہ جنوں ان[۱] کے حضور
دل کے نازک ہیں بہت دیکھ کے ڈر جائیں گے

بے اجل مار نہ ہم کو کہ شب وصل ہے آج[۲]
یہ نہ کہہ منہ سے کہ ہم وقت سحر جائیں گے

دل عاشق شمع رخ جانانہ ہوا ہے
مر جائے گا جل کر کہیں دیوانہ ہوا ہے

اللہ رے کیا عشق بتاں میں ہے رسائی
یہ کعبۂ دل اپنا صنم خانہ ہوا ہے

۱- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے ''اس'' - (مرتب)
۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۱۶۳ - دیوانہ ، سرب سکھ

شاعر یگانہ ، سرب سکھ تخلص دیوانہ ، اپنے وقت کا اُستاد[1] بلکہ صاحب ارشاد تھا۔ یہ رباعی اور ایک شعر اس سے یاد :

وہ لوگ کہاں کہ یار باشی کیجے
وہ وقت کہاں کہ خوش معاشی کیجے
اک گوشہ میں اپنے بیٹھ کر کے تنہا
اب ناخن غم سے دل خراشی کیجے

جان پر آ بنی ہمدم تری خاموشی سے
بات کچھ بن نہیں آتی ہے اب اظہار بغیر

---

۱۶۴ - حیران ، میر حیدر علی

خوش لہجہ ، شیریں زبان ، میر حیدر علی تخلص حیران - صاحب[2] استعداد ، وطن اُس کا شاہجہان آباد ، عنفوان جوانی میں پورب میں آیا اور سرب سکھ دیوانہ کا شاگرد ہوا - یہ اشعار اُس سے یادگار :

دم نکلتا ہے اب کوئی دم میں
بیٹھ جا کچھ رہا نہیں ہم میں

کل جو حیران کو میں روتے دیکھا
بن گئی دوکھنے کی بات مری

۱- . . . استاد ، یہ اس سے یاد -
۲- دانش مند و فرزانہ ، شاگرد سرب سکھ دیوانہ ، یہ اُس سے یادگار ہے -

آن کی خدمت میں ادب سے میں نے
عرض کی ، دیکھی کرامات مری
میں نہ کہتا تھا کہ دل آپ نہ دیں
بندگی قبلۂ حاجات مری

صف مژگاں سے اس کی جب نہ تب دل جا اٹکتا ہے
سمجھتا ہی نہیں ہر چند **حیراں** سر پٹکتا ہے
وہ کیا تجھ میں نہیں جو دیر و کعبہ میں ہے آوارہ[1]
عبث کیوں اے دل بیہودہ تو در در بھٹکتا ہے
جلا جاتا ہوں **حیراں**[2] آتش سوز نہانی سے
بھنا جاتا ہے دل اور جی سپند ایسا چٹکتا ہے

ق

جب کہا میں نے میرے گھر چلیے
اس میں کچھ کم نہ ہوگی محبوبی
سن کے تیوری بدل لگے کہنے[3]
رسم و راہ ادب تو سب ڈوبی
مجھ سے کہتا ہے میرے گھر چلیے
دیکھیو اختلاط کی خوبی

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے ''سوزاں'' - (مرتب)
۳- سن کے تیوری بدل کے کہنے لگے
راہ و رسم ادب تو سب ڈوبی

۱۶۵ - افسوس ، میر شیر علی خاں

خال و خط خوباں سے مانوس، میر شیر علی خاں تخلص افسوس ، ابن میر مظفر علی خاں ، داروغہ توپ خانہ عالی جاہ - پہلے میر سوز کا شاگرد تھا بعدہ میر حیدر علی حیراں سے مستفید ہوا - ایک دن جرأت کے اس مطلع پر مشاعرے[1] میں معترض ہوا :

گلبازی کے رتبے کو دلا کاش تو پاتا
ہاتھوں سے جو گرتا تو وہ پلکوں[2] سے اٹھاتا

یعنی یہ مطلع بے اضافت گل نا موزوں[3] ہے - جرأت نے شکایت اس کی مرزا رفیع السودا سے کی - مرزا نے کہا گلبازی اور گل بازی دونوں درست ہیں ، بلکہ گلبازی بیشتر استعمال میں ہے - چونکہ ان[4] روزوں خود بینی اس کا شعار ہوا ہے ، یہ تضمین اس کی تنبیہ کو کافی ہے :

افسوس کہ تجھ کو سوز و حیراں
سمجھا کے بہت نداں ہارے

در ماں و در میاں نہ سمجھا
اب تک تو اور اس پہ اے پیارے

جرأت کے سخن پہ خوردہ گیری
محفل میں کرے ہے واہ وا رے

اب چاہیے یوں کہ تیرے حق میں
ہر اک یہ گلی گلی پکارے

۱- سر مشاعرہ -
۲- آنکھوں -
۳- بے معنی -
۴- ان روزوں شعار اُس کا خود پسندی ہوا ہے . . . .

کانی نہ نہارے ٹینٹ اپنا
اور غیر کے پھولے کو نہارے

یہ[1] اشعار کہ میر شیر علی خان افسوس سے یادگار ہیں لکھے جاتے ہیں :

ہنس کر کسی سے میں نے نہ کی بات تجھ بغیر
روتے ہی آہ کٹ گئی اوقات تجھ بغیر

کیا لکھوں اُس کو میں احوال یہ کہنا قاصد
بے حواسی کے سبب طاقت تحریر نہیں

کیا تو نے لکھا تھا جو ترے خط کے تئیں دیکھ
آنسو لگے **افسوس** کی آنکھوں سے ٹپکنے

اُس کی صورت کے تئیں یاد دلا دیتا ہے[2]
ہنستے ہنستے مجھے یہ گل تو رلا دیتا ہے

صلاح جانے جو کچھ کہیو اس سے اے قاصد
پیام کیا میں تجھے دوں، نہیں حواس مجھے

نے اس لیے ملے ہیں کہ کچھ سیم و زر ملے
ہم تجھ سے آ کے اور ہی امید پر ملے

خط کا جواب ایک طرف یہ نہیں امید
جیتا پھر آ کے مجھ سے مرا نامہ بر ملے

۱- یہ اشعار کہ افسوس سے یادگار ہیں، رقم ہوتے ہیں۔
۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں۔ (مرتب)

کچھ بات تم سے کر[1] نہیں سکتے ہزار حیف
مدت میں تم ملے بھی تو غیروں کے گھر ملے

ہنس کر مجھے لوگوں میں اشارات نہ کیجے
رسوائی ہو جس بات میں وہ بات نہ کیجے

ابھی وہ پردے میں ہے جس پہ خلق مرتی ہے
غرض دکھائے یہ دیدار دیکھیے کیا ہو

---

۱۶۶ - حیف، سید چراغ علی

معتبر و معتمد بے کم و کیف، سید چراغ علی تخلص حیف لکھنوی، شاگرد میر شیر علی، منہ[2]:

ملنے بھی نہ پائے اس جواں سے
حسرت زدہ ہم چلے جہاں سے

گو آپ نہ آئیے ولیکن
اقرار تو کیجیے زباں سے

ق

اے راہ رواں مری زبانی
کہنا یہ پیام کارواں سے

رستے میں تھکا ہوا پڑا ہے
یک شخص تمھارے ہمرہاں سے

کیا پوچھے ہے حیف کی حقیقت
ناشاد گیا وہ اس جہاں سے

۱- کہہ۔ ۲- من کلامہ۔

وہ مہر جہاں تاب اگر بام پر آوے
تابندگیٔ نیّر اعظم نظر آوے
کہتا ہے کوئی ڈال اسے کوئی رگ گل
کچھ میں بھی کہوں تیری کمر جو نظر آوے

---

۱۶۷ - تاسف ، میر حسین علی

عادیٔ دخل و تصرف ، میر حسین علی تخلص تاسف ، شاگرد میر شیر علی افسوس ۔ نہایت خود بین اور خود پسند ، ارواح مرحومان اس سے درد مند ، ناحق ناحق[1] استادوں کے اشعار پر اعتراض کیا اور رسالہ مختصر فریب عوام کو ترتیب دیا ۔ چنانچہ وہ شعر اعتراضی کہ ان میں دخل بے جا اور تصرف بےسر و پا ہے ، مع رفع اعتراض لکھے جاتے ہیں ۔ مصحفی کے شعر پر یہ اعتراض ہے :

حسن کہتا ہے اسے پردہ اٹھا دے ، پر شرم
یہ سکھاتی ہے کہ لے منہ کو چھپا دکھلا کر

(اعتراض) دیکھیے کہ حسن و شرم دونوں لفظوں کا بیان اس شعر میں ہے ، چنانچہ خاصہ حسن کا پردے کا اٹھانا اور دکھلانا[2] منہ اور چھپانا نام شوخی کا ہے ۔ اگر وہ حرف "شوخی" "شرم" کی جا کہتا تھا تو بہتر تھا ۔

حسن کہتا ہے کہ پردے کو اٹھا ، پر شوخی
یہ سکھاتی ہے کہ لے منہ کو چھپا دکھلا کر

اب انصاف کیا چاہیے کہ لفظ "شوخی" کو بجائے "شرم" مناسب

۱- ناروا ۔

۲- . . . . دکھانا منہ کا اور پھر چھپانا . . . . .

سمجھنا حد نامناسب ہے کہ شوخی عبارت آپ سے باہر ہونا ہے نہ کہ خودداری ۔ حرف "شرم" نہایت بجا اور اعتراض بے جا ۔ شعر خواجہ حیدر علی آتش کا کہ بہترین اشعار سے ہے :

سودا ہوا ہے مرغ جنوں کے شکار کا
پھندا بنا رہا ہوں گریباں کے تار کا

اس پر از راہ تاسف[1] کے کہتا ہے : "صاحبان فہم سے امید یہ ہے کہ ملاحظہ فرمائیں کہ اس مطلع کے معنی میں کیا خرابی نظر آتی ہے ۔ اگر مرغ جنوں ابھی شکار نہیں ہوا تو گریباں کے[2] تار کا نکالنا کہ کام وحشی کا ہے کوئی ہوشیار نہیں کرتا اور جو وہ شکار ہو چکا ہے تو سامان شکار کا تحصیل حاصل کے لیے فعل عبث ہے ۔ اس کو یوں کہتے تو خوب تھا :

سودا ہو جس کو مرغ جنوں کے شکار کا
پھندا بنائے میرے گریباں کے تار کا"

یہ جو اس خود غلط نے اصلاح کی ہے ۔ اگر وہ جنوں زدہ ہے گریباں اس کے پاس کہاں اور اگر جنوں زدہ نہیں[3] اور ہوشیار ہے ، کام دیوانے کا ہوشیار سے کب نکلتا ہے ۔ اگر خواجہ صاحب کے شعر میں سودا ہو چکا ہی ہوتا تو اعتراض اس کا بجا تھا ۔ دوسرا شعر یہ ہے :

تل نمایاں نہیں ہے عارض جاناں کے تلے
ہے ستارہ کوئی روشن مہ تاباں کے تلے

۱- . . . . . . تاسف کہتا ہے . . . . .

۲- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے "کا" - (مرتب)

۳- . . . . . . نہیں ، کام دیوانے کا ہشیاری سے کب نکلتا ہے ۔ اگر خواجہ صاحب [کے] شعر میں سودا ہو چکا . . . . . .

"دیکھیے اس مطلع میں یہ اندھیر ہے کہ تشبیہ خال کی ستارۂ روشن سے دی ہے حالانکہ تمام شعرا[1] عجم اور عرب کے خال کو سیاہ چیزوں سے نسبت دیتے ہیں۔" انتہیٰ۔ اول تو یہ شعر خواجہ صاحب کے دیوان میں نہیں مگر قول مشہور[2] پہلے سند شعرائے عجم کی اس کو دی جاتی ہیں۔ شعر مشہور:

زخال گوشۂ ابروے یار می ترسم
ازیں ستارۂ دنبالہ دار می ترسم

اور[3] نصیر دہلوی کہ مشہور بہ ملک الشعرائی تھا، وہ یہ کہتا ہے:

کاجل کا بنا گوشۂ ابرو میں کوئی تل
کیا پاس مہ نو کے ستارا نہیں ہوتا

اور[4] وہ شعر کہ اس کے جواب میں اس نے کہا ہے، وہ یہ ہے:

چھاتیاں کھل گئیں جس دم رخ جاناں کے تلے
دو ستارے ہوے روشن مہ تاباں کے تلے

سبحان اللہ کہاں رخ کہاں پستان، علاوہ اس کے کیا منہ کی کھائی ہے، اپنے زور میں آپ گرد برد ہو گیا، جو اعتراض ادھر تھا ادھر آ گیا، کس واسطے کہ سر پستان سیاہ ہے۔

اب سنیے کہ شیخ ناسخ کے باب میں یہ لکھتا ہے۔ "کلام اس کا

۱۔ شعرائے عجم اور عرب خال کو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۲۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مشہور کے واسطے سند شعرائے عجم اُس کو دی جاتی ہے، شعر فارسی۔

۳۔ اور نصیر دہلوی کہ اُس کی دانست میں بہتر ہے، وہ یہ کہتا ہے۔

۴۔ یہاں سے "سرپستان سیاہ ہے" تک کی عبارت نسخۂ انجمن میں نہیں۔ (مرتب)

اونچی دکان اور پھیکا پکوان ہے۔ چنانچہ یہ شعر[1] اس پر حجت ہے :

ایک عالم ہے مری مستی و ہشیاری کا
خواب دیکھا نہ کبھی بخت کی بیداری کا"

کہتا ہے : "اس شعر میں یہ خرابی واقع ہے کہ مصرع اول کو مصرع ثانی سے ربط نہیں ، پہلے مصرع میں مضمون دیوانگی کا پایا جاتا ہے اور دوسرے میں بخت اور طالع کا ، یوں کہنا تھا :

خواب سے فرق نہ سمجھا کوئی بیداری کا
ایک عالم ہے مری غفلت و ہشیاری کا"

اس بے ربط سے کوئی پوچھے کہ غفلت اور ہشیاری اور خواب اور بیداری چار چیزیں ایک شعر میں موجود ہیں ، ربط کیوں کر نہیں۔ اور[2] وہ دیوانہ پہلے مصرع کے مضمون کو جو دیوانگی سے نسبت دیتا ہے ، اس میں بدبختی کا بیان ہے یا دیوانگی[3] کا۔ اور بے ربطی اس کے (بیت کی) مصرع اول سے ظاہر ہے کہ اس کا مضمون بری طرح سے باندھا ہے ۔ دوسرا شعر[4] شیخ ناسخ کا یہ :

وصف خط ہے مرے دیوان میں کہیں وصف کمر
ساتھ ہو جدول زنگار کے اک باریکا

"دیکھیے (کہ) اس شعر میں مشبہ کو مشبہ بہ کی[5] مناسبت بجا نہیں ہے ، وجہ یہ کہ اگر وصف خط اس شخص کے دیوان میں کہیں ہے اور وصف

۱- . . . . شعر حجت ہے ۔
۲- اور دیوانہ . . . . .
۳- نسخۂ پٹنہ میں یہاں "دیوانے" ہے جو ظاہر ہے کہ کتابت کی غلطی ہے ۔ (مرتب)
۴- . . . . شعر ناسخ کا یہ ۔ ۵- سے

کمر کہیں ہے ، ان دونوں وصفوں میں جدائی ہے[1] تو جدول زنگار کے ساتھ باریکا نہ چاہیے ، ان میں فرق درکار ہے ۔ یوں کہنا تھا :

وصف خط ہے مرے دیواں میں کہیں وصف کمر
ہو کہیں جدول زنگار کہیں باریکا"

باریکے کا علیٰحدہ ہونا جدول سے غیر ممکن ، واللہ اعلم بالصواب۔

کجا بودم اکنوں فتادم کجا
باز آمدم برسر مطلب ۔

---

۱۶۸ حسرت ، مرزا جعفر علی

شاعر وسیع ہمت، سخن ور باجمعیت[2] ، مرزا جعفر علی متخلص[3] بہ **حسرت** ، یگانہ و فرزانہ ، شاگرد سرپ سکھ دیوانہ ، خلف الصدق ابوالخیر عطار ۔ دکان اس کی متصل اکبری دروازہ کے تھی ۔ اپنے وقت میں[4] وہ شہرہ آفاق اور مشاق تھا ۔ موزونان لکھنؤ کو اس کی شاگردی پر مباہات اور شرف اور وہ سرکار میں مرزا جہاں دار شاہ کی ملازمین اعزہ سے ہم طرف تھا ۔ بعد وفات پدر[5] بزرگوار کی دفعتاً نوکری کو ترک کر کے پیشہ آبائی میں مشغول ہوا اور مشق سخن سے رفتہ رفتہ مرد معقول ہوا ۔ بہ سبب اپنی نام آوری[6] کے استاد سے منکر اور حلقۂ اطاعت سے باہر[7] ہوا ۔ علت دکان داری سے محبت استاد

۱- چاہیے ۔ ۲- باجماعت ۔
۳- تخلص حسرت ، فرد اور یگانہ شاگرد . . .
۴- . . . .میں شہرہ آفاق اور شاعر مشاق تھا ۔
۵- . . . . پدر دفعتاً . . . .
۶- نام وری ۔ ۷- . . . . باہر ، علت ۔

کو طاق نسیاں پر رکھا اور مطلق انحراف کیا ۔ القصہ جب دور دور مرزا رفیع السودا چہار دانگ ہند میں بلند اور کمر شکن ہر خودپسند(کا) ہوا ، اس نے بازار کو اپنے ٹھنڈا دیکھا اور مرزا رفیع پر (پست حوصلگی سے) معترض ہونے لگا ۔ یہ مصرع سودا کا کہ قصیدے میں نواب شجاع الدولہ بہادر کے ہے ، مصرع :

نور خورشید ہو جس طرح سے شب کو زائل

بہ[1] سبب ریاض دانی کے اس پر یہ اعتراض کیا کہ نور خورشید کا شب کو زائل نہیں ہوتا ۔ اس مکابرے کے نواب تفضل حسین خاں خاں علامہ حکم اور مدعی اور مدعاعلیہ بہم ہوے ۔ خاں صاحب نے کہا نورخورشید کا زائل ہونا تاریکیٔ شب سے ظاہر اور ثابت اور فروغ کوکب اس پر حجت ہے ۔

ایک دن میر سوز نے[2] مرزا رفیع السودا سے کہا کہ ہم حسرت کو آپ کی طرف ناصاف اور ہر باب میں خلاف پاتے ہیں ، شکنجۂ ہجو سے اس کو مالش دیا چاہیے اور معترف اپنے قصور کا اسے کیا چاہیے۔ سودا نے فرمایا[3] "میں اس کی ہجو کرتا ہوں جو شاعر ہو نہ کہ ایسے نا شاعر کی ۔ یہ رباعی تمھارے نام سے کہی جاتی ہے ، اس کی تنبیہ کو کافی[4] ہو گی" :

کیوں سوز پہ حسرت کا نہ دل ہووے سپند
ہے شعر کی گرمی کا دھواں اس کے بلند

۱۔ یہ اعتراض کیا کہ . . . مکابرے کے تفضل حسین خاں حکم ، مدعی اور . . . کہا زائل ہونا نور خورشید کا تاریکیٔ شب . . . کوکب سودا کے قول پر حجت ہے ۔

۲۔ . . . نے سودا سے . . . طرف سے منحرف اور منکر پاتے ہیں ۔

۳۔ کہا ۔ ۴۔ کافی ہے ۔

حسرت آسے کیوں نہ ہووے شاعر ہے سوز
عطار کا لونڈا ہے وہ ساٹھو گلقند

منکلام حسرت :

درس تھا مکتب میں مجھ کو آہ کا
نہ سبق پہلے تھا بسم اللہ کا

کس کی نگہ کا تیر لگا آہ کیا ہوا
تڑپے ہے دل مرا آسے اللہ کیا ہوا

حسرت کا حال پوچھے اگر یار اے صبا
کہیو کہ درد ہجر سے رو رو کے مر گیا

بیاں کیا کیجے اس سرو رواں کے قد و قامت کا
بلا ہے آفت جاں ہے نمونہ ہے قیامت کا
ہوا گل پانی پانی دیکھ اے رشک چمن تجھ کو
نہیں شبنم، عرق ہے گل کے چہرے پر ندامت کا
ترے لب کے ہلانے سے جو پیارے جی نہ اٹھتا میں[1]
نہ ہوتا معتقد ہرگز مسیحا کی کرامت کا

باد خزاں تو باد ہے یا تیغ آب دار
گلشن کا ہر شجر ترے آتے ہی چھٹ گیا

نہیں معلوم کیا تھا جو سحر تک شمع رویا کی
کچھ اپنا حال پروانہ سنانے شام آیا تھا

۱- یہ شعر نسخہ انجمن میں نہیں۔ (مرتب)

ہوا لبریز جام زندگی جس وقت اے حسرت
دریغ اس وقت میں ساقی پلانے جام آیا تھا

مرنے سے حال سارا معلوم ہو رہے گا[1]
یہ جھوٹ سچ تمہارا معلوم ہو رہے گا
لاتے ہیں رند تجھ کو اب کھینچ مے کدے میں
اے شیخ استخارہ معلوم ہو رہے گا

مطلب نہیں ہے شکوہ ان بے مروتوں کا
حسرت مجھے ہے رونا اس دل کی حسرتوں کا

تلف ہونا تھا جی کھونا تھا گھر اپنا ڈبونا تھا
دلا سب کچھ تجھے کرنا تھا اک عاشق نہ ہونا تھا

آشیاں چھوڑ چلے اے چمن آرا ہم تو
تو بھی لے جائیو سر پر یہ گلستاں اٹھا

کسے منظور تھا یوں تلخ کرنا زندگانی کو
ولے کیا کیجیے حسرت بلائے ناگہانی کو
بصد خون جگر یک قطرہ مژگاں تک پہنچتا ہے
نہ دے برباد یوں اے چشم اشک ارغوانی کو
تصور نے ترے ظالم یہاں تک تفرقہ ڈالا
کہ ملنا ہوگیا دشوار اب مژگاں سے مژگاں کو

۱- اس زمین کے دونوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

جوں لالہ بہار کر رہا ہے
یہ سینۂ داغ دار اپنا

محبت کا ہوا رستہ مگر بند[1]
کہ ہے خط و کتابت سر بہ سر بند

چین لیوے دل نالاں یہ توقع نہ رکھو
دوستو راحت و آرام ہے بیمار سے دور

شب ہجراں کبھی ہیہات نہ ہو گی آخر[2]
عمر آخر ہو پہ یہ رات نہ ہو گی آخر

عشق ہے داستاں سے باہر
ہے یہ قصہ بیاں سے باہر

کام جو ہم کو اس نے فرمایا
آہ سو امتحاں سے باہر

دیر و مسجد میں ڈھونڈتے ہیں جسے
ہے وہ کون و مکاں سے باہر

باندھ رشتے سے مجھے، پھینک دے صیاد قفس[3]
میری فریاد سے کرنے لگا فریاد قفس

کل کب تھے ہم سے خوش جو نہیں ہو تم آج خوش
ہم نے تو ایک دن بھی نہ پایا مزاج خوش

---

۱ تا ۳ - یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

کوڑیوں کے مول بیچا مصر میں تو نے فلک
ہائے اُس یوسف کو جو تھا سارے کنعاں کی بساط

بہ رنگ لالہ دل داغ دار رکھتے ہیں
جہاں کے باغ میں ہم بھی بہار رکھتے ہیں
صدف گہر پہ نہ کر ناز، چشم میں ہم بھی
ہر ایک اشک در آب دار رکھتے ہیں

ہوئے ہیں بت کے بندے برہمن سے راہ کرتے ہیں
حرم کے رہنے والو تم سے عشق اللہ کرتے ہیں

دوستوں کا دیکھنا اس دور میں ہر[1] دم کہاں
دم غنیمت ہے عزیزو تم کہاں اور ہم کہاں
گلشن دوراں کی **حسرت** سیر کر لیں کوئی دم
سالہا اس باغ میں پھولیں گے گل، پر ہم کہاں

گریباں چاک رہ جوں گل چمن میں[2]
مزا ہے زور ہی دیوانہ پن میں
کہاں تک تو سیے گا آہ ناصح
ہزاروں چاک ہیں اس پیرہن میں

دشت میں چلنے کی کر تدبیر ہونا ہو سو ہو
توڑ دیوانے تو اب زنجیر ہونا ہو سو ہو

۱- ہم دم -
۲- اس زمین کے دونوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

غصہ ہووے یا کرے نامے کو میرے چاک چاک[1]
اُس کو خط کرتا ہوں میں تحریر ہونا ہو سو ہو
خواب دیکھا ہے میں تیرے باغ سے لیتا ہوں سیب
تو حسیں ہے مجھ[2] کو دے تعبیر ہونا ہو سو ہو

قبروں سے دور گاڑیو مجھ ناصبور کو[3]
ورنہ رہے گا زلزلہ اہل قبور کو

سرشک و خون مری چشم سے ملے نکلے
مگر یہ پھوٹ کے سینے کے آبلے نکلے

بدن کو جان کو دل کو جگر کو آگ لگی
شب فراق مرے گھر کے گھر کو آگ لگی

شب سینے کو سوز دل مایوس جلا دے[4]
بھڑکے جو ذرا شمع تو فانوس جلا دے
زاہد تو مرے دشمن ایماں کو جو دیکھے
باللہ کہ یہ خرقۂ سالوس جلا دے

ترے بن کس طرح پیارے مری اوقات گزرے گی
ابھی سے دل کو بے تابی ہے کیوں کر رات گزرے گی

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- دے مجھے -
۳- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۴- یہ اور اس کے بعد کے دو شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

بہ رنگ آبلہ اے وائے کیا[1] یہ زندگانی ہے
کہ جس کے پاؤں پڑتے ہیں اُسی کو سر گرانی ہے

اُس زلف میں جا وفات پائی[2]
اس دل نے عجب ہی رات پائی
تو مجھ کو قتل کر کے چھوٹا
میں نے غم سے نجات پائی

تیغ سے مت قتل کر تو اے بت پر فن مجھے
ہوں چراغ صبح بس ہے جنبش دامن مجھے
کیا ہے شکوہ دام کا اور کیا گلہ صیاد کا[3]
کر دیا تو نے اسیر اے الفت گلشن مجھے

تمھیں عالم سے کم فرصت ہم اپنے غم سے کم خالی
غرض اب ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی
اثر سے نالۂ بلبل نہیں ہے کوئی دم خالی[4]
میں ڈرتا ہوں کہ ہو گلشن نہ گل سے یک قلم خالی
جلانا اور جلانا دونوں یہ شانیں تمھاری ہیں
کرم بھی کیجیے مشفق نہیں لازم ستم خالی

خوف کر اس آہ سے ہر چند بے تاثیر ہے
گر نہیں پیکان اس میں لیکن آخر تیر ہے

۱- یہ کیا ۔
۲- اس زمین کے دونوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۳ تا ۴- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

جوں برق ہم کو دور سے جلوہ دکھا چلے[1]
جو آگ بجھ رہی تھی اسے پھر جلا چلے

حسرت نہ بت پرست ہے تو نے خدا پرست
لازم ہے آدمی کو کسی کا تو ہو رہے

کہہ بیٹھے برا منہ سے بھلا اور بھی کچھ ہے[2]
دشنام ہی دے جانو ہو یا اور بھی کچھ ہے
دین و دل و جاں چھین کے میرا وہ ستم گر
کس پیار سے کہتا ہے کہ لا اور بھی کچھ ہے
معشوق گراں گوش کے سوال و جواب میں یہ کیا خوب غزل اس نے کہی ہے :

میں نے کہا عاشق ہوں لگا کہنے کہ کیا ہے
میں نے کہا قرباں ہوں لگا کہنے سنا ہے
میں نے کہا ہوتا نہیں بت رام کسی کا
کہنے لگا ہاں سچ تو یہ ہے سب کا خدا ہے
میں نے کہا تجھ بن میں غضب[3] آفتیں دیکھیں
کہنے لگا **حسرت** ترا دل خوش تو رہا ہے

از بس کہ ہوا تھا یار تو جسرت کا[4]
شہرہ تھا جہاں میں کو بہ کو حسرت کا

---

۱ تا ۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۳- بہت -
۴- یہ رباعی نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

اب اس کے جو خوں سے تو نے فندق باندھی
انگشت نما ہوا لہو حسرت کا

اب ہم نے جو کچھ نہ دیکھنا تھا دیکھا
سب ہم نے جو کچھ نہ دیکھنا تھا دیکھا
منکر مت ہو تمھاری چوری چوری
شب ہم نے جو کچھ نہ دیکھنا تھا دیکھا

---

۱۶۹ - ارمان ، مرزا باقر علی

شیریں زبان، مرزا باقرعلی تخلص **ارمان** ،خلف[1] اور شاگرد حسرت، من کلامہ :

چرچا ہوا ہے گھر گھر اب دیکھیے کہ کیا ہو
دو دن نہ چھپ سکی تو چاہت ترا برا ہو

تا سر بالیں اسے آنا قیامت شاق ہے
یہ دل بیمار جس کا نزع میں مشتاق ہے

---

۱۷۰ - رقت ، مرزا قاسم علی

صاحب استعداد و قابلیت ، مرزا قاسم علی تخلص **رقت** ، ملقب بہ عراق ، شاگرد حسرت :

خط وہ بھیجے رقیب کا لکھا
یہ بھی اپنے نصیب کا لکھا

۱- خلف و شاگرد حسرت ، سنہ -

ہمارے سامنے مت ابر بار بار برس
جو ہم سے ہو سکے تجھ سے نہ ہو ہزار برس
جوان تم ہوئے نام[1] خدا پہ **رقت** تو
گھٹا کے دیکھے ہے اب تک بھی تین چار برس

چھٹ جائے کسی سے نہ ملاقات کسی کی
اللہ بگاڑے نہ بنی بات کسی کی

دوانے اس میں سب نادان و دانش مند ہوتے ہیں[2]
یہ عالم اس نے پایا ہے کہ رستے بند ہوتے ہیں

دیوار گل رخاں کا سایہ مگر پڑا ہے
زاہد بتا تو مجھ کو طوبیٰ میں شاخ کیا ہے

---

۱۷۱ - رسم ، مرزا امام بخش

عزیز خلائق مانند چشم ، مرزا امام بخش تخلص **رسم** ، شاگرد **رقت** - من کلامہ :

آتا نہیں وہ کلبۂ احزاں میں ہمارے
اے نالۂ شب گیر ہوا تیرا اثر کیا
کر آینۂ دل کی مرے دید ذرا تو
اس آینے میں دیکھ تو آتا ہے نظر کیا
بے حال[3] بہت آج اسیران قفس ہیں
گلشن میں صبا لائی ہے کیا جانے خبر کیا

۱- . . . . نام خدا یہ یہ رقت -
۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۳- بے جان -

جب عشق کرے آٹھ پہر خانہ خرابی
آباد ہو اے **رسم** مرے دل کا نگر کیا

---

۱۷۲ - روح ، میر شجاع الدین

کلام[1] سے اس کے دل بستہ کو فتوح ، میر شجاع الدین تخلص **روح** ، شاگرد رقت ۔ منہ :

شیفتہ کس پر ہے تو اٹکا ہے تیرا دل کہاں
سچ بتا ہم کو ہوا ہے **روح** تو مائل کہاں

دار پر کھینچا گیا منصور اپنے ہاتھ سے
حق کے آگے ہو فروغ دعوی باطل کہاں

---

۱۷۳ - قسمت [نواب شمس الدولہ]

عمدہ خاندان و صاحب ہمت ، [ابن] بارگاہ‌قلی خاں ، تخلص **قسمت** ، شاگرد حسرت ۔ منہ[2] :

تو بر سر بازار جہاں جلوہ نما ہو
خورشید فلک بیچنے اپنی سپر آوے

جوں ماہ منور ہو[3] شب تار ہماری
قسمت وہ اگر چاند سی صورت نظر آوے

دیکھا میں جنس دل کے طلب گار تم نہیں
پھرتے ہو بوالہوس سے خریدار تم نہیں

۱- کلام اس کے سے دل کو فتوح ۔
۲- سن کلاسہ ۔
۳- نسخہ انجمن میں سہو کتابت سے ''نہ ہو'' ۔ (مرتب)

کہتا ہے ان کو دیکھ کے چیں برجبیں رقیب
کیا ماجرا ہے مجھ سے تو بے زار تم نہیں
آنکھیں نکالتے ہو عبث مجھ غریب پر[۱]
کہتا ہے کون یہ کہ طرح دار تم نہیں

الٰہی یا تو میرے دامن دل دار ہاتھ آوے
نہیں تو ہاتھ کی اس کے، مرے تلوار ہاتھ آوے

پھر مجھ کو کیا جو غیر کے تم جا کے گھر رہے
میرے تو ساتھ وعدۂ شام و سحر رہے
آتی نہیں کسی کی جو اب تک صدائے پا
واماندگان قافلہ یا رب کدھر رہے

---

۱۷۴ - وحشت

وحشت، شاگرد جعفر علی حسرت، یہ[۲] اس کا جوش طبیعت:
آہ آگے تو نکلتی تھی جگر سے باہر
اب جگر نکلے ہے خود دیدۂ تر سے باہر
کیوں کہ تم گھر سے نہ نکلو گے میاں دیکھیں گے
ہم نکالیں گے تمھیں لاکھ ہنر سے باہر
آہ کس طرح سے دیدار میسر ہووے
پاؤں رکھتا نہیں ہے وہ کبھی گھر سے باہر

۱- یہ اور اس کے بعد کا ایک شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- یہ اشعار اُس سے یادگار -

نکل گھر سے ذرا اے یار مجھ بیمار کی خاطر[1]
کھڑا ہوں منتظر کیسا ترے دیدار کی خاطر

جو کچھ ہم پر ستم کیجے بجا ہے
کہ ہم نے تم کو اپنا دل دیا ہے

---

۱۷۵ ۔ محتشم ، مرزا محمد محتشم

رباعیات[2] سلطان مرزا محمد محتشم بخت بہادر دام اقبالہ :

شاہنشہہ دربار نبی حیدر ہے
اور مخزن اسرار نبی حیدر ہے
ذات حسنین ہے قران السعدین
اور مطلع انوار نبی حیدر ہے

رنگ گل بستان نبی حیدر ہے
بوئے چمنستان نبی حیدر ہے
ہے گلشن اثنا عشری سے ظاہر
گلدستۂ ریحان نبی حیدر ہے

اقلیم[3] سخن وری میں خاقانی ہوں
با نظم سخن عرفیٔ لاثانی ہوں

۱۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

۲۔ یہ رباعیات مخطوطۂ انجمن میں صفحہ ۱۶۹ و ۱۷۰ کے حاشیے پر ترجمۂ وحشت کے ساتھ اضافہ کی گئی ہیں ۔

۳۔ اس رباعی کے پہلے تین مصرعوں میں مندرجہ ذیل ترمیمیں کی گئی ہیں ۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۶۲ پر)

مداح علی ہوں با کلام شیریں
ہم تاجور خسرو سلطانی ہوں

حیدر کی خوش بیانی کیا نکتہ پروری ہے
اعجاز خسروی سے کیا کیا سخن وری ہے
مداح شاہ دیں کا سلطان محتشم ہے
معجز طراز یوں ہی اپنی ہنروری ہے[1]

---

۱۷٦ ـ جرأت ، قلندر بخش

سر دفتر[2] تربیت یافتگان مرزا جعفر علی حسرت ، میاں قلندر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲٦۱)
مصرع اول : ''سخن'' بجائے ''ہنر''
مصرع دوم : پہلے اس مصرع کو یوں لکھا ہے : ''نظم سخن عرفی . . . .'' اور پھر ''نظم'' کی جگہ ''زیب'' لکھا ہے ۔
مصرع سوم : مداح علی ولی ہوں با نظم فصیح
متن ، حاشیہ اور ترمیمات ایک ہی قلم سے ہیں ۔ (مرتب)

۱- نسخۂ انجمن میں صفحہ ۱۹۲ کے حاشیے پر ''سلام محتشم'' کے عنوان سے ذیل کے چار مصرعے درج ہیں ۔

یہ اشک عزا ہو گیا سلک گہر اپنا
ہوتا ہے غم شاہ میں ٹکڑے جگر اپنا
جب غم میں شہ دیں کے ہو آنسو گہر اپنا
پھر کیوں نہ ہو اے مجرئی جنت میں گھر اپنا

۲- نسخۂ پٹنہ میں ''سردفتر'' سے ''. . . . . جرات'' تک کی عبارت ''. . . . کوئی نہیں کہتا'' کے بعد ہے ۔ یہاں نسخۂ انجمن کے مطابق عبارت کی ترتیب رکھی گئی ہے ۔ (مرتب)

بخش متخلص[1] بہ جرأت ۔ پوشیدہ نہیں کہ لفظ "میاں" کا واسطے بزرگیٔ اہل حرفہ اور تعظیم مجہول النسب اور نو مسلم کے واسطے آتا ہے ، اگرچہ بہ سبب استعمال کے ہر شاعر کو کہہ بیٹھتے ہیں مگر مخصوص ان کے واسطے ہے کہ ان کو سوا میاں کے میر صاحب اور میرزا صاحب اور خان صاحب (اورشیخ صاحب) اور لالہ صاحب کوئی نہیں کہتا ۔ (قصہ مختصر) اولاد سے بجے رائے مان کی (ہے) ۔ عین شباب میں آنکھ اس کی نور (بصارت) سے معطل اور[2] حلیہ بصارت سے زائل ہوئی ۔ نابینا اکثر طبیعت کے ثقیل اور گراں ہوتے ہیں مگر وہ سبک وضع اور طبیعت[3] رواں رکھتا تھا ۔ باوجود نابینا ہونے کے شناسائے آواز ایسا (کہ) برسوں کے بعد بھی جس سے ملاقی ہوا (اسے) پہچان لیا ۔ شاعر زبردست ، پر گو اور خوش گو ، خوش اقبال[4] ، اپنے عہد میں تمام شعرا میں بے مثال ، مشاعروں میں سرسبز اوروں پر ، اکثر موزون الطبع لکھنؤ حلقۂ بیعت کے اندر ۔ غزل در غزل کہنا اس کا ایجاد ، ستارہ دانی میں استاد ، فن موسیقی سے خیلے آشنا ، مرد خوش گپ و بامزا ، شیخ ناسخ اسے اور ریختہ گوؤں سے مسلم بلکہ رکن سالم جانتے تھے ۔ میاں مصحفی نے[5] تاریخ اس کی وفات کی جو کہی ہے وہ یہ ہے :

جب قلندر بخش جرأت مر گیا
ریختہ کے دل میں خوں نے کھایا جوش

۱۔ تخلص جرأت ۔
۲۔ اور بے کار ہوئی ۔
۳۔ طبع ملائم رکھتا تھا ۔
۴۔ صاحب اقبال ، تمام شعرا میں بے مثال ، مشاعرے میں . . . . .
موزون الطبع حلقۂ بیعت . . . .
۵۔ . . . . . نے اس کی وفات کی تاریخ یہ کہی ہے ۔

مصحفی نے یہ کہا سال وفات
ہو گئی کیا بلبل نالاں خموش[1]

تاریخ[2] کہی ہوئی شیخ ناسخ کی یہ ہے :

جب میاں جرأت کا باغ دہر سے
گلشن فردوس کو جانا ہوا
مصرعۂ تاریخ[2] **ناسخ** نے کہا
ہائے ہندستان کا شاعر موا[3]

من کلام قلندر بخش جرأت عفی اللہ عنہ[4] :

ہم کچھ اسیر ہوتے ہی خاموش ہو گئے
سب چہچہے چمن کے فراموش ہو گئے

میرے اور اس کے جو پوچھو ربط کیا کیا کچھ نہ تھا
پر دل اس کا پھر گیا ایسا کہ گویا کچھ نہ تھا

آئے جو مرے پاس تو منہ پھیر کے بیٹھے
یہ آج نیا آپ نے دستور نکالا

کوئی آئے کوئی جائے منع کر سکتا نہیں
ہوں تو میں در پر ترے پر صورت دیوار ہوں

۱- ۱۲۲۴ھ - (مرتب)
۲- شیخ ناسخ کی کہی ہوئی تاریخ یہ ہے -
۳- نسخۂ انجمن میں اس مصرع کے نیچے ۱۲۲٦ھ درج ہے جو درست نہیں - اس مصرعے سے ۱۲۲۵ھ برآمد ہوتے ہیں - دونوں نسخوں میں ''ہندوستان'' لکھا ہے، ''و'' کی وجہ سے ٦ کا اضافہ ہو جاتا ہے جو درست نہیں - (مرتب)
۴- من کلام -

دوست ہوں اس کا بھی جو ہے دشمن جانی مرا[1]
وہ نہیں میں جو کسی کے درپے آزار ہوں

ہو گئے سنتے ہی ہم وصل کا پیغام تمام
کام دل کچھ نہ بر آیا کہ ہوا کام تمام
ایک دن ہووے جو رونا تو کہیں جرأت ہم
یاں تو روتے ہی کٹے ہجر کے ایام تمام

ہوا ہے اب تو یہ نقشہ ترے بیمار ہجراں کا
کہ جس نے کھول کر منہ اس کا دیکھا بس وہیں ڈھانکا
سیاہی نزع کے دم کیسی چھا جاتی ہے آنکھوں میں
نظر آتا ہے اب جوں جوں اندھیرا شام ہجراں کا
مجھے جس بزم میں دیکھے ہے جھنجھلا کر یہ کہتا ہے
چلا آتا ہے ہر کوئی عجب کچھ رنگ ہے یاں کا
خدا جانے کرے گا چاک کس کس کے گریباں کو
ادا سے اس کا چلنے میں اٹھا لینا یہ داماں کا
قفس میں ہم صفیرو کچھ تو مجھ سے بات کر جاؤ
بھلا میں بھی کبھی تو رہنے والا تھا گلستاں کا
تماشا ہے کہ جن روزوں میں اس کے اقربا[2] خوش تھے
تو ناحق پھر گیا تھا ہم سے دل اس آفت جاں کا

۱- یہ اور اس کے بعد کے دو شعر نسخہ انجمن میں نہیں (مرتب)
۲- آشنا ۔

ہوا وہ خوش تو اب[۱] لوگوں نے اس کی یہ منادی[۲] کی
نہ[۳] واں جاوے کوئی یاں کا نہ یاں آوے کوئی واں کا

وصل کے دن بھی میں کانپ اٹھوں ہوں بیٹھے بیٹھے
یاد آتے ہیں وہ[۴] صدمے جو شب ہجراں کے

عزیزو وصل میں بھی ہم جو رو رو کر نہ سوتے تھے
سو اندیشہ تھا روز ہجر کا اس دن کو روتے تھے

یہ تو میں کیوں کہ کہوں کچھ نہیں بھاتا ہے مجھے[۵]
کچھ تو بھایا ہے کہ اب کچھ نہیں بھاتا ہے مجھے

صحبت اب یار میں اور مجھ میں ہے جوں شعلہ و خس
جوں جوں میں اس کو بڑھاؤں وہ گھٹاتا ہے مجھے

گلشن دہر میں جوں خار ہے یہ قدر مری[۶]
جس کے دامن سے لگوں میں وہ چھڑاتا ہے مجھے

ق

بارے کچھ جذبۂ دل نے اثر اتنا تو کیا
اب جو آتا ہے وہ مژدہ یہ سناتا ہے مجھے

منہ ترے گھر کی طرف کر کے یہ کہتا تھا وہ شوخ
اس طرف کو کوئی کھینچے لیے جاتا ہے مجھے

۱- پھر -
۲- مناہی -
۳- نہ آوے یاں کوئی واں کا ، نہ جاوے واں کوئی یاں کا -
۴- . . . . جو صدمے وہ . . .
۵ تا ۶- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

پر از گوہر سرشک چشم سے دامان تر پایا[1]
تری دولت سے بس اے عشق ہم نے خوب بھر پایا

دیکھ کر کل لیلی و مجنوں کی وہ تصویر کو
آپ کو گہ دیکھتا تھا گاہ مجھ دل گیر کو

کیوں ہجر کی رات آئے بستر پہ لٹانے کو[2]
پہلوئے تہی بس تھا کچھ یاد دلانے کو
یاں پھونک دیا دل کو واں یار کو بھڑکایا
نالہ بھی قیامت ہے کچھ آگ لگانے کو

جسے کہ موت خیال جمال یار میں آئے
تو پھر بجائے فرشتہ پری مزار میں آئے

نالۂ موزوں سے مصرع آہ کا چسپاں ہوا[3]
زور یہ پردرد اپنا مطلع دیواں ہوا

کچھ بھی مزاج تیرا اے بدگماں بدلا
تیرے مریض غم نے سو جا مکاں بدلا

بندھا جو شب کو خیال نگاہ یار رہا[4]
تو سامنے کوئی کھینچے ہوئے کٹار رہا
کسی نے میری طرف سے جو یہ لگائی بات
کہ شب کو وہ کسی محبوب سے دوچار رہا

---

۱ تا ۴- یہ اشعار نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

تو کیا سنا کے مجھے وہ سبھوں سے کہتا ہے
کسی کے قول و قسم کا نہ اعتبار رہا

گل جو رونے پر مرے ٹک دھیان اس کا لڑ گیا
ہنس کے یوں کہنے لگا کچھ آنکھ میں کیا پڑ گیا

سوز دل سے حال تھا یہ شب ترے غم ناک کا[1]
صبح بستر پر جو دیکھا ڈھیر تھا اک خاک کا

چلبلاہٹ سے وہاں ہر بار اٹھنا بیٹھنا
یاں ہوا ہے ضعف سے دشوار اٹھنا بیٹھنا
کچھ الم کچھ درد ہے کچھ سہو ہے کچھ محو ہے
بھول جاتا ہے ترا بیمار اٹھنا بیٹھنا

سماتی ہے نہ تن میں اور نہ تن کو چھوڑ سکتی ہے
مری جاں آکے آنکھوں میں کسی کی راہ تکتی ہے
بگولا مت کہو پھر نثار ناقۂ لیلیٰ
بیاباں میں یہ آکر روح مجنوں کی بھٹکتی ہے

کچھ منہ سے دو کہ تکتے ہیں ہم بار بار منہ
ورنہ تمھارا نام نہ لیں گے نہار منہ
اے رشک گل کہیں[2] ترا عاشق جو مجھ کو لوگ
مت ہو خفا ہزار ہیں باتیں ہزار منہ

۱- یہ اور اس کے بعد کے تین شعر نسخۂ انجمن میں نہیں۔ (مرتب)
۲- . . . . ترا کہیں . . . .

اس نے لگائے زخم تو اب ہے مقام شکر
کہنے کو وصف یار ہوئے بے شمار منہ

کیا اکیلے ترے بن جائیے اور سو رہیے
تو نہ ہو پاس تو کچھ کھائیے اور سو رہیے

جو اس گلی میں کسی آشنا کا گھر ہوتا
اسی بہانے سے اپنا وہاں گزر ہوتا
جنھوں کا نامہ پہنچتا ہے اس ستم گر تک
انھوں کا کاشکے **جرأت** میں نامہ بر ہوتا

اب نہیں دم لینے کا یارا مجھے
درد و غم عشق نے مارا مجھے
اف نہ کروں نام کو **جرأت** ہوں میں
چیرے اگر عشق کا آرا مجھے

غم فراق سے کٹتی ہے یوں ہماری رات
کہ لوگ دیکھتے ہیں دست و پا کو ساری رات

کون دیکھے ہے محبت میں ہے رسوائی کیا
خواب میں آنے کی بھی تم نے قسم کھائی کیا

بس کہ گلچیں تھے سدا عشق کے ہم بستاں کے
ہوئے نوکر بھی تو نواب محبت خاں کے
کھل نہ جائے کہیں کچھ بات خبر لے ظالم
زیر دیوار پڑا ہے کوئی منہ کو ڈہانکے

جو تم بن کاٹتے ہیں کنج تنہائی میں راتیں ہم[1]
تو کیا کیا جوش وحشت سے کیا کرتے ہیں باتیں ہم

درد و غم نے کیوں کہ پہچانا خدا جانے ہمیں[2]
آج جس کے آشنا ہوں کل نہ پہچانے ہمیں

نہ صبر جی کو نہ تاب دل کو نہ خواب چشم پر آب میں ہے
غم جدائی سے جان میری عجب طرح کے عذاب میں ہے
قلق ہے دل پر فغاں ہے لب پر جگر پہ داغ اور مژہ پہ طوفاں
اجل خبر لے کہ جان واحد عجب طرح کے عذاب میں ہے

ق

کل واقف کار اپنے سے کہتا تھا وہ یہ بات
جرأت کے جو کل رات کو مہماں گئے ہم
کیا جانئے کم بخت نے کیا ہم پہ کیا سحر
جو بات نہ تھی ماننے کی مان گئے ہم

(نہ کسی نے قدر کی جرأت اب کہے شعر گرچہ عجب عجب
جو نہ ہوں گے ہم تو کہیں گے سب کہ بڑا ہی اہل کمال تھا[3])

قطعہ میاں جرأت صاحب[4] :

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۲- نسخۂ انجمن میں ردیف "مجھے" ہے نیز دوسرے مصرع میں "کا" بجائے "کے" - (مرتب)

۳- یہ شعر نسخۂ انجمن میں حاشیے پر درج ہے - (مرتب)

۴- یہ عبارت اور قطعہ نسخۂ انجمن میں نہیں اور نسخۂ پٹنہ میں بھی حاشیے پر اضافہ کیا گیا ہے - (مرتب)

جی میں آتا ہے کہ اُس شوخ کی محفل میں کبھو
ساتھ لے جاؤں میں ایک اور طرح دار لگا
اور یہ عرض کروں جنس ہے دل کی حاضر
قیمت بوسہ میں دیتا ہوں میں ناچار لگا
آپ لیتے ہیں تو لیں ورنہ میں پھر اس کو دوں
ساتھ پھرتا ہے کئی دن سے خریدار لگا

---

۱۷۷ ۔ قوت ، احمد علی

میاں احمد علی تخلص قوت ، خلف اور شاگرد میاں جرأت ۔ منہ :
کیا جانیے دل کس پہ ہے مائل کئی دن سے
جو آپ سے بیگانہ ہے یہ دل کئی دن سے
الفت نے کیا ایک اب اپنا لہو پانی
ہے[1] خون دل اشکوں میں جو شامل کئی دن سے
خوں ریزیٔ قاتل کا جو رہتا ہے خیال آہ
آتے ہیں نظر خواب میں بسمل کئی دن سے

---

۱۷۸ - حقیقت ، میر حسین شاہ

(صاحب ارادت) ، منشی میر حسین شاہ تخلص حقیقت ، (شاگرد جرأت)، ولد میر عرب شاہ ۔ صاحب[2] فضل و کمال ، مولف اور مصنف ہفت نسخہ کا (تذکرۂ احبا تالیف کیا ہوا اس کا ۔ میاں مصحفی اس تذکرے سے کشیدہ خاطر ، اہانت اس کی میاں صاحب کے تذکرے سے ظاہر ۔ امام بخش خاں جن کی فرمائش سے وہ تذکرہ تالیف ہوا تھا ،

۱- ہے خون جگر اشک میں شامل کئی دن سے ۔
۲- اہل ۔

ان کو کاشمیری اور جرأت کو کور موصلی قرار دیا ہے ۔ القصہ سید سابق الذکر) سرکار نواب چینا پٹن مندراج[1] میں عہدۂ منشی گری میں نوکر[2] رہے اور وہیں وفات پائی۔ چنانچہ ہنوز وثیقہ اس سرکار [سے] ان کی اولاد کے واسطے مقرر ۔ یہ اشعار اُس سے یادگار :

کس کے ہیں انتظار میں آنکھیں
کہ کھلی ہیں مزار میں آنکھیں

نہ خفا ہو جو تک رہوں پیارے
کہ نہیں اختیار میں آنکھیں

غم عشق دل کو جلائے گیا
اک آتش ہمیں وہ لگائے گیا

حقیقت وہ کھینچے جدھر تیغ تھا
اُدھر میں بھی سر کو جھکائے گیا

---

۱۷۹ ـ سبقت ، مرزا مغل

(طبیعت اُس کی اعجاز اور کرامت) ، شاعر منتہی مرزا مغل تخلص سبقت ، خلف مرزا اکبر علی ۔ بزرگ اس کے اہل فارس ، میلاد اس کا لکھنؤ ، خوش اخلاق[3] اور نہایت خوش ور تھا ۔ قصیدہ گوئی

۱- مدارس ۔ (مرتب)

۲- . . . . نوکر تھے ۔ بعد اُن کے انتقال کے اُن کی اولاد کے واسطے وثیقہ انگریزی ہنوز مقرر ہے ۔

۳- . . . . اخلاق ، صاحب مذاق ، قصیدہ . . . . جرأت ، غزل میں معاصرین پر . . . . شیخ ناسخ کو . . . . عقیدت - تاریخ اس کی وفات کی تصنیف کی ہوئی ناسخ کی اس پر حجت ۔

میں فخر جرات اور غزل نویسی میں ہم قران پر آسے سبقت ، شیخ امام بخش ناسخ کو اس سے محبت بلکہ عقیدت ۔ یہ تاریخ اس کی وفات کی ناسخ نے کہی ہے :

مرزا مغل کہ بود دلا اوستاد ما
امروز رفت سوئے جناں وا مصیبتا

کردیم بہر سال وفاتش چنیں رقم
شد میرزاے ما ز جہاں وا مصیبتا[1]

من کلامہ :

غم نہیں کچھ[2] شیشۂ دل گر بنے اور ٹوٹ جائے
ہے الم اس کا جو شے بہتر بنے اور ٹوٹ جائے

سوچ میں رہیے نہ کیوں کر قالب انساں کو دیکھ
خاک کے پتلے کا یوں پیکر بنے اور ٹوٹ جائے

کیا کہوں میں[3] ہم دمو میرا کہاں دل لگ گیا
لگ نہیں سکتا کسی کے جو وہاں دل لگ گیا

ناقۂ لیلیٰ جو ٹھیرا وادیٔ مجنوں میں آ
بولی کیا تیرا یہاں اے سارباں دل لگ گیا

اٹھا دیتی ہے تنہائی[4] تری ہم کو جہاں بیٹھیں
کہیں لگتا نہیں ہے جی ، کدھر جائیں کہاں بیٹھیں

قیامت ہو ابھی برپا ، اٹھے ہنگامۂ محشر[5]
سر اپنا رکھ کے زانو پر جو ہم کرتے فغاں بیٹھیں

۱- ۱۲۲۹ھ - (مرتب) ۲- یہ -
۳- اے - ۴- بیتابی -
۵- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

ٹھنی ہے اب یہی دل میں کہ کم کسی سے ملیں
نہ کوئی ہم سے ملے اور نہ ہم کسی سے ملیں

بن[1] تیرے میں کیا کہوں جو مجھ پر گزرا
جو کچھ کہ کہا کسی نے سب کر گزرا
یاں تک کہ گزر گیا میں اپنے جی سے
لیکن نہ ستم سے اپنے تو در گزرا

مت یاد دلا وصل کی تو راتوں کو
پوچھے (ہی) کوئی نہ ان ملاقاتوں کو
پھروں[2] نہیں بات پھر نکلتی منہ سے
کرتا ہوں جب اُس کی یاد میں باتوں کو

شور و افغاں مدام ہم کرتے ہیں
فرقت میں کسی کی آہ دکھ بھرتے ہیں
افسوس ہے اپنی زندگانی افسوس
ہیں نزع میں جیتے ہیں نہ ہم مرتے ہیں

مبقت اتنا تو کس لیے روتا ہے[3]
اور جان تو اپنی مفت کیوں کھوتا ہے
کہتے نہ تھے ہم کہ عاشقی مت کرنا
عاشق ہونے میں ایسا ہی ہوتا ہے

۱- بن تیرے کہوں میں کیا جو مجھ پر گزرا -
۲- نسخۂ انجمن میں "پھر دل میں نہیں . . ." جو سہو کتابت ہے -
(مرتب)
۳- یہ رباعی نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۱۸۰ ۔ شہرت

شاعر خوش آئین ، تخلص شہرت ، شاگرد جرأت ۔ اور[1] کچھ اس کا حال معلوم نہیں ۔ منہ :

ناسہ جو ہاتھ میں لیا میں نے[2]
دیکھ قاصد کو رو دیا میں نے

دو دن کی ہے یہ بات کہ پھرتے تھے جن کے ساتھ
اب قبر پر ہماری جو آن کا گزار ہے
آپس میں یوں وہ کہتے ہیں سب پڑھ کے فاتحہ
شہرت ہے[3] جس کا نام یہ اس کا مزار ہے

---

۱۸۱ ۔ غضنفر ، غضنفر علی خاں

شاعر خوش منظر ، غضنفر علی خاں تخلص غضنفر ، ابن غلام حسین خان کرورہ ، اصل[4] ان کی ہنود ، قوم کھتری ۔ بقول میاں مصحفی شاگرد جرأت ۔ من کلامہ :

تصور میں ہو اس سے دو بدو ہم
کیا کرتے ہیں پہروں گفتگو ہم
کیا اب وہ گریباں ہے کہ جس سے
سدا رہتے ہیں مشتاق رفو ہم

۱۔ نام و نشان اس کا معلوم نہیں ۔
۲۔ یہ شعر نسخہ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۳۔ تھا ۔
۴۔ بقول میاں مصحفی اصل ان کی ہنود ، قوم کھتری ، شاگرد میاں جرأت ۔ یہ اس سے یادگار ہے ۔

کھنچی دیکھی جو کل تصویر مجنوں
تو گویا بیٹھے تھے ہیں[1] دو بدو ہم

کفن دے ہم کو دو آنسو بہانا
کہ بعد از مرگ پائیں آبرو ہم

نہ آیا مرتے دم بھی وہ **غضنفر**
چلے دنیا سے کیا پر آرزو ہم

---

۱۸۲ - غیرت

غیرت[2] ، شاگرد میاں جرأت - یہ اشعار اس سے یادگار :

یا کسی ڈھب سے آپ آؤ جی
یا ہمیں کو کہیں بلاؤ جی

جان آنکھوں میں آ رہی ہے جان
اب تو صورت ہمیں دکھاؤ جی

وہ بگاڑے ہزار ، تم **غیرت**
آپ اس سے نباہے جاؤ جی

---

۱۸۳ - قیس ، مرزا مدارا بیگ

مرزا مدارا بیگ تخلص قیس ، ولد مراد علی بیگ ، کلید بردار روضۂ (مطہرہ) حضرت امام علی الرضا علیہ السلام - ابتدا[3] میں وہ حسرت سے بہرہ ور ، بعد اُس کے جرأت سے مستفید ہوا - یہ اشعار اُس سے یادگار :

۱- اب -
۲- غیرت ، شاگرد جرأت -
۳- ابتدا میں حسرت سے . . . ، مستفید ہوا - یہ اس سے یاد -

میں کہوں کچھ اور تیری گفتگو کچھ اور ہے
ہو گیا کچھ اور میں ، یا آج تو کچھ اور ہے

ایک دن اس دل کے ہاتھوں آ بنے گی جان پر
واں ارادہ اور کچھ ، یاں آرزو کچھ اور ہے

شاید اس گل سے کیا ہے تو نے شب بوس و کنار[1]
آج تو اے قیس تیرا رنگ رو کچھ اور ہے

وصیت ہے ، مرا احوال گر نوع دگر ہووے
تو مجھ کو دفن واں کیجو جہاں اس کا گزر ہووے

چاہت کی لذتوں سے جو لوگ بے خبر ہیں
صد حیف ان کا جینا وہ کون سے بشر ہیں

ہو آنا تیرے کوچے میں اپنا شعار ہے
ملنا نہ ملنا آگے ترا اختیار ہے

سنگ جفا سے شیشۂ دل توڑ تاڑ کر
بس اٹھ چلے[2] نہ کھیل کو پیارے بگاڑ کر

واں وہی ناز کی اک آن چلی جاتی ہے
شدت شوق سے یاں جان چلی جاتی ہے
کون سا رشک چمن باغ سے کرتا ہے سفر
جو صبا بے سر و سامان چلی جاتی ہے

۱۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۲۔ چلو۔

شب فراق میں برہم جو مجھ سے یار رہا
تو میں فراق نصیب اپنے جی کو مار رہا[1]

---

۱۸۴ - کمال ، شاہ کمال الدین

شیریں مقال ، مرد فارغ البال ، شیخ[2] شاہ کمال الدین تخلص کمال ، وطن اس کا صوبہ بہار ، سیارہ شعار ۔ خرقۂ درویشی پذیر آراستہ کر کے سیر بنگالہ وغیرہ کرتا ہوا وارد لکھنؤ ہوا ۔ اگرچہ شاگردی اس کی یکجا[3] معین نہ تھی مگر اخیر اخیر پابند تلمذئ جرأت کا رہا ۔ یہ اشعار اس وارستہ مزاج سے یادگار :

شب وصال میں جب روز غم کی بات چلی
خروش مرغ چمن نے کہا کہ رات چلی

کچھ اور لے نہ چلے ہم تو اپنے ساتھ **کمال**
ہمارے ساتھ فقط اک خدا کی ذات چلی

نہیں خورشید فلک ہم جو چمکتے جائیں
سایہ ساں جائیں جدھر سر کو پٹکتے جائیں
بادہ کش آہ ہے اور دل میں بھری آتش غم[4]
شعلہ بر شعلہ نہ پھر کیوں کہ بھڑکتے جائیں

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۲- شیخ کمال الدین . . . . اس کا بہار . . . .
۳- . . . یکجا نامقرر ، آخر آخر جرأت سے بہرہ ور ، یہ اشعار یادگار ہیں اُس سے ، لکھے جاتے ہیں ۔
۴- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

زلف مشکیں میں جو ہو مثل صبا اپنا گزر
ہم بھی پھر جائیں جدھر کو تو مہکتے جائیں

یہ بھی کوئی بیٹھنے کا بزم میں اسلوب ہے آہ
جوں جوں ہم آگے بڑھیں آپ سرکتے جائیں

میاں او جانے والے آنکھ اٹھا کر ٹک ادھر دیکھو
کوئی تم کو پکارے ہے ذرا منہ پھیر کر دیکھو

کہاں خستہ کو یارو یہاں قسمت لے آئی ہے[1]
نہیں تو مجھ کو دیکھو اور یہ میرا سفر دیکھو

---

۱۸۵ - محنت ، مرزا حسین علی

صاحب مشقت و ریاضت، مرزا حسین علی تخلص محنت[2] ، شاگرد میاں جرأت - من کلامہ[3] :

ہو رقیبوں سے ملاقات اس بت گم راہ کی
اور ترستے ہم رہیں قدرت ہے یہ اللہ کی

کان میں غیر کے جو تو نے کہا سمجھا میں
لے نہ گھبرا تری محفل سے اٹھا سمجھا میں

کیا قہر ہے یہ تیرا مجھ کو رلا کے ہنسنا
پھر تس پر اے ستم گر یوں کھلکھلا کے ہنسنا

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے "محبت" - (مرتب)
۳- یہ اس سے یادگار -

دربار سے اٹھایا اور میں ہنسا تو بولا
ہے سخت بے حیا تو خفت اٹھا کے ہنسنا

ناصح یہ نصیحت نہ سنا میں نہیں سنتا
بک بک کے مرا مغز نہ کھا میں نہیں سنتا

اس بت نے جو غیروں پہ کیا لطف تو یارو[1]
مجھ سے نہ کہو بہر خدا میں نہیں سنتا

رحم آئے نہ کچھ اس بت خوں خوار کے دل میں
جب تک کہ اٹھے درد نہ دو چار کے دل میں

وہ جنس زبوں ہوں میں کہ لیتے ہوئے جس کو[2]
سو سوچ گزرتے ہیں خریدار کے دل میں

کل شب وصل میں کیا جلد کٹی تھی گھڑیاں
آج کیا مر گئے گھڑیال بجانے والے

---

۱۸۶ ۔ مائل ، مرزا محمد یار بیگ

سخن‌ور[3] نیک خصائل ، مرزا محمد یار بیگ تخلص مائل، شاگرد میاں جرأت ۔ من اشعارہ :

۱۔ دونوں نسخوں میں اس شعر کا مصرع ثانی وہی ہے جو پہلے شعر کا ہے ۔ یہاں تذکرۂ ہندی (مصحفی) کے مطابق تصحیح کی گئی ہے ۔ (مرتب)

۲۔ وہ جنس زبوں میں ہوں کہ لیتے ہیں جو مجھ کو ۔

۳۔ نیک خصائل مرزا . . . . مائل ، پہلے شاگرد ہاشمی کا تھا ، بعد جرأت سے مستفید ہوا ۔ یہ اشعار اُس سے یادگار ۔

یہ کہاں مقدور جو اس کو بلا کر دیکھیے
دل میں ہے قاتل کو اپنے آپ جا کر دیکھیے

مائل تجھے اضطرار کیوں ہے
اتنا بھی تو بے قرار کیوں ہے
رونے کا خیال تجھ کو دن رات
اے دیدۂ اشکبار کیوں ہے

پیتا ہوں جام مے کے عوض کاسہ بنگ کا
مائل ہوا ہوں جب سے میں اک سبز رنگ کا

آنکھوں کے سامنے نہ ہو وہ گل عذار حیف[1]
اور اس بغیر میں رہوں جیتا ہزار حیف

رو رو کے میں نے زانوئے حسرت پہ سر رکھا
جب یہ سنا کسی نے کوئی اپنا کر رکھا

کل جو ییں اٹھا مجھ سے وہ باتوں میں بگڑ کر
میں بیٹھ گیا اپنے کلیجے کو پکڑ کر
کیا جانیے ہے راہ کدھر ملک عدم کی
یارب نہ رہے قافلے سے کوئی بچھڑ کر

---

۱۸۷ - مہلت ، مرزا علی

مقتول بے لطفی[1] مرزا لطف علی (تخلص) لطف (شاگرد جرأت) ،
مرزا علی تخلص مہلت ، شاگرد جرأت ۔ نتیجہ اس قضیہ کا یہ کہ

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

لطف علی اور مرزا علی میں بحث شعر و شاعری[1] نے ایسا سر کھینچا کہ نوبت خانہ جنگی بہم پہنچی (کہ) مرزا علی (اس کے ہاتھ سے) قتل ہوگیا - وارثوں نے اس کے مہلت پا کر[2] عوض میں خون مہلت کے لطف علی کو بھی قتل کیا - چونکہ آرزوئے انتقام مہلت کے دل میں تھی ، اس بیت سے اس کے ظاہر -

مرنے کے بعد بھی نہ گئی دل کی وہ طپش
آرام زیر خاک بھی اب خاک کیجیے

---

۱۸۸ - مروت ، میر صغیر علی

پیشہ اس کا طبابت ، (میر) صغیر علی تخلص مروت ، تحصیل علم طب اپنے والد سے اس نے کیا اور[3] شاعری میں اکثر شعرا کا متبع رہا - جو اس کے استاد سے سوال کرتا تھا ، یہ شعر پڑھتا تھا :

تمتع ز ہر گوشۂ یافتم
ز ہر خرمنے خوشۂ یافتم

اخیر[4] اخیر میاں جرأت کی شاگردی پر قناعت کر کے این و آں سے بے نیاز ہوا - من کلامہ :

کیا تو نے وا کیا تھا بند قبا چمن میں
اڑتی پھرے ہے بلبل گل سے خفا چمن میں

ہر سمت اب صبا جو پھرتی ہے خاک اڑاتی
بلبل کے پر پڑے ہیں کیا جا بجا چمن میں

۱- بحث شاعری -

۲- . . . . پا کر مہلت کے خون کے عوض میں مرزا لطف علی کو بھی مارا - آرزوئے . . . . اس بیت سے ظاہر -

۳- . . . . اور سخن گوئی میں اکثر کا . . . .

۴- چوں کہ جرأت سے بھی مستفید ہوا تھا ، اس واسطے اُس کے تلامیذ میں لکھا گیا -

نرگس کی آنکھ تجھ پر پڑتی ہے بے طرح سے
مت وقت شام جانا بھر خدا چمن میں

جیب اپنا گل نے پھاڑا بلبل موئی مروت
کیوں اپنے غم کا قصہ تو نے کہا چمن میں

چھٹتا نہیں ہے دست مصور سے وہ ورق
کھینچی ہے[1] جس پہ اُس نے مرے یار کی شبیہ

غیروں پہ دیکھ دیکھ کرم اُس نگار کا
چیں بر جبیں ہے نقش ہمارے مزار کا

گو مثل گرد باد ہے گردش نصیب میں
پر ہے دماغ عرش پر مجھ خاکسار کا

مجنوں کی خاک لے کے بگولا چلے ہے ساتھ
محتاج کیوں ہو ناقۂ لیلیٰ مہار کا

۱۸۹ ـ رفاقت ، مرزا مکین

مرزا مکین تخلص رفاقت، شاعر[2] خوش تقریر ، شاگرد میاں جرأت۔ من اشعارہ :

خوف سے تیرے نہیں بولتے اغیار سے ہم
ورنہ بھڑ جانے کو موجود ہیں دو چار سے ہم

---

۱۹۰ ـ اختر ، میر اکبر علی

بہتر[3] سخن ور، میر اکبر علی تخلص اختر، پہلے شاگرد میاں مصحفی[4]

۱- ہو ۔
۲- شاگرد جرأت ، من کلامہ ۔
۳- سخن ور بہتر ۔
۴- . . . مصحفی کا تھا اور انجم تخلص کرتا تھا ۔

کا اور تخلص اس کا انجم تھا ، بہ سبب بعض بدگمانی کے میاں صاحب نے اُس سے پہلو تہی کیا ۔ یہ ناتمام واسطے کسب کمال کے جرأت کے پاس[1] آنے جانے لگا ۔ ایک دن اُس نے کہا "تم پہلے شاگرد میاں مصحفی کے تھے ، بے اجازت میاں صاحب کے تمھیں شریک تلامیذ نہیں کیا جاتا ، واللہ اعلم وہ تم سے صاف ہیں یا مکدر" ۔ اختر میاں مصحفی[2] کے پاس گئے اور اُس سے رقعہ لکھوا لائے ۔ سبحان اللہ کیا پاس اور اتحاد تھا اور اب کیا بے اعتنائی اور عناد ہے کہ اُس کا شاگرد اس کے یہاں اور اس کا اُس کے یہاں ، قصہ کوتاہ یہ اشعار اختر[3] کے ہیں :

صاف دل سے بھی جو اُس کو اپنے ہم گھر لے گئے
تو بھی سب دل میں گماں کچھ اور ہم پر لے گئے

یہ تیغ جو کھینچی ہے قاتل اسے کہتے ہیں
تڑپے ہے جو دل میرا بسمل اسے کہتے ہیں
یارب وہ ملے مجھ سے تا لوگ کہیں مجھ کو
ساحر اسے کہتے ہیں ، عامل اسے کہتے ہیں

کس رشک گل سے لگ کر آئی صبا چمن میں
کیا بو مہک رہی ہے اب جا بجا چمن میں

لائی صبا یہ کس کی نکہت چمن کے اندر
چھپتی ہے بوئے غنچہ سو پیرہن کے اندر

۱- . . . پاس گیا اور اس نے . . . .
۲- . . . . مصحفی کی خدمت میں آئے اور ایک رقعہ لکھوا لے گئے .
۳- . . . . اختر کے ۔

ہمارا لے کے خط تجھ سے اگر وہ نامہ بر کھولے
تو کہہ دینا اُسے ٹک دائیں بائیں دیکھ کر کھولے

پھڑکتا رہ گیا مرغ چمن حسرت میں اُڑنے کی
بہ وقت ذبح بھی صیاد نے اُس کے نہ پر کھولے

---

۱۹۱ - محبت ، نواب محبت خان

امیر عالی شان ، نواب محبت خان بہادر تخلص محبت ، خلف الصدق نواب حافظ رحمت خان ۔ فارسی اور ہندی میں سخن ران ، رکن شعر اس سے قائم[1] (جرأت اس سرکار میں بہ صیغہ شاعری نوکر اور عہدۂ اصلاح اس پر مقرر ۔ ایک دن دربار میں کسی نے جرأت سے پوچھا "میاں صاحب تازہ غزل مدت سے آپ کی زبان سے نہیں سنی" ۔ جرأت کے منہ سے بے تامل یہ حرف سرزد ہوا "جو غزل نئی کہتا ہوں وہ نواب صاحب کے دیوان میں لکھی جاتی ہے"۔ اس کا کہنا نواب موصوف نے سن لیا اور نہایت بدمزا ہوئے بلکہ اٹھ گئے۔ شکایت اس کی تنہائی میں جرأت سے بہت سی کی ۔ جرأت نے کہا "یہ سب خرابی نابینا ہونے کی ہے" ۔ قصہ مختصر یہ اشعار اس نام دار سے یادگار) :

نظر کے پڑتے ہی تجھ پر مرا گلہ نہ رہا
کہ دیکھتے ہی تجھے دل میں مدعا نہ رہا

درد کس کا مرے پہلو میں خلش کرتا ہے
یا الٰہی مجھے کیوں رات دن آرام نہیں

۱۔ اس کے بعد نسخۂ پٹنہ میں صرف اتنی عبارت ہے ۔ "میاں جرأت اُن کے ملازم ۔ یہ اشعار اُس وحید روزگار سے یادگار" ۔ قوسین کی عبارت نسخۂ انجمن سے لی گئی ہے ۔ (مرتب)

عاشقی کا تو تری نام ہر اک لیتا ہے
پر محبت سا کوئی عشق میں بد نام نہیں

آرام ایک دن کسی پہلو نہیں مجھے
یا رب یہ کس کے درد سے میں بےقرار ہوں

ہم سے وحشت اسے کیا کہتے ہیں
بے مروت اسے کیا کہتے ہیں
اس قدر یار سے گرمی کرنی
کیوں محبت اسے کیا کہتے ہیں

فتنہ گر تو نے جو ٹک ہم سے چھپائیں آنکھیں
ایسے ہم روئے کہ آشوب کر آئیں آنکھیں
ہو گئی سب پہ مری اور تری چوری ظاہر
تو نے محفل میں جو شب مجھ سے چرائیں آنکھیں

دیر سے مجھ کو نہ کچھ کام نہ کعبے سے غرض
کیا گلہ کرتے ہو اے گبر و مسلماں میرا

الحذر گریہ سے اے شوخ محبت خاں کے
وہ جو رویا تو یہی جانو کہ طوفاں اٹھا[1]

جس کو تری آنکھوں سے سروکار رہے گا
بالفرض جیا بھی تو وہ بیمار رہے گا

۱- ہوگا -

زخم دل کو مرے یوں دیکھ کے بولا جراح
ہائے افسوس یہ ناسور نہیں جانے کا

۱۹۲ - مہر ، منصور خاں

رتبہ میں سپہر ، منصور خاں تخلص مہر، خلف (الصدق) نواب محبت خاں[1] (میاں مصحفی تذکرے میں لکھتے ہیں کہ شاگرد جرأت کا یا قوت کا ۔ مرزا خانی نوازش سلمہ مجھ سے فرماتے تھے کہ "جب منصور خاں کا تخلص مہر مشہور ہوا ، میں نے جرأت سے شکایت بے نہایت کی کہ مدت سے میرا شاگرد یہ تخلص کرتا ہے ، آپ کو مناسب نہ تھا ۔" جرات نے کہا "مجھے معلوم نہ تھا میں نے نقط مہر و محبت کو مربوط دیکھ کر تخلص اس کا قرار دیا ۔" باوجود اس تحقیقات کے منصور خاں صاحب کو جرأت کی شاگردی سے اکراہ اور انکار تھا ۔ یہ اشعار ان سے یادگار) :

یہ زلفیں نہیں ہیں رخ مہ جبیں پر
کہ ہے حرف اب سنبل و یاسمیں پر

خدا نے جو تجھ سا کیا یار پیدا
تو رشک آئے ہے آسماں کو زمیں پر

کوئی دھیان سے جائے ہے نام اس کا
کھدا جس کا ہو نام دل کے نگیں پر

خط نے مسدود کی باغ رخ دل دار کی راہ
بند کانٹوں سے بھی کر دیتے ہیں گلزار کی راہ

۱- اس کے بعد نسخۂ پٹنہ میں صرف یہ عبارت ہے ۔ "بقول میاں مصحفی شاگرد جرأت یا قوت ۔ یہ اشعار یادگار۔" قوسین کی عبارت نسخۂ انجمن سے لی گئی ہے ۔ (مرتب)

۱۹۳ ـ تصور ، سید احسان علی

خوش تفکر ، سید احسان علی تخلص تصور ، شاگرد میاں جرأت ۔ یہ[1] اشعار اس سے یادگار :

صدمۂ غم متصل جب تیرے مائل پر رہے
ہاتھ اس مضطر کا ہر دم کیوں نہ پھر دل پر رہے

مرقد سے مرا ہاتھ قدم بوسی کو نکلے
گر بعد فنا بھی وہ مری خاک پر آوے
لگ جائے تصور کے گلے آ کے وہ بت آج
اللہ کرے اس کی یہ امید بر آوے

مجھے بیتاب آتا دیکھ کر کوچے میں یوں بولا
بھلا کیوں آتا ہے مرنے کو یہ کیا اس کی شامت ہے
تصور گرم جوشی یار کی مجھ کو رلا دے گی
بہت گرمی کا ہونا یہ برسنے کی علامت ہے

غیر کے دل کو کرو تم شاد یوہیں چاہیے
اور مجھ پر اس قدر بیداد یوہیں چاہیے
ذکر[2] شکوے سے بھی میرا تم کبھی کرتے نہیں
واہ کیا دل سے بھلائی یاد یوہیں چاہیے

ہجر و وصال یار سے میرا یہ ملک دل
ویراں ہوا کبھی ، کبھی آباد ہوگیا

۱۔ یہ اس سے یادگار ۔
۲۔ ذکر شکوے کے سوا میرا کبھی کرتے نہیں ۔

لے گئے یوں ترے کوچے سے تصور کو لوگ
جوں اٹھاویں کسی بدمست کو میخانے سے

یہ کہتے ہیں طبیب آ کر سر بیمار پر تیرے[1]
ہمیں آتا ہے رونا اب تو حال زار پر تیرے

---

۱۹۴ - تجمل ، محمد عظیم

محمد عظیم تخلص تجمل ، میاں جرأت سے اس کو توسل۔ من اشعارہ[2] :

کتاب قصہ فرہاد و دفتر مجنوں
یہ دو ورق ہیں مرے عشق کی کہانی کے

---

۱۹۵ - رند ، گنگا پرشاد

روشناس مردم ہند ، لالہ گنگا پرشاد تخلص رند ، شاگرد[3] میاں جرأت، یہ اشعار اس سے یادگار :

مل[4] چکا میں خاک میں اور دل میں تیرے ہے غبار
جان مجھ سے اس قدر کس نے مکدر کر دیا

روتا ہوں چپکے چپکے آتا ہے یاد جس دم
وہ دیکھنا کسی کا نظریں چرا چرا کر

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- من کلامہ -
۳- شاگرد جرأت ، یہ اس سے یادگار -
۴- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے یہ مصرع اس صورت میں ہے - ''مل چکا خاک میں میں اور میرے دل میں ہے غبار'' -(مرتب)

مانتے ہو گر برا معشوق کہنے سے تو جاں
ہم تمھیں مشہور اپنا چاہنے والا کریں

وہی فغاں ہے وہی آہ ہے وہی نالہ
خدا کے فضل سے اپنا جو حال ہے سو ہے

۱۹۶ - حسن ، خواجہ حسن

شاہ شعر و سخن ، خواجہ حسن تخلص حسن ، ابن خواجہ ابراہیم ، نبیرۂ خواجہ کمہاری ، درویش صوفی مشرب ، ہمہ اوست اُس کا مذہب ، مسائل صوفیہ کو نص اور حدیث سے ثابت کرتا تھا ۔ ابتدا میں شاگردی جعفر علی حسرت کا دم بھرتا تھا ، انتہا میں میاں جرأت کا متبع ہوا اور دیوان ضخیم اُس کی استفادت[1] سے ترتیب دیا ، ہر مقطع میں نام بخشی کا کہ اُس کی محبوبہ تھی[2] ، موجود و آشکار ، القصہ یہ اس کے اشعار :

جھٹک کے ہاتھ سے دامن خفا جو یار ہوا
تو وہیں پیرہن صبر تار تار ہوا

یہ دوستی نے حسن اُس کی بخشی کچھ[3] تاثیر
کہ دشمن آج ہر ایک اپنا دوست دار ہوا

کون سا نقصان اس میں آپ کا ہو جائے گا
اس طرف بھی مڑ کے دیکھوگے تو کیا ہو جائے گا

۱- تربیت ۔
۲- . . . . تھی لاتا تھا ۔ یہ اشعار اُس کے یادگار ۔
۳- یہ ۔

جاں بخشی کر حسن کی نزع میں آ کر شتاب
ورنہ یہ ارمان اس کو اے میاں رہ جائے گا

آئینہ دیکھ کے حیراں جو ہوا اپنا آپ
ہم تو تھے محو ترے ، تو نے بھلا کیا دیکھا

وہ تو آیا تھا تماشے کو مرے نزع میں پر[۱]
میں نے اُس وقت بھی اس کا ہی تماشا دیکھا

پہنچا تھا ہاتھ چوری سے رات اُس کے پاؤں تک
پر میرے بخت خفتہ نے اُس کو جگا دیا

بخشی حسن یہ لذت غم اُس کی یاد نے
راحت کا جو مزا تھا وہ ہم نے بھلا دیا

اشک اُس کو نہیں سمجھتے ہم[۲]
جس میں لخت جگر نہیں آتا

---

۱۹۷ - مضطرب ، مرزا علی اکبر

علم و ہنر کا کاسب ، مرزا علی اکبر[۳] تخلص مضطرب[۴] ، قائم مقام میاں جرأت - اصل اس کی عرب ، بزرگوں[۵] کا وطن کابل ، مرد با وضع و ذی اخلاق ، سپاہی پیشہ ، آشنا دوست اور فقیر سے

۱، ۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۳- نسخۂ انجمن میں پورا نام نہیں لکھا صرف ''مرزا علی'' لکھا ہے - (مرتب)
۴- . . . . مضطرب ، اصل . . . .
۵- وطن اجداد کا کابل ، مرد . . . . پیشہ ، فقیر سے اُسے توسل ، شاگرد جرأت - یہ اشعار اس سے یادگار ہیں -

توسل ، رفیق بے بدل ، ندیم بے مثل ، یہ اشعار اُس سے یادگار :

واہ رے شوخیٔ لب اور وہ حسن نمکیں
قدرت حق سے ہوا کان نمک سے مونگا

طائر دل گر اسیری کی تمنا ہے تو جا
بال ہے اُس کی کمر اور تاف پھندا بال کا

بال آیینے میں پڑ جائے جو زلفیں کھولیں
نازکی ختم ہے ان[1] آینہ رخساروں پر

کیا کیا مری خموشی نے کیں پردہ داریاں
دل سے نہ آرزو کبھی آئی زباں تلک

سمجھو نہ چشم تر میں مرے لخت ہائے دل
پیدا کیے ہیں لعل خدا نے یہ آب میں

زیر خنجر حسرت آ گیں دیکھ کر میری نگاہ
رو دیا جلاد نے جب چار آنکھیں ہو گئیں

سفر تو نے کیا اور کوچ دنیا سے کیا میں نے
جہت میں منزل اول میں آگے بڑھ گیا تجھ سے

واہ رے دزدیدہ وہ اس کی نگاہ
ہائے رے وہ آنکھ شرمائی ہوئی

۱- . . . . ، ان چاند سے رخساروں پر ۔

بزم میں آیا جو ذکر حسن یار
شمع انگشت شہادت ہو گئی

وصال یار سے دونا ہوا عشق
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

ہے مضطرب جو ذوق شہادت تو جوں حسین[1]
زخموں کے لب پہ نعرۂ ھل من مزید ہے

قتل جو منظور ہو آجا ادھر
ہے یہی ابرو کا اشارا مجھے

دیکھ بے داد دم ذبح تری او[2] جلاد
تھی زبان ملک الموت بھی دنداں کے تلے

چشم نرگس کی ملی، گل کے ملے گوش مجھے
دہن غنچہ دیا اور کیا خاموش مجھے

سجدہ کیا جب تہہ محراب تیغ
عشق کے سب فرض ادا ہو گئے

کون سی کم بخت گھڑی تھی وہ آہ
پھر نہ ملے جب سے جدا ہو گئے

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- اے -

یار کی پیش نظر رہتی ہے رفتار جو اب
لا کھ اٹھکیلیوں سے آنکھوں میں خواب آتا ہے

افتادگی سے کھاتے ہیں کس کس کی ٹھوکریں
تقدیر ایک ہے مری اور سنگ راہ کے

(کہا جو میں نے کہ جاتے سو ذبح کر کے کہاں
مرے تڑپنے کی سیر او میاں نہیں کرتے
توکہتے کیا ہیں کہ ہم قاتلوں میں رسم یہ ہے
نگاہ مڑ کے سوئے کشتگاں نہیں کرتے)

---

۱۹۸ - بہجت ، مکھن لال

مکھن[۱] لال کایتھ ، شاگرد میاں جرأت ، تخلص بہجت - یہ ان کا کلام :

خوبرویوں کی خموشی میں بھی سو گھاتیں ہیں
یہ جو ہے کم سخنی اس میں بہت باتیں ہیں

عشق کے دریا میں ہم نے جیسے مارے ہاتھ پاؤں
دل تمھارا جانتا ہے اور ہمارے ہاتھ پاؤں

---

۱۹۹ - مظہر ، مرزا مظہر

جوان خجستہ سیر، مرزا مظہرتخلص مظہر، خلف الصدق مرزا

۱- نسخۂ پٹنہ میں ترجمۂ بہجت نہیں ہے - (مرتب)

علی اکبر[1] مضطرب ، ہنروری کا طالب ، معدن لطف و اخلاق۔
یہ شعراس کے مشہور آفاق ۔ منہ :

مکرر دست قدرت نے لکھا روئے کتابی پر
نہ ہاتھ آیا جو مصرع مصرع ابروئے جاناں کا

پیتے ہیں مست کاسۂ سر میں مرے شراب
یہ خط سر نوشت خط جام ہو گیا
جلتی ہیں اشک گرم سے آنکھیں مری مدام
یاں آب گریہ روغن بادام ہو گیا

نفس کی آمد و شد میں چلی جاتی ہے عمر اپنی
ہوا پر کارخانہ ہے طلسم زندگانی کا

کوئی مر جائے گا مت بال کھولو
وبال اپنے نہ لو سر پر کسی کا

صرصر غم ، خاک ذلت ، آب اشک و نار عشق
یہ ملے عنصر مرا پتلا بنانے کے لیے

ق

جس کو وحشت میں بیاباں مرگ کرتا ہے فلک
بھیجتا ہے ابر اس کے شامیانے کے لیے

۱- . . . . اکبر ۔ یہ اشعار اس سے یادگار ۔ یہ مضمون فارسی ہے ، پہلے فقیر محمد خان گویا نے اس پر تصرف کیا ، بعد اس کے اس عزیز نے ۔

ہر برس سیلاب بھی آتا ہے اس کی قبر پر
چادر آب رواں لے کر چڑھانے کے لیے

دیکھ گلشن میں ترا قامت موزوں اے گل
دار قمری کے لیے سرو گلستاں ہو جائے

جھانکتا تھا روز در سے جو وہ خورشید رو
دھوپ لگتی تھی مجھے دیوار کے سایے تلے

جنوں ختم کر جلد کار گریباں
کہ دامن کو ہے انتظار گریباں

قتل کر کے مجھ کو اے ظالم نہ دھو تلوار تو
خون عاشق لقمۂ شمشیر قاتل چاہیے

نہیں ہے شعلۂ رخسار جاناں دیکھنا اے دل
چراغ حسن یہ روشن ہوا ہے طاق ابرو میں

آرسی لے کے جو وہ محو خود آرائی ہو
دیدۂ جوہر آیینہ تماشائی ہو

---

۲۰۰ - قتیل ، محمد حسن

شاعر بزرگ و جلیل ، محمد حسن متخلص بہ قتیل۔ فخر قاخر مکین، یادگار شیخ علی حزین۔ تصنیفات سےاس کی خاص و عام بہرہ ور، نو مسلم اور مسلم الثبوت مثل اس کے کم تر ، واسطے دریافت کرنے محاورات اہل زبان کے برسوں ملک اصفہان میں رہا اور خوب[1] اسے دریافت

۱- . . . . خوب دریافت کیا

اور معلوم کیا۔ (حکایت : نواب یمین الدولہ وزیر الممالک سعادت علی خاں بہادر نے معرفت میر انشا اللہ خان کے اسے یاد فرمایا۔ اس نے کہا "پگڑی باندھ کر نہ جاؤں گا"۔ اس قدر شناس نے عذر اس کا قبول اور ترک ادب کو معاف فرمایا۔ دو ایک ساعت اس سے صحبت رکھی ، وقت رخصت لبادہ ملبوس خاص تھا ، عطا فرمایا۔ وقت برآمد ہونے کے سایل کو وہ ملبوس خاص اس نے ایثار کیا۔ نواب نام دار کو بے قدری ملبوس خاص ناگوار ہوئی۔ دوسری بار حکم اس نے حاضر ہونے کا دیا۔ میر انشا اللہ خاں بہ منت و خوشامد اسے لے گئے۔ نواب صاحب نے خلعت گراں بہا اس کے دینے کو منگوایا۔ جب تحویل دار مع خلعت حاضر ہوا ، فرمایا "جتنے کا یہ خلعت ہو قیمت اس کی مشخص کرکے زر نقد لاؤ۔" جب زر نقد حاضر ہوا ، کہا "نہیں خلعت بھی لاؤ۔" اس عقیل نے یعنی قتیل نے دریافت کیا کہ "یہ عوض اس کا ہے جو پہلے مجھ سے سر زد ہوا ہے کہ ملبوس خاص کو تلف کیا اور سایل کو دیا۔" عرض کی "خداوند نعمت جو بندہ طلب کرے وہ عنایت ہو۔" فرمایا "کہو۔" اس نے کہا " پھر بندہ حضور پر نور میں طلب نہ ہو۔" حضور سرگراں ، میر انشا اللہ خاں انگشت بہ دنداں، یہ اپنی آمد و رفت سے نہایت پشیماں ، آداب بجا لا کر روانہ ہوا)۔ چونکہ مولد اس کا ہندوستان تھا ، بہ حکم کل شئی یرجع الی اصلہ ، کبھی کوئی مصرع یا بیت زبان ریختہ میں بھی کہتا ، چنانچہ یہ شعر (ہندی اس مرحوم و مغفور سے یادگار) :

زنگی بچے کا حسن عدیم المثال ہے
ثانی جو اس کا ہے تو کوئی خال خال ہے

اگرچہ یہ شعر اس کا دون مرتبہ ہے مگر یہ کہ ہندی گویوں کا تذکرہ ہے اور اکثر ہندی گو اس کے شاگرد ہیں ، اس واسطے

لکھا گیا۔

---

۲۰۱ ۔ قمر ، قمرالدین احمد خاں عرف مرزا حاجی

بدر سپہر خوش گوئی ، قمرالدین احمد خاں عرف مرزا حاجی ، تخلص قمر ، خلف الصدق مرزا جعفر حسن ۔ اخلاق میں بے عدیل ، شاگرد محمد حسن قتیل ، یہ[1] اشعار اُس سے یادگار ہیں[2] :

صلح کرتے ہوئے وہ بر سر جنگ آ ہی گیا
عشق کا نام بُرا ہے اُسے ننگ آ ہی گیا

۱۔ یہ اس سے یادگار۔

۲۔ نسخۂ پٹنہ کے حاشیے پر مندرجہ ذیل عبارت اور اشعار اضافہ کیے گئے ہیں ۔ تیسرے شعر کے فحش الفاظ قلم زد کر دیے گئے ہیں ۔ (مرتب)

"مرد حسن پرست ، امرد نواز ، لوطیوں میں ممتاز :

لوطیوں میں شہرۂ آفاق ہوں
بچہ بازی میں نہایت طاق ہوں

اے قمر یوں تو بہت ہیں مہہ جبیں
لاڈلے خیراتی کا مشتاق ہوں

. . . . سے تو باز آتے نہیں
لاکھ . . . . . ہوں تو گھبراتے نہیں

لاڈلے پرشاد تو گنگا گئے
تم بھی اے خیراتی خاں آتے نہیں

اب منا لاؤ اسے جاکر قمر
بچہ بازی کر کے شرماتے نہیں"

لوگ کہتے ہیں قمر اپنا گلا کاٹ موا[1]
آدمی تھا غم ہجراں سے بتنگ آ ہی گیا

گر لے چکا ہے اذن مرے ماہتاب[2] سے
زاہد لگا دے منہ کو خم آفتاب سے

کیوں کر نہ اس کی دوری میں بے نور چشم ہو
وابستہ ہے فروغ قمر آفتاب سے

میرے اور اس کے ٹھہر گیا ہے جو طور وصل
اے دل بگاڑ تو نہ اپنے اضطراب سے

ہنسنا ترا بجا ہے مجھے بے قرار دیکھ[3]
واقف نہیں تو دل کے ابھی اضطراب سے

دل اس کا میرے دل سے بھلا کس طرح ملے
مطلق نہیں ہے سنگ کو نسبت حباب سے

افتادگان کوئے محبت سے پوچھیے[4]
بہتر ہیں خار و خس انھیں مخمل کے خواب سے

جاتا کہاں ہے ایسا جلو ریز اے سوار
وابستہ میری جان ہے تیری رکاب سے

ساقی سمجھ کے نرگس مے گوں کا اپنے مست
دیتا ہے بھر کے مجھ کو گلابی گلاب[5] سے

منہ اس کے چڑھ کے کیوں نہ گھٹے ماہ چار دہ
خورشید کا مقابلہ اور ماہتاب سے

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- نسخۂ پٹنہ میں سہو کتابت سے ''آفتاب'' ہے - (مرتب)
۳،۴- یہ اشعار نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۵- نسخۂ انجمن میں ''شراب'' ہے جو سہو کتابت ہے - (مرتب)

بے تابیوں کی مشق بڑھی یار بن بہت
بس اب اٹھاؤ ہاتھ قمر صبر و تاب سے

---

۲۰۲ - صادق ، نور علی بیگ

آگاہ حقائق، نور علی بیگ تخلص صادق ، (جوان) و جیہہ وشکیل ، شاگرد قتیل ، من کلامہ :

خدا جانے وصال اُس کا میسر کب تلک ہووے
دلا بیہودہ تجھ کو اتنا غم کھانے سے کیا حاصل

عشق میں جب سے پڑا اس دل ناشاد سے کام
ہے مجھے نے کی طرح نالہ و فریاد سے کام
باغباں سے نہیں وابستہ غرض کچھ اپنی
جوں[1] گرفتار قفس رکھتے ہیں صیاد سے کام
میں کسی کے قد موزوں کا ہوں عاشق قمری
نہ تو کچھ سرو سے مطلب نہ ہے شمشاد سے کام
سخت مشکل ہے فن شعر کا آنا **صادق**
چاہیے نت رہے شاگرد کو اُستاد سے کام

---

۲۰۳ - سید ، میر محمد علی

زاہد و عابد ، میر محمد علی تخلص سید ، صاحب تحصیل ، شاگرد قتیل ، من اشعارہ[2] :

۱- ہم -
۲. یہ اشعار اُس سے یادگار ہیں ۔

جدا وہ جب سے ہوا ہے کنار سے میرے
گیا ہے دل ہی مرا اختیار سے میرے
ترے بغیر جو گزری ہے میرے دل پر رات
وہ پوچھ اس دل امیدوار سے میرے
دل ستم زدہ جلتا ہے قبر میں شاید
دھواں اٹھے ہے جو اب تک مزار سے میرے

جا سینے میں کس طرح نہ دیں تیری سناں کو
آرام اسی میں ہے دل غمزدگاں کو
پہلو سے دل زار تو جاتا ہے کہاں ہائے
تنہائی میں یاں چھوڑ کے مجھ سوختہ جاں کو
یوں[1] دیکھے تنہا یار اپنے کو **سید** دم آخر
جو رو دیا دیکھ اس کی میں چشم نگراں کو

---

۲۰۴ - اختر[2]، قاضی محمد صادق خاں

آسمان فضل و ہنر، قاضی محمد صادق خاں تخلص اختر، سلسلہ ان کے نسب کا خواجہ عبداللہ احرار تک پہنچتا ہے، اپنی اصل و نسل پر فخر و ناز رہتا ہے۔ مولد اجداد اول عربستان، بعدہ ترکستان، ترکستان سے دہلی، دہلی سے بنگالہ۔ عہدۂ قضا و خدمت صدرالصدور اس کے خاندان میں مفوض اور مقرر، علوم دوازدہ گانہ میں مشہور اور نامور۔ تصنیفات اور تالیفات اس کی چہار دانگ ہندوستان میں مشہور، چنانچہ تذکرۂ آفتاب عالم تاب و بہار اقبال و مفید المستفید و محامد[3] حیدر و گلدستۂ محبت و بہار بے خزاں و لوامع النور۔ قصہ کوتاہ وہ

۱- یوں دیکھتا تنہا یار کو سید دم آخر۔
۲- نسخۂ انجمن میں ترجمۂ اختر نہیں ہے۔ (مرتب)
۳- صحیح نام ''محامد حیدریہ'' ہے۔ (مرتب)

صاحب تحصیل نثر و نظم میں شاگرد محمد حسن قتل ۔ تاریخ ولادت عدد لفظ "اختر"[1] ۔ پیش ازیں وہ نامور خدمت منشی گری صاحب کلاں لکھنؤ سے ممتاز تھا ، بعد اس کے شاہ زمن غازی الدین حیدر نے گھر سے اس کو طلب کیا اور عہدہ تالیف و تصنیف پر ہزار روپیہ کا نوکر رہا ۔ بعد برہمی عہد دولت حضرت خلد مکاں ضلع کان پور میں نوزدہ سال عہدۂ تحصیل داری پر مامور رہا ۔ حالیا عرصہ دو سال سے وارد لکھنؤ ہے ۔ یہ اشعار دیوان ہندی سے لکھے جاتے ہیں ۔ یہ قصیدہ کہ مقابلے میں مرزا سودا کے قصیدے کے ہے :

کہاں تک مثل ہد ہد خواہش تاج جہاں بانی
ہوا پریاں پر ہر مور ہے تخت سلیمانی

شکست آرزو کھاتا ہوں ساق کے سبب ورنہ
حصیر قصر ہے میرا سر پیشانی (کذا)

بظاہر گو غبار آلود عصیاں ہوں وائے زاہد
یہاں ہے نور اس ظلمت میں جوں آیات قرآنی

قدم ہرگز رکھوں باہر نہ گھر سے مثل آیینہ
سکندر بھی مری دعوت کرے گر بہر مہمانی

گریباں گیر مطلب اہل دنیا سے نہ ہوں گا میں
کہ اپنی چارہ ساز درد دل ہے دامن افشانی

ہنر مندوں کی ہے افتادگی باعث ترقی کا
سدا ہے دستگیر گوہر شہوار سلطانی

غزل :

پاؤں پھیلانا کہاں دشت جنوں بے کار تھا
دامن صحرائے وحشت بھی گریباں وار تھا

---

[1] ۱۲۰۱ھ ۔ (مرتب)

عمر بھر پست و بلند دہر ہم دیکھا کیے
دیدۂ گستاخ اپنا سخت نا ہموار تھا
یاد میں اس دلبر میکش کی اختر رات بھر
دیدۂ خوں بار اپنا ساغر سر شار تھا

غافل احوال جہان گزراں کیا جانے
گل تصویر بھلا فصل خزاں کیا جانے
چشم فانی کو نہیں رتبۂ جاں کچھ معلوم
منزلت آینہ کی آینہ داں کیا جانے
امتحاں ہے نہ ہوا کیجیے اختر پہ خفا
تو گرفتار ہے وہ لطف نہاں کیا جانے

نظر میں جلوہ گر عارض ہے کس خورشید تاباں کا
کہ ہے تار شعاع مہر ہر مو اپنے مژگاں کا
بڑھایا اس قدر القاب اس کا ہم نے نامے میں
کہ خامہ عمر بھر عاشق رہا تحریر عنواں کا

کل چمن میں یار جو آ کر خراماں ہو گیا
پر تو مہ سایۂ سرو گلستاں ہو گیا
لطف بے حد سے ترے سب دشمن جاں ہو گئے
ابر رحمت ہائے میرے حق میں طوفاں ہو گیا

رہنما جو عشق میں نور محبت ہو گیا
دل ہمارا موسیٔ طور محبت ہو گیا
مہر و الفت کے عوض جور و جفا بھی اب نہیں
اس قدر تو یار معذور محبت ہو گیا

ہے بھرا دل میں جو اختر ذوق آتش طلعتاں
سینہ اپنا مشرق نور محبت ہو گیا

دھیان ہے دل کی طرف اُس کی نگاہ ناز کا
شور ہے صید حرم تک جس شکار انداز کا
پائے بند زینت دنیا دل روشن نہیں
رنگ گل مانع ہوا شبنم کی کب پرواز کا

جگر آتش ، دل آتش ، دیدۂ تر شعلۂ آتش
ہوا ہوں سوز الفت سے سرا سر شعلۂ آتش
پکا دیتی ہے دامان فلک کو ایک دم بھر میں
ہماری آہ کے کب ہو برابر شعلۂ آتش
یہ کس کی یاد قامت نے لگائی آگ سینے میں
کہ ہے شکل صنوبر آہ کا ہر شعلۂ آتش

عادت گرم روی اہل فنا رکھتے ہیں
برق ساں اس لیے آتش تہ پا رکھتے ہیں
جان دی ہم نے، ہوئی تب غم ہجراں سے نجات
عقلا اس لیے کچھ چیز . . . .[1] رکھتے ہیں

آہ آتش دم جو شمع خانۂ زنجیر ہو
اشک کا ہر قطرہ واں پروانۂ زنجیر ہو
قصے دیوانوں کے جو تیرے سنے، اُس کے لیے
حاصل خواب عدم افسانۂ زنجیر ہو

۱- ایک لفظ جو واضح نہیں - (مرتب)

آدمی کا ذکر کیا ، ہو شیر کا بھی زہرہ آب
گوش زد جب نعرۂ مستانۂ زنجیر ہو

یاں خضر بھی از جملۂ گم کردہ رہاں ہے
معلوم نہیں منزل دل دار کہاں ہے
آمد شد عالم کو جو دیکھا بہ تامل
اک شیشۂ ساعت ہے کہ ریگ اس میں رواں ہے
ہے بزم کسی کے رخ پر نور کا جلوہ
جو شمع کی انگشت تحیر بہ دہاں ہے

ساغر لعل لب یار کے مے نوش ہیں ہم
بخت یاور ہے تمنا سے ہم آغوش ہیں ہم
بلبلو نغمۂ درد ایک بھی ہم نے نہ سنا
مثل گل گرچہ چمن میں ہمہ تن گوش ہیں ہم
جان دے کر در جاناں سے اٹھیں گے اختر
بوالہوس ہم نہیں الفت میں وفاکوش ہیں ہم

اشکوں کو سدا بے سروپا ہی دیکھا
نالوں کے تیر کو خطا ہی دیکھا
حیرت رہی وصل میں بھی ہم کو اختر
گزری عمر اور نہ دیکھنا ہی دیکھا

پہلے صاف شراب میخانہ ہوئے
پھر درد ہوئے اور نہ پیمانہ ہوئے

تقصیر جنوں نہ جرم الفت **اختر**
ہم نیروے عقل سے دیوانہ ہوئے

۲۰۵- عاشق ، عباس علی

میر و پر ہنر ، مولوی عباس علی تخلص عاشق[1] ، شاگرد قاضی محمد صادق ، یہ اُس سے یادگار :

خط میں مضموں جو لکھا یار نے بے زاری کا
کام ہر سطر نے یاں دل پہ کیا آری کا

خندۂ گل کی صدا سن کے نہ ہنس مرغ چمن
اُس کو نقارہ سمجھ کوچ کی طیاری کا

تھک گیا دشت میں عرفاں کے مرا ناقۂ روح
ہو برا تن کے کجاوے کی گراں باری کا

نہ فراموش ہے اب یاد ، نہ اب یاد ہے یاد
ہوش بے ہوشی کا ہے مجھ کو نہ ہشیاری کا

نجد کے دشت کا ہر جادہ ہوا ہے **عاشق**
کہہ رہا حال ہے مجنوں کی دل افگاری کا

ہوش باقی رہا نہ بے ہوشی
آ گئی ایسی کچھ فراموشی

ساتھ نالے کے جاں روانہ ہوئی
کیا فغاں تھی کہ لائی خاموشی

۱- نسخۂ انجمن میں ترجمۂ عاشق نہیں ہے - (مرتب)

آ کے دنیا میں کچھ نہ کام کیا
غیر وجد و سماع و مے نوشی

۲۰۶۔ تسکین[1]، جوالا پرشاد

نثر اور نظم میں اُستاد، مدبرالدولہ راجہ جوالا پرشاد، مخاص الخاص سلاطین، تخلص تسکین، شاگرد قتیل، یہ شعر اُس سے یادگار:

مجھ کو میرے ہی دل زار نے سونے نہ دیا
رات بلبل کو غم خار نے سونے نہ دیا

کروٹوں ہی میں سحر کی شب تاریک فراق
کسی کروٹ دل بیمار نے سونے نہ دیا

یاد کر اُس کے بنا گوش و لب سرخ کو رات
صبح تک دیدۂ بیدار نے سونے نہ دیا

کیا بہار آئی جو ہمسائے کو رات اے تسکیں
تیری زنجیر کی جھنکار نے سونے نہ دیا

اس رخ مصفا پر خط کا اب غبار آیا
تھا لکھا جو قسمت کا میرے روبکار آیا

لالہ ساں جو دل میرا داغ داغ ہوتا ہے
ہوتا ہے یقیں مجھ کو موسم بہار آیا

طلائی رنگ ایسا ہے دلا رخسار جاناں کا
کہ اُڑتا رنگ ہے ہر ہر گھڑی مہتاب تاباں کا

۱۔ مرد عقیل، خاص الخاص سلاطین، مدبرالدولہ راجہ جوالا پرشاد تخلص تسکین، شاگرد مرزا قتیل من کلامہ۔

۲۰۷- عشق ، شاہ رکن الدین عرف شاہ گھسیٹا

سرگروہ[1] فقرا ، شاہ رکن الدین معروف بہ شاہ گھسیٹا ، تخلص عشق ، ساکن عظیم آباد ۔ من کلامہ[2] :

تیر کے نام پر تڑپتا ہے
اس طرح کا کہیں جگر دیکھا

اس کے دامن تلک نہ پہنچے ہم
خاک میں آپ کو ملا دیکھا

ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا
نہ دیکھا سو دیکھا جو دیکھا نہ دیکھا
وہ آیا نظر بارہا پر کسی نے
یہ حیرت تھی اس کا سراپا نہ دیکھا

خانماں کر چکا ہوں میں برباد
تو بھی وہ میرے گھر نہیں آتا

کیا کیا جفائیں ظالم میں نے تری سہیں ہیں
لیکن شکایتوں سے لب آشنا نہیں ہیں

۱- نسخۂ انجمن میں عشق ، فدوی مستمند اور محترم کے تراجم صفحہ ۱۳۰ و ۱۲۸ پر ہیں (میاں مداری وغیرہ کے بعد) ۔ ان تراجم سے پہلے حاشیے پر یہ عنوان ہے ۔ "شعرائے عظیم آباد" ۔ (مرتب)

۲- یہ اس سے یاد ۔

۲۰۸- محترم ، خواجہ محترم علی خاں

معزز[1] اور مکرم ، خواجہ محترم علی خاں تخلص محترم[2] ، ساکن عظیم آباد ، شاگرد شاہ گھسیٹا عشق ۔ منہ[3]

اے محترم اتنی اشک باری
کھل جائے ہے ابر بھی برس کر

پیغام پھر جنوں کے آنے لگے ہیں مجھ تک
شاید بہار کے دن نزدیک آن پہنچے

۲۰۹- فدوی ، مرزا محمد علی عرف مرزا بھجو

مشتاق[4] اور منتہی ، مرزا محمد علی ، لقب مرزا بھجو ، تخلص فدوی[5] ، عظیم آبادی ، شاگرد عشق :

گالیاں کیوں کر نہ دیوے تو نے **فدوی** چھیڑ چھیڑ
ایک تو وہ تھا ہی ، اس کو اور بد خو کر دیا

گلہ آپس میں ایسا بھی کبھو تھا
تکلف بر طرف ایسا ہی تو تھا

۱- خواجہ سراؤں میں مکرم ۔

۲- نسخۂ انجمن میں ترجمۂ محترم ، ترجمۂ مستعد کے بعد ہے ۔ (مرتب)

۳- یہ اس سے یادگار ہے ۔

۴- مرزا محمد علی مشہور بہ مرزا بھجو ، تخلص فدوی ، شاگرد شاہ گھسیٹا عشق عظیم آبادی ۔ یہ اس سے یادگار ۔

۵- نسخۂ انجمن میں ترجمۂ فدوی ، ترجمۂ عشق کے بعد ہے ۔ (مرتب)

شب ہجراں کی اور تو فدوی
ہمیں ۔ تقریر کر نہیں آتی

پر یہ وہ رات ہے کہ جس کی ہمیں
صبح ہوتی نظر نہیں آتی

۲۱۰۔ مستمند ، یار علی خاں

کلام[1] اس کا عام پسند ، یار علی خاں تخلص مستمند ، شاگرد مرزا بھجو فدوی ۔ من کلامہ :

نزع اک وصل کی ہے یار امید
ہے مثل ایک دم ہزار امید

۲۱۱- مصدر ، میر ماشا اللہ خاں

طبیب حاذق ، شاعر بہتر ، مرد نام آور[2] ، عالی گوہر ، میر ماشا اللہ خاں تخلص مصدر ، فضیلت اور حکمت ان کی غایت اشتہار سے محتاج بیان کی نہیں ۔ اجداد ان کے متولی نجف اشرف کے تھے ۔ کبھی کبھی فکر شعر بھی کرتے تھے ۔ چنانچہ یہ ان سے یادگار :

خدا کرے کہ مرا مجھ سے مہرباں نہ پھرے
پھرے جہاں تو پھرے پر وہ جان جاں نہ پھرے

نہ یہی فتنہ قد و قامت ہے
ہنس کے بھی دیکھنا قیامت ہے

۱- یار علی تخلص مستمند ، مرزا بھجو فدوی سے بہرہ مند ، ساکن عظیم آباد ، من کلامہ ۔

۲- . . . . نام آور ، میر ماشا اللہ . . . .

۲۱۲- انشا ، میر انشا اللہ خاں

شاعر زبردست ، شیریں زبان ، ہمہ گو ، ہمہ دان ، بقراط عہد، ارسطوے زمان ، ندیم فہیم (صاحب ذہن سلیم) ، ظریف یکتا ، حریف بے ہمتا ، میر انشا اللہ خاں[1] تخلص انشا۔ خلف الصدق میر ماشا اللہ خاں ۔ وطن اس کے بزرگوں کا نجف اشرف ، علم[2] و فضل میں معاصرین پر اسے شرف ۔ مولد اس فیض بنیاد کا مرشد آباد ۔ خاص الخاص وزیر الممالک یمین الدولہ نواب سعادت علی خاں بہادر کا ۔ سابق میں حکم نواب سے مکان ان کی سکونت کا رمنہ تھا ، یہ بہ سبب اطاعت کے وہاں مقیم ، لیکن مفارقت احباب سے خاطر سقیم ۔ ایک روز نواب بہادر کسی اردلی سے گرم ناز و نیاز اور یہ دور سے نظارہ باز ، نواب کو اس وقت یک حجاب سا آیا ، یہ ظریف[3] موقع پہچان کر زباں پر لایا "یہ خادم (سرکار) بہ سبب[4] سکونت رمنہ کے مثل بہا ئم ہو گیا ہے ، اس سے حجاب و تشویش ناروا ہے" ۔ اسی وقت نواب بہادر[5] نے مکان ان کی سکونت کو شہر میں طیار اور وہاں رہنے کا اس کو مختار کیا ۔

ایک دن کسی محرر نے عرضی میں "اجناس" کو سہو سے "اجنا" لکھا اور "سین" کو فراموش کیا ۔ نواب نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا حرف ہے ۔ اس نے عرض کی مخفف "اجناس" "اجنا" ہے ۔ نواب ہنوز

۱- . . . خاں ، خلف . . . ماشا اللہ خاں ، تخلص انشا ۔

۲- فضل و ہنر میں . . . . . .

۳- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے "حریف" ۔ (مرتب)

۴- سکونت رمنہ سے مثل . . . . .

۵- نام دار ۔

اس سے استفسار فرماتے تھے کہ میر انشا اللہ خاں باریاب ہوئے۔ حضور نے اس قضیہ کا حکم ان کو کیا۔ وہ عزیز بہ خیال اس کے کہ اقرار سہو میں زیر باری جرمانہ کی بہ حسب ضابطہ مقررہ یعنی جو لفظ جس سے رہ[1] جاتا اس کے ہم عدد اس پر جرمانہ پڑتا[2]، میر انشا اللہ خاں سے بھی معقول نہ ہوا۔ میر موصوف نے بدیہۃً[3] یہ قطعہ انشاد کیا:

یہاں ہے اک جنا ایسا کہ جن نے
لکھا ہے موقعٔ اجناس اجنا

زہے وہ کاغذ ابری کہ جس پر
تعب کے بادلوں کا ہو[4] گر جنا

وہ اپنے معترض کو یوں کہے ہے
زبان پوربی میں "سورے سجنا"

کہ اجنا از زمیں چیزے کہ روید
وہ جھکا بھوں سے ہووت ہے اجنا

صراح اندر لکھت ہیں اس کی تصریح
رہا اب آگے باقی ڈھول بجنا

مرخم اور مخفف ہوت ہیں لفظ
بجا ہے حجّنا کو کہنا حجنا

ہوا یہ قاعدہ **انشا** تو پھر تو
کہا کر کا جنا دولھا کو کجنا

القصہ وہ عزیز اپنی جہالت سے معقول نہ ہوا مگر روزگار سے معزول ہوا۔

۱- رہ جائے۔ ۲- پڑے۔
۳- فی البدیہہ۔ ۴- ہے۔

ایک دن یہ مولف میاں مصحفی صاحب کی خدمت میں حاضر تھا ۔ کچھ[1] ذکر انشا اللہ خاں کا آیا ، اس منصف نے فرمایا کہ کوئی شاعر ایسے[2] لب و لہجہ کا نہیں ہے ۔ شیخ امام بخش ناسخ بھی بیشتر تعریف اس کے فضل و کمال کی کیا کرتے تھے ۔ ایسے ایسے قصیدے نواب (یمین الدولہ) کی تعریف میں اس نے کہے ہیں کہ کوئی قصد ان کے تتبع کا کر نہیں سکتا ۔ چار[3] دیوان ، ایک فارسی ، ایک ہندی ، ایک بے نقط ، ایک ریختی میں ، تصنیف کیے ہیں کہ مزا ہر ایک کا جدا (جدا)، انشا اللہ تعالیٰ تھوڑا تھوڑا ہر ایک (میں) سے لکھا جائے گا ۔ ایک کہانی نثر[4] ہندی میں اس سے[5] یادگار ، لفظ عربی اور فارسی کا اس میں نہیں آیا ۔ یہ خیلے دشوار ہے ۔ نام کا اپنے یہ ترجمہ کیا ہے "جو چاہا بھگوان کا" ۔ فارسی کے دیوان سے یہ قطعہ اور ایک رباعی[6] کہ اس مولف کو خوش آیا ہے، وہ یہ ہے:

پسر ز انجیر دمشقی طبقے
پیش یک مردگران جان بود است

دانہ می چید بصد رغبت ازاں
کہ درو میل فراواں بود است

۱- میر انشا اللہ خاں کا کچھ ذکر آیا ۔

۲- اس لب . . . نہیں اور شیخ . . . تعریف ان کے . . . کمال کی کرتے تھے ۔

۳- چار دیوان اس شیریں زبان کے تصنیف کیے ہوئے ہیں ۔ ایک فارسی دوسرا ہندی ، تیسرا بے نقط ، چوتھا ریختی کا مزا . . . .

۴- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے "نسر" ۔ (مرتب)

۵- کی ۔

۶- . . . . رباعی لکھی جاتی ہے ۔

ناگہ از دور ہماں پیدا شد
کہ ازو خواجہ گریزاں بود است

زود پوشاند ز عمامہ طبق
دست ازیں حادثہ لرزاں بود است

کیستی مرد بخیلش پرسید
گفت این[1] مردخوش الحاں بود است

زر بسے داد و مرا حافظ کرد
پدرم مرد مسلماں بود است

گفت یک سورہ بخواں بہر ثواب
مرد از خاک صفاہاں بود است

بعد از بسملہ و الزیتون خواند
بوالعجب حافظ قرآں بود است

گفت والتین کجا شد ، گفتا
زیردستار تو پنہاں بود است

رباعی

آرام و نشاط و عیش[2] کردند ہجوم
ایجاب و قبول جملگی شد معلوم[3]
با دختر رز پیر مغاں عقدم بست
قد قلت قبلت بالصداق المعلوم

انتخاب دیوان ہندی کا ، اس سید والا نژاد کا یہ ہے[4] :

۱- اسے - ۲- عشق -
۳- مرقوم - ۴- انتخاب ہندی -

اگر نہ مجھ سے تو آ کر لپٹ گیا ہوتا
تو رات تجھ سے مرا جی[1] ہی ہٹ گیا ہوتا

کبھے ہے خندۂ قلقل تبسم گل دیکھ
ہنسی کے مارے مرا دم الٹ گیا ہوتا

کیوں جی کیوں آپ کی خاطر میں بھلا کیا آیا
کہ خفا ہو گئے کل ذکر جو میرا آیا

اس کے بن پونچھے جو ہونٹوں کی مسی یاد پڑی
سامنے آنکھوں کے یک بار اندھیرا آیا

ناقہ رک رک کے لگا چلنے تو لیلیٰ بولی
جس میں مجنوں ہے، یہ شاید وہی صحرا آیا

دل کے نالوں سے جگر دکھنے لگا
یاں تلک روئے کہ سر دکھنے لگا

درد یہ ہے ہاتھ اگر رکھا ادھر
واں سے تب سرکا ادھر دکھنے لگا

ہمیشہ پاؤں تلے میرے دل کو روندے ہے
وہ رخش حسن جدا ناز کا سمند جدا

دہائی دیتے ہیں عاشق جو تیرے کوچے میں
فغاں بلند جدا، ہاتھ ہیں بلند جدا

دل ستم زدہ بیتابیوں نے لوٹ لیا
ہمارے کعبے کو وہابیوں نے لوٹ لیا

۱- دل -

صبا قبیلۂ لیلیٰ میں اڑ گئی یہ خبر
کہ ناقہ نجد کے اعرابیوں نے لوٹ لیا

اب کے یہ سردی پڑی ہر ایک تارا جم گیا
کاسۂ چرخ بریں سارے کا سارا جم گیا

عشق وہ پھل ہے کہ جس کے تخم ہیں یہ اشک سرخ
بے خودی ہے مغز اس کا اور چھلکا اضطراب

اک سنگ پر جو صورت شیریں نظر پڑی
ہم بیستوں کا دیکھ کے روئے پہاڑ خوب

لیلیٰ نے آ کے نجد میں مجنوں سے یہ کہا
کیا آپ نے پسند کیا ہے اجاڑ خوب

ایسا نہ ہو کہ خون کسی کا ہو ان دنوں[1]
رہنے لگی ہے در پہ ترے بھیڑ بھاڑ خوب

نہ فقیروں کے جان واہی خرچ
او میاں ان کے ہیں الٰہی خرچ

ہیں سلیماں کے نوکر اے انشا
کیوں نہ ہوں اپنے بادشاہی خرچ

امرد ہوئے ہیں تیرے خریدار چار پانچ
دے[2] اور ایسے حق مجھے اغیار چار پانچ

۱- یہ اور اس کے بعد کے دو شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- دے اور بھی خدا مجھے . . . .

نہ لگے مجھ کو جب اس شوخ طرح دار کی گیند
اس نے محرم کو سنبھال اور ہی طیار کی گیند

یاں سینہ ہے مدینہ اور دل نبی کی مسجد
کیوں قبلہ ہے پہنچتی اس کو کسی کی مسجد
جن نے وہ تیغ ابرو دیکھی وہ یوں ہی بولا
جوہر سے ہم نے تاڑا ہے یہ[1] پری کی مسجد

گل برگ تر سمجھ کے لگا بیٹھی ایک چونچ
بلبل ہمارے زخم جگر کے کھرنڈ پر

راتوں کو نہ نکلا کرو دروازے سے باہر
شوخی میں رکھو پاؤں نہ اندازے سے باہر
گو غیر نے آوازہ کسا ان کی گلی میں[2]
پر میں کوئی نکلوں ہوں اس آوازے سے باہر

واقعی صاحب نے دل ہرگز نہیں میرا لیا
ہاتھ تو رکھیے نہا دھو کر بھلا قرآن پر

ق

سن کر اشیر باد جو آغا نے اک جریب
دی پشت برہمن پہ بزور تمام چھوڑ

۱۔ وہ۔
۲۔ یہ اور اس کے بعد کا ایک شعر نسخۂ انجمن میں نہیں۔ (مرتب)

کہنے لگا چہ رنجے چہ رنجے تو بولے آپ
کر دی تو بدو عام چرا رام رام چھوڑ

بس کہ تھا تیری شب ہجر میں بے نور پلنگ
میں نے لیں کروٹیں یاں تک کہ ہوا چور پلنگ

جس زمیں پر ہوں ترے کشتۂ دیدار کے پھول
کیوں نہ پھر واں سے اگیں نرگس بیمار کے پھول

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لے اپنی
تجھے اٹھکیلیاں سوجھی ہیں ہم بے زار بیٹھے ہیں
بسان نقش پائے رہرواں کوئے تمنا میں
نہیں اٹھنے کی طاقت کیا کریں لاچار[1] بیٹھے ہیں
کہاں گردش فلک کی چین دیتی ہے سنا انشا
غنیمت ہے جو ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

پۓ تعظیم اشک اس طرح آہ سرد اٹھتی ہے
کہ جیسے قطرہ افشانی سے بوئے گرد اٹھتی ہے
سیہ بختوں کو ساتھ اپنے اٹھایا داغ غم نے یوں
لپٹ کر مہر سے کاغذ کے جیسے فرد اٹھتی ہے

اوج فلک سے لے جا مجنوں کی خاک اونچی
اے گردباد تا ہو لیلیٰ کی ناک اونچی

۱- ناچار

ساقیا آئے ہیں بادل یہ بڑے پانی کے
جلد بھر مے سے جو خالی ہوں گھڑے پانی کے

غنچۂ گل کی صبا گود بھری جاتی ہے
اک پری آتی ہے اور ایک پری جاتی ہے

زمیں سے اٹھی ہے یا چرخ پر سے اتری ہے
یہ آگ عشق کی یا رب کدھر سے اتری ہے
نہیں نسیم بہاری یہ ہے پری کوئی[1]
اڑن کھٹولے کو ڈیرا جو فر سے اتری ہے

پکڑی کسی سے جائے نسیم اور صبا بندھے
مولا کرے کچھ اپنی سی[2] ایسی ہوا بندھے
سرمہ گھلا کے آنکھوں میں نکلا نہ کیجیے
ایسا نہ ہو کہ آپ پہ کچھ توتیا بندھے

کسی پری کی ہنسی دل پر اپنے گر ٹھن جائے
تو پھر یہ ہنسیے کہ دیوار قہقہہ بن جائے
یہ پاؤں خاک نے پھیلائے ہیں کہ دشت جنوں
قریب ہے کہ گریبان تا بہ دامن جائے

ہوتی نہ تھی سوا اے دل پر درد ہو گئی
پوشیدہ بات چاہ کی بے پرد ہو گئی

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- بڑی -

گرمی کے جو شکوہ تھے سب گرد ہو گئے
دو چار بوندیوں میں ہوا سرد ہو گئی

فرہاد آفریں تجھے گو جی دیا ولے
مشہور تیری بات تو اے مرد ہو گئی

کچھ اے بگولے تجھ کو خدا کا بھی خوف ہے
اک پردہ دار جاتی تھی بے پرد ہو گئی

چند شعر ریختی کے دیوان سے انتخاب کیے جاتے ہیں[1] :

اندر آ لیوے نہ جب تک مرا باہر والا
اے ددا نوج دکھائی دے یہ اوپر والا

تھام تھام آپ کو رکھتی ہوں بہت سا لیکن
کیا کروں تھم نہیں سکتا مرا اندر والا

اپنے کوٹھے پہ کچھ اس ڈھب سے زفیلا کہ مری
لے گیا جان اڑا ایک کبوتر والا

تم نے جو اوڑھا میرا دوپٹا ہے یہ دوگانا بات کڈھب
لگتا ہے اس میں دونوں کو بٹا ہے یہ دوگانا بات کڈھب

خط پڑھنے کو ڈیوڑھی کے اوپر چاہیے کوئی بوڑھا سا[2]
انشا تو ہے ہٹا کٹا ہے یہ دوگانا بات کڈھب

کوئی چاہت میں کسی شخص کی بدنام ہو نوج
اے ددا جان یہ کم بخت برا کام ہو نوج

۱۔ چند شعر ریختی کے ۔
۲۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

وہ کو کسی میں نہیں آپ میں جو بات ہے
جھوٹ جو بولوں تو یہ تاروں بھری رات ہے

سینے پہ میرے اپنے کھلے سر کے بال ڈال
بے ریشہ ہیں یہ آم اری ان کی پال ڈال

نہیں جاتی کہیں مہاں مرے دل کا شوق
تم کو کیا اس سے ددا جان مرے دل کا شوق

اشعار بے نقط

اور کس کا آسرا ہو سرگروہ اس راہ کا
آسرا اللہ کا آل رسول اللہ کا
اہل عالم کا سہارا آسرا کس کام کا[1]
ہر سحر کہ آسرا واللہ اس درگاہ کا

ملار گا کہ سر کوہسار لال ہوا
عروس لالہ کو طاؤس وار حال ہوا
ہوا کو عطر لگا اور گل کھلا ہرگاہ
وہ ماہ مالک عمر دہ و دو سال ہوا
دلا عدم کو سدھارا حلول والا وہ[2]
سو کس کو علم کہ طوطا ہوا کہ لال ہوا
رہا معاملہ اس طور ہم دگر کہ مدام
ادھر کو وعدہ ہوا اور ادھر سوال ہوا

۱- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت ہے ''رکھ'' - (مرتب)
۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

ہم کو آرام ہو دلا کس طرح
اور وہ کام ہو دلا کس طرح

ہو اگر کام ایک کا معدوم
گرم حمام ہو دلا کس طرح

حاسد آل احمد مرسل
اہل اسلام ہو دلا کس طرح

آہو انسا مدام رم والا[1]
آہ وہ رام ہو دلا کس طرح

ہلاو مروحۂ آہ سرد کو ہر گام
کہ دل کو آگ لگا کر ہوا ہوا آرام

رباعی

ہر دم ہوس وصال دارد دل ما
درد و الم و ملال دارد دل ما

در راحلۂ وداد ہر سو گردد
حالا کہ دگر کہاں دارد دل ما

لاو عروس مدعا کہہ دو سہا و ماہ کو
عطر سہاگ کا ملو کاکل دود آہ کو

۲۱۳- سلیمان، مرزا سلیمان شکوہ

مہر درخشان آسمان جلالت ، ماہ تابان برج خلافت ، شاہزادۂ عالی شان ، مرزا سلیمان شکوہ متخلص بہ سلیمان - محامد ذات قدسی

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

صفات اس شہر یار کے[1] تحریر سے باہر اور تقریر سے زیادہ ، طبع گرامی علم و ہنر پر آمادہ، میر انشا اللہ خاں ملازم اور نوکر[2] ، موافق رسم جہاں کے بعہدۂ استادی مقرر تھے ۔ چند شعر کہ ان سے زینت اس صفحے کی ہے ، واسطے یادگاری کے لکھے گئے :

گھر سے برقع جو الٹ وہ مہ تاباں نکلا
چونک اٹھی خلق کہ یہ مہر درخشاں نکلا

مہ کو اور تجھ کو جو میزان خرد میں تولا
اس سے تو حسن میں اے شوخ دوچنداں نکلا

واہ کیا توڑ ترے تیر نگہ کا ہے کہ یار
جس کے سینے میں لگا پشت سے پیکاں نکلا

وہاں جو غیر سے وہ رات ہم کنار رہا
ہمارے دل کو یہاں سخت اضطرار رہا

قمار عشق میں اس بت سے کچھ نہ میں جیتا
دل اک بساط میں تھا سو اسے بھی ہار رہا

ہم تو کب آپ تلک آپ سے آ سکتے ہیں
آپ چاہیں تو ہمیں پل میں بلا سکتے ہیں

جبہ سائی کا نشاں جائے جبیں سے کیوں کر
کوئی تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتے ہیں

دھار ہے بحر محبت کی سروہی کی سی
بوالہوس اس میں کوئی آ کے نہا سکتے ہیں

۱- . . . . کے تقریر سے زیادہ ، تحریر سے باہر ۔

۲- . . . نوکر ، یہ اشعار اس شہریار سے یادگار ۔

اپنے مکھڑے پہ دوشالہ وہ رکھیں گے تاچند[1]
کوئی خورشید کو پردے میں چھپا سکتے ہیں
تاج و تخت اپنے سلیماں کو یا شاہ نجف
آپ چاہیں تو ابھی پل میں دلا سکتے ہیں

دل اس کے سینے سے یوں لگ رہے ہے[2]
جڑا جوں دہکدکی پر نگ رہے ہے
سلام شوق کہیو نجد میں جا
صبا واں میرا اک ہم نگ رہے ہے

۲۱۴۔ صادق ، مرزا صادق علی

سخن وری کا شائق ، مرزا صادق علی تخلص صادق ، پسر فوج دار خاں ، شاگرد انشا اللہ خاں ۔ (یہ کلام اس کا یادگار جہاں) :

دوستی کیوں کہ نبھے دیکھیے اب یار کے ساتھ
دیکھتا ہوں اسے ہر وقت میں اغیار کے ساتھ

نصیب اپنے کہاں ایسے جو اس رخسار کو ملیے
زہے قسمت اگر مہندی بھی پائے یار کو ملیے
عرق آلودہ اس کا پیرہن گر ہاتھ آجاوے
تو اس سے صادق اپنے سینۂ افگار کو ملیے

۱۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

۲۔ اس زمین کے دونوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

نہ آفتاب سے ہر ذرہ یہ چمکتا ہے
وہ[1] ایک نور ہے جو سب میں آچھلکتا ہے

صبا لے آئی تھی بو باس کس کے کا کل کی[2]
کہ جس کی بو سے دماغ آج تک مہکتا ہے

خدا ہی جانے اسے کیا ہوا ہے اے **صادق**
کچھ آپ آپ جو سینے میں دل سلگتا ہے

کچھ اس سے اشاروں میں **کہتا** ہوں تو کہتا ہے[3]
دانتوں میں دبا انگلی اے وائے یہ رسوائی

(جلد آ جلد دم باز پسیں میں میرے
نظر آتا ہے چراغ سحری کا نقشا)

۲۱۵- طالب ، طالب حسین خاں

خوبوں کے خال و خط پر راغب ، طالب حسین خاں تخلص طالب ، پسر مرزا عسکری ، خوش خلقی میں مشہور ، داروغگی پر مرزا سلیمان شکوہ بہادر کی مامور ، شاگرد[4] میر انشا اللہ خاں ۔ منہ :

مجھ سے جب آنکھ وہ ملاتا ہے
دل ہی سینے میں لوٹ جاتا ہے

غیر سے دل کے شعلہ[5] خو ناحق
کیوں جلوں کے تئیں جلاتا ہے

۱- یہ ۔

۲،۳- یہ اشعار نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

۴- شاگرد انشا ، یہ کلام اس کا ۔

۵- شعلہ رو ۔

آج طالب کا عشق میں تیرے[1]
جلد آ ورنہ جی ہی جاتا ہے

اشک[2] یوں جم گئے ہیں آ سر مژگاں سے لپٹ
اوس جیسے کہ رہے خار مغیلاں سے لپٹ
دشت میں آہ شرر بار جو طالب نے بھری
ایک شعلہ گیا خاشاک بیاباں سے لپٹ

---

۲۱۶ - عیشی ، طالب علی خان

شیر بیشہ سخن گوئی ، طالب علی خان متخلص[3] بہ عیشی ، پسرمیاں علی بخش، (خانہ زاد الماس علی‌خان)، خوش لہجہ، خوش بیان، آستاد دو زبان ، نازش مرزا قتیل ، مایۂ بساط میر انشااللہ خاں - اکثر امرا اُس کی دولت (سخن) سے نام آور[4] اور غربا صحبت سراسر افادت سے سخن ور ہوئے - مرزا خانی صاحب نوازش سلمہ فرماتے تھے کہ مرزا قتیل کے مرض الموت میں شیخ ناسخ اور ہم واسطے عیادت کے گئے (تھے) ، استفسار کیا کہ[5] مرزا صاحب کا قائم مقام کس شخص کو زمرۂ تلامیذ میں سمجھا جائے - فرمایا کہ طالب علی کو - ارشاد

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- اشک یوں جم گئے آ کر سر مژگاں سے لپٹ -
۳- تخلص - عیشی -
۴- نامور اور غربا اس کی صحبت سے سخن‌ور . . . . . خانی نوازش . . فرماتے ہیں کہ . . . . . -
۵- . . . . . کہ مرزا صاحب کے زمرۂ تلامیذ میں کس کو قائم مقام سمجھا جائے -

مرزا صاحب کا اُس کے اچھے ہونے کی دلیل ہے۔ (نواب) عاشور علی خاں صاحب کی زبانی میں نے یہ سنا ہے کہ جو تاریخ (فارسی) شیخ ناسخ نے کہی ہے، مصرعے اس کے تصنیف کیے ہوئے عیشی کے ہیں اور شیخ[۱] کا یہ قول تھا کہ بہ سبب کم توجہی کے دیوان ہندی اُس کا اغلاط سے مملو تھا، میں نے بہ پاس یک جہتی (اُسے) درست کر دیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ افسوس کہ عین موسم میں چراغ اُس کی زیست کا باد صرصر ہیضۂ وبائی سے بجھ گیا۔ الٰہی ساتھ ائمہ اطہار کے محشور ہو۔ تاریخ اس کی وفات کی شیخ ناسخ نے یہ کہی ہے:

آہ طالب علیؔ عیشی رفت
ناگہاں زیں سرائے رنج و محن

مرضش ہیضۂ وبائی بود
کہ ازاں[۲] رفتہ جان او از تن

بود اے وائے طبع موزونش
بلبل نغمہ سنج باغ سخن

از بہار کلام رنگینش
می شدی بزم شعر رشک چمن

گفت سال وفات او **ناسخ**
"ہائے افسوس اے سخنور من[۳]"

دیگر:

بگو "ہائے ہیہات طالب علی خاں"[۳]

۱- شیخ صاحب یہ کہتے تھے کہ......۔
۲- ازو۔
۳، ۳ - ۱۲۴۰ھ (مرتب)۔

چند شعر اُس وحید عصر کے لکھے جاتے ہیں تا زینت اس صحیفہ[1] کی ہو :

دل گرفتہ ہوں کروں گا ہو کے میں آزاد کیا
مجھ کو یکساں ہے چمن کیا ، خانۂ صیاد کیا

ایک عالم کر دیا برباد اُس کے حسن نے
نقش ایسا کھینچنا تھا صانع ایجاد کیا

ہچکیاں آتی ہیں ہم کو شیشۂ مے کی طرح
مے کشوں کو آج ساقی نے کیا ہے یاد کیا

تا کجا یہ امتحان طاقت و صبر و شکیب
جان جاں آخر دل عشاق کی بنیاد کیا

حال دل مجھ سخت جاں کا ہر نفس ابتر ہوا
عاقبت احباب کے سینے کا میں پتھر ہوا

غیر نے صندل لگایا واں جبین یار میں
رشک سے بے ساختہ یاں مجھ کو درد سر ہوا[2]

وہ جو آ نکلا شہیدان وفا کی خاک پر
عالم ارواح میں ہنگامۂ محشر ہوا

دو جہاں میں ہو بھلا افتادگی کا اے کریم
خاک کوئے یار اپنا بالش و بستر ہوا

بے بقا بسکہ ہوائے چمنستاں سمجھا
زلف سنبل کو میں یک خواب پریشاں سمجھا

۱- صفحہ ۔

۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

دشمن و دوست سے الفت ہے زبس کام اپنا
محتسب تھامے جو ساقی سے گرے جام اپنا
بس کہ گم نام کیا ہم کو سیہ بختی نے
گر کریں مہر یقیں ہے نہ کھلے نام اپنا
فکر ساماں سے کیا دست تہی نے آزاد[1]
گردش بخت ہوئی مایۂ آرام اپنا
نگہ چشم تصور ہے مرا شوق درست
لاکھ پردے میں ہو دلبر تو کروں کام اپنا

کسی کے دل کو ہوا غم، مجھے ملال ہوا
کہیں کا قافلہ گزرا میں پائمال ہوا
ہوئی ہدایت وحشت سے میری منزل طے
چراغ راہ مرا، دیدۂ غزال ہوا
میں وہ شہید وفا ہوں کہ میرا خوں عیشی
بہ رنگ خون حنا بے دیت حلال ہوا

یہی وحشت ہے تو اک دن لگا کر آگ گلشن میں
پڑے ہوں گے لپیٹے منہ، کسی صحرا کے دامن میں
ہوا ہے سوز سے یہ ساز مجھ کو عشق کی دولت
کہ میرا نام لے کر آگ سلگاتے ہیں گلخن میں

تا فلک کس دن سر آہ سحر کھنچتا نہیں[2]
پر ترا دل سوے رحم اے فتنہ گر کھنچتا نہیں

۱- فکر ساماں نے کیا دست تہی سے آزاد (کذا) -
۲- اس زمین کے چاروں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

سر گرانی اپنے بیمار محبت سے نہ کر
ایک دو دن سے اب اُس کو بیشتر کھنچا نہیں

تخم ریزی مزرعۂ ہستی میں کس امید پر
کار نخل آرزو یاں تا ثمر کھنچتا نہیں

مرحلہ پیری کا بھی طے ہونے آیا عیشی اب
فکر منزل کر کہ آگے یاں سفر کھنچتا نہیں

جگہ گلچیں نے دی طرف چمن میں میرے مدفن کو
کفن کے واسطے بلبل نے پھاڑا گل کے دامن کو

آسے آتے جو دیکھا بلبلوں نے سیر گلشن کو
کیے سو شکر کے سجدے بچھا کر گل کے دامن کو

وہ شیشہ ہوں کہ میرا خود بخود دل ٹوٹ جاتا ہے
اگر پاتا ہوں خالی سنگ سے دست فلاخن کو

جنوں واں مجھ کو لایا ہے کہ جس صحرائے وحشت میں
مسافر ڈھونڈتے پھرتے ہیں نقش پائے رہزن[1] کو

محبت پیشہ ہوں میرا جگر خون ناب ہوتا ہے
اگر گرتے[2] زمیں پر دیکھتا ہوں اشک دشمن کو

وہ مور ناتواں ہوں میں ، اگر دانہ نہ دے گردوں
مری ہمت نہ دیکھے آنکھ اٹھا کر مہ کے خرمن کو

اگر اے برق سوزاں ہے تجھے چشم خریداری
تو بیچوں گا میں خاکستر کے مولوں اپنے خرمن کو

۱- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے ''رہبر'' ہے - (مرتب)
۲- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے ''گر کے'' ہے - (مرتب)

جنوں نے پائے وحشت آشنا باہر نکالے ہیں[1]
مرے دامن سے ٹانکو عرصۂ محشر کے دامن کو

خلاف طبع ہے ازبسکہ رائج[2] ہم نشینوں میں
کرے سبز ابر دانے کو جلا دے برق خرمن کو

مری وحشت نے کھینچا پاؤں جب داماں عزلت میں[3]
کیا عنقا نے میرے واسطے خالی نشیمن کو

نہ دیکھا نازنینان چمن کا سانحہ عیشی
جہاں سے اٹھ گیا میں چھوڑ کر آباد گلشن کو

گل وہ کھاؤں کہ چمن محو تماشا ہووے
امتحاں کا آسے کچھ شوق تو پیدا ہووے

پاک طینت میں نہ تاثیر کرے طبع خسیس[4]
دامن گل نہ کبھی گرد سے میلا ہووے

ہم کو بھی یاد کرو بزم عدم میں یارو
ایک بستر کی اگر خالی کہیں جا ہووے

خاک کر کے مجھے برباد کر اے دور فلک
پر بشرطیکہ کوئی دوسرا مجھ سا ہووے

قبر پر قیس کی، لیلیٰ کی چڑھاؤں تصویر
وصل گر یار سے اور مجھ سے الٹا ہووے

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- جائز -
۳- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۴- یہ اور اس کے بعد کا شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

ناز و انداز میں وہ شوخ لگا کرنے تمیز
عیشی اب دیکھیے احوال ترا کیا ہووے

کیوں دیا کرتیں یہ دھوکے عقل و نادانی مجھے
گر پڑھا دیتے ازل میں خط پیشانی مجھے
میں سبک روح اس چمن میں تھا یہ رنگ بوے گل[1]
بار خاطر تو نہ کرنا اے گراں جانی مجھے
دم کی آمد شد لیے پھرتی ہے مجھ کو جا بجا
اس ہوا نے کر دیا تخت سلیمانی مجھے
شب کیا جو امتحاں تاثیر دود آہ کو
دیدۂ مہتاب میں آیا نظر پانی مجھے
مجھ کو کرنی ہے رقم حسرت دل مجروح کی
چاہیے عیشی بیاض چشم قربانی مجھے

پر خطر راہ ہے اور رخت سفر بھاری ہے
خضر توفیق ازل وقت مددگاری ہے
درد سے زخم جگر کے بھی رہا میں محروم
کس قدر سبز قدم مرہم زنگاری ہے

یا سامنا تھا دیدۂ تر کا سحاب سے
یا آنکھیں ہم چراتے ہیں چشم حباب سے

محو دیدار کو کب رنگ دوئی حاصل ہے
آینہ عکس سے جس حال میں ہو واصل ہے

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

یہ تصور نے ترے جلوہ گری دکھلائی
کہ مرے عکس[1] میں دیتی ہے پری دکھلائی
میں نے **عیشی** سے جو پوچھا دل خوں گشتہ کا حال
اک صراحی مئے گلگوں کی بھری دکھلائی

ہیں خون دل سے دیدۂ تر یوں بھرے ہوئے
ہوں جیسے ساغر مئے گلگوں بھرے ہوئے

سر مژگاں پہ لگے لخت جگر دیکھ چکے
یہ بھی ہم نخل محبت کے[2] ثمر دیکھ چکے
دیدہ دیدار سے محبوب کے کیوں کر ہو سیر
پھر وہی شوق ہے سو بار اگر دیکھ چکے
حسرت اے دل کہ نہ دیوار چمن تک پہنچے
آہ سو بار اڑے قوت پر دیکھ چکے
دیکھو **عیشی** کہیں بدنام نہ ہو بیٹھ کے یاں
بزم خوباں سے اٹھو ایک نظر دیکھ چکے

ہماری خاک پر گر ہو گئی ہے
صبا بھی خاک بر سر ہو گئی ہے
کھلی ہے شاید اس کی عنبریں زلف
ہوا یک سر معطر ہو گئی ہے
چھپاتے ہو عبث تم خون **عیشی**[3]
میاں یہ بات گھر گھر ہو گئی ہے

۱۔ اشک ۔ ۲ ۔ کار ۔
۳۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

نے زاد ہے نہ راحلہ نے برگ و ساز ہے
تنہا ہم اور راہ یہ دور و دراز ہے
حسرت زدوں کا بسکہ ہے رہتا وہاں ہجوم
کوئے حبیب خانۂ آیینہ ساز ہے
افراط معصیت پہ ہماری نہ جائیو[1]
اے شیخ بدگماں در توبہ تو باز ہے
فکر مآل کار نہ زنہار کیجیو
عیشی خدا کریم ہے بندہ نواز ہے

ہستی کا جو اپنی مجھے مختار بناتے
سو بار مٹاتا میں جو سو بار بناتے

---

۲۱۷ - افصح

خوش گوئی میں فصیحی، افصح[2] تخلص، شاگرد عیشی، نام و نشان نایاب، یہ اُس کے اشعار کا انتخاب:

اگلی سے مہر و وفا ہی نہیں تجھ میں اے شوخ
نہ وہ باتیں نہ وہ اشفاق و محبت اب ہے

اور چندے نہ ہوا وصل اگر جاناں سے
زیست مشکل نظر آتی ہے غم ہجراں سے
فصل گل ہم کو تہ بال ہی گزری صیاد
فائدہ کیا کہ رہائی ہوئی اب زنداں سے

۱۔ یہ اور اس کے بعد کا شعر نسخۂ انجمن میں نہیں۔ (مرتب)
۲۔ تخلص افصح، شاگرد عیشی، یہ اس سے یادگار۔

فکر صحت مری کرتے ہو عزیزو ناحق[1]
مرض عشق بھی جاتا ہے کہیں درماں سے

رشتۂ شمع نمط ہر سر مو جلتا ہے[2]
جسم میں میرے یہ گرمی ہے تپ ہجراں سے

پاس ناموس محبت نہ اگر مانع ہو[3]
دوں جلا چرخ کہن آہ شرر افشاں سے

ہر گھڑی کوچۂ قاتل میں لیے جاتا ہے
سخت تنگ آیا ہوں میں اپنے دل ناداں[4] سے

---

۲۱۸ ـ قادر ، مرزا سرفراز علی

نیکو[5] شاعر ، مرزا سرفراز علی ، تخلص قادر ، شیریں سخن ، خوش بیان ، شاگرد طالب علی خان ـ من کلامہ :

قادر عجب نہیں ہے یہ جوش بہار سے
بن جائے گل شرار جو نکلے چنار سے

نقش فنا ہوں میں مرے مرنے کے بعد بھی
لکھتے ہی نام مٹ گیا لوح مزار سے

صبح شب فراق نہ آئی نظر کبھی
شکوہ رہا دورنگیٔ لیل و نہار سے

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ـ (مرتب)

۲- رشتۂ ہر سرمو شمع نمط جلتا ہے ـ

۳- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ـ (مرتب)

۴- نالاں ـ

۵- شیریں سخن ، خوش بیان ، نیک شاعر ، مرزا قادر (کذا) علی قادر ، شاگرد عیشی ـ یہ تقریر اس کی ـ

آپ کبھی خفا ہوئے آپ کبھی ملے
ہے[1] شغل یہ تصور روئے نگار سے

کم ظرف تھوڑے عیش پہ کیوں خوش نہ ہو بہت
کیا خوش ہے عنکبوت مگس کے شکار سے

ثابت یہی ہے کلفت ایام سے کہ چرخ
پر ہے بہ رنگ شیشہ ساعت غبار سے

جام اُس کے فیض سے ہے تر و تازہ مثل گل
کم موج مے نہیں ہے نسیم بہار سے

ایمن ہو[2] روح چھوڑ کے بار گران تن
رہزن کو دشمنی ہے فقط مایہ دار[3] سے

مارا ہے تنگ چشمئی احباب نے آسے
قادر کو خوف کیا ہے عذاب فشار سے

چاہیے کیا ہم غریبوں کے[4] سر مدفن چراغ
چرخ ہے فانوس، مہر و ماہ ہیں روشن چراغ

خوف کیا تاریکئ شبہاے ہجراں سے مجھے
ہے فتیلہ آہ، روغن اشک، داغ تن چراغ

بخت اگر یاری کرے ہو دشمنی بھی دوستی
جنبش[5] باد صبا گل کا کرے روشن چراغ

۱- یہ شغل ہے تصور......

۲- ہے۔ ۳- مال دار۔

۴- کو۔

۵- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے ''...باد صبا کا گل کرے...''

زندگی میں شعلہ روؤں سے جو پہنچی تھی[1] گزند
اب بھی لاتے ہیں ہماری خاک پر روشن[2] چراغ

سلسلے میں ظالموں کے خانہ آبادی نہیں
خانۂ زنجیر میں دیکھا نہیں روشن چراغ

ربط ناکامی سے ہے **قادر** مجھے مثل کلیم
نے زگلشن گل بکف دارم نہ از گلخن چراغ

ایک عالم نے جبہہ سائی کی[3]
ای بتو تم نے بھی خدائی کی

---

۲۱۹ - ہلال ، مرزا محمد[4]

خوش شاعر ، مرزا محمد ، خلف الصدق مرزا حاجی قمر ابن مرزا جعفر ، شاگرد سرفراز علی قادر ، تخلص ہلال - یہ آس سے یادگار :

دل لگایا پھر بتوں سے، کی یہ نادانی **ہلال**
جانتے تھے آپ کو تو صاحب فہمید ہم

---

۲۲۰ - ذکی ، مرزا محمد ذکی

اسدالدولہ[5]، رستم الملک، مرزا محمد ذکی خان بہادر عرف نواب بہادر، تخلص ذکی ، فیل جنگ ، خلف الصدق دلیرالدولہ ، دلاورالملک ،

۱- ہیں۔ ۲- دشمن -
۳- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۴- نسخۂ پٹنہ میں ترجمۂ ہلال نہیں ہے - (مرتب)
۵- نواب بہادر مرزا محمد ذکی خان تخاص ذکی ، خلف الصدق دلیر الدولہ محمد علی خاں عرف مرزا حیدر فیض آبادی - پہلے میر ببر علی انیس کے شاگرد تھے ، بعد سرفراز علی قادر سے تلمذ حاصل کیا - من کلامہ -

مرزا محمد علی خان بہادر عرف مرزا حیدر ۔ نواب موصوف پہلے شاگرد میر ببر علی انیس کے تھے ، بعد اس کے سرفراز علی قادر کے ہوئے ۔ یہ اشعار ان سے یادگار :

سرخی سے پان کی لب جاں بخش چھل گئے
عیسیٰ لہو لگا کے شہیدوں میں مل گئے

آیا جو فاتحہ کو سوم[1] میں وہ رشک گل
ایسی ہوا چلی کہ مرے پھول کھل گئے

اس درجہ لپٹے عاشق و معشوق وصل میں
مطلع کی طرح مصرع قد دونوں مل گئے

جنبش ہے تیرے کان کے بندوں کو زلف امیں[2]
اے جان دانت افعی گیسو کے ہل گئے

دولت کو گر زمانے میں حاصل ثبات ہو
آب زر اہل حرص کو آب حیات ہو

سائے سے تیرے رنگ چمن کو ثبات ہو
اے گل قبائے خضر لباس نبات ہو

اس باغ کی بہار پہ کیا التفات ہو[3]
جس میں نہ ایک رنگ کو دو دن ثبات ہو

رؤو اگر خیال مریضان چشم میں
کاجل تمہارا پھیل کے ساون کی رات ہو

بالوں کے پیچ سے جو اڑے گل رخوں کا رنگ
زلف سیاہ آپ کی ہولی کی رات ہو

۱- سیم ۔
۲ ، ۳ ۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

عالم بالا ہے زخمی اس بت مغرور کا
کاسۂ گردوں ہے دونا زخم کے انگور کا

کھا رہا ہے ہرکس و ناکس کی لاکھوں ٹھوکریں[1]
کاسۂ سر ہے خدا جانے یہ کس مغرور کا

دور ہیں کے شیشوں میں کیا مے بھری ہے ساقیا
نشے میں مجھ کو نظر آتا ہے عالم دور کا

یہ مشبک ہو گیا تیر نگاہ یار سے
چودھویں کا چاند چھتا بن گیا زنبور کا

جسم ایسا گھل گیا تیرے نحیف و زار کا[2]
قبر کا گنبد بنے چھالا تری تلوار کا

ہو میسر زخم دل کو قرب گوش یار کا
کان کا سبزہ ہو پھاہا مرہم زنگار کا

دل میں رہتا ہے تصور تیرے گالوں کا مدام
طاق میں کعبے کے آیینہ ہے ہر رخسار کا

فقیری نے بڑھایا نام تیرے کشتۂ غم کا
بنایا بوریے کا نقش گویا نقش خاتم کا

ہجوم ایسا عروسان چمن کا ہو گیا تجھ پر
کہ ٹوٹا کشمکش میں ہار مروارید شبنم کا

جراحت کے مزے نے دی مجھے تسکیں کہ گریہ میں
لعاب تیغ قاتل بن گیا شربت محرم کا

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- اس زمین کے تینوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

فلک سے رکا جوش سودا ہمارا
کف دست ممسک ہے صحرا ہمارا
تڑپتا ہے کوچے میں مردا ہمارا
ذرا تم بھی دیکھو تماشا ہمارا
دل صاف مست شراب فنا ہے
حباب یم مے ہے شیشا ہمارا
بہانا ذرا چشم نم اشک تھم کر
نہ بہہ جائے مٹی کا پتلا ہمارا
جگر اس نے نیزے سے زخمی کیا ہے
بڑھا آج بانسوں کلیجا ہمارا

مطلع ابرو کا تیرے نام دوہرا ہو گیا
فارسی میں بیت اور ہندی میں دوہرا ہو گیا

شکوہ تمھارا سنتے ہیں ہم ہر زبان سے
آواز ایک آتی ہے سارے جہان سے

بہار حسن جاناں کم نہیں جنت کے گلشن سے
خزاں برباد رہتی ہے ہوائے دور دامن سے
بڑھا ہے جوش سودا سبزۂ رخسار روشن سے
ملا ہے دانۂ زنجیر ہم کو مہ کے خرمن سے
چھوا نشے میں مینائے گلو کو تیرے اے ساقی
ہر اک انگلی ہماری لڑ گئی شیشے کی گردن سے

میں ایسا طائر وحشی ہوں عاشق چشم و ابرو کا
ہرن کی شاخ پھوٹے گی[1] مری شاخ نشیمن سے

دکھا کر خاک کے پتلوں کی صورت خاک چھنوائی[2]
خدا نے خوب بت مٹی کے پجوائے برہمن سے

کیا ہے آشیانہ مرغ جاں نے اڑ کے جنت میں
مگر کلیاں اڑائیں اے گل تر تیرے گلشن سے

کیا اس درجہ کاہیدہ خیال موئے مژگاں نے
کہ میرا گھر ہوا روشن چراغ چشم سوزن سے

دل سوزاں خیال زلف میں جب آہ کرتا ہے[3]
ہوا پر سنبلستاں پھولتا ہے دود گلخن سے

تمھارے تیرہ بختوں نے یہ خوں ریزوں کو برتایا[4]
کہ تلواروں کے منہ چکنے ہوے ڈھالوں کے روغن سے

دکھائی قہر کی برسات اشک چشم بلبل نے
جلایا آگ میں لالہ نے لے کر تیل سوسن سے

ذکی تصویر کھینچو[5] عندلیب طبع رنگیں کی
قلم ہو کر جو شاخ گل کوئی ہاتھ آئے گلشن سے

---

۲۲۱ - خرد ، بہادر مرزا

بہادر[6] مرزا متخلص بہ خرد ، خلف مرزا امام علی ، شاگرد

۱- . . . شاخ پھوٹی ہے مری . . .
۲ تا ۴- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۵- کھینچوں ۔
۶- بہادری اس کی خلق میں زبان زد ، بہادر مرزا تخلص خرد ، پسر مرزا امام علی ، شاگرد ذکی ، یہ کلام اس سے ہے ۔

اسدالدولہ محمد ذکی خان بہادر ۔ من کلامہ :

زخم دل نور رخ یار سے اچھا ہوگا
قرص مہ مرہم کافور کا پھاہا ہوگا

اسی معشوق کو چاہیں گے جو اچھا ہوگا
ہم وہی مال خریدیں گے جو مہنگا ہوگا

عکس رخ معجزۂ حضرت موسیٰ ہوگا
آینہ ہاتھ میں تیرے ید بیضا ہوگا

تم جو ہنگام شنا قتل کرو گے مجھ کو
لب ساحل پہ مرے خون کا لاکھا ہوگا

دیکھنا موتیوں کے گہنے سے نفرت ہوگی
آب گوہر سے بدن آپ کا میلا ہوگا

جلوۂ نور ولائے شہ مرداں سے خرد
حشر کو چاند سا روشن مرا چہرا ہوگا

دکھلایا رنگ نازکی چشم یار نے
ڈالی ہے بدھی نیل[1] کی پھولوں کے ہار نے

مرقد میں یاد کشمکش وصل آ گئی
ملنا گلے سے یاد دلایا فشار نے

دل اڑ کے پہنچا جب ہوا اس گل کو شوق صید
بلبل کو پر لگا دیے شوق[2] شکار نے

۱۔ نیلوں کی ۔
۲۔ ذوق ۔

۲۲۲ ۔ عاشق ، اعلیٰ جاہ عرف چھوٹے صاحب

اعمال[1] نیک کا دائر و سائر ، حاجی اور زائر ، معشوق اس کے کلام عاشقانہ کے شایق، اعلیٰ جاہ عرف چھوٹے صاحب ، تخلص عاشق ۔ خلف اوسط مرزا حیدر صاحب ، شاگرد سرفراز علی قادر ، یہ اشعار اس سے یادگار :

مانگے[2] جو وہ تو دے دوں کلیجہ نکال کے
مسرف ہوں صدمے اٹھ نہیں سکتے سوال کے

زخمی صدف ہے لے گئے موتی نکال کے
ایذا اٹھائی ماں نے یتیموں کو پال کے

مر کر بھی یاد کاکل جاناں عذاب ہے
آئے لحد میں سانپ زبانیں نکال کے

کوئی پھرا نہ گنج شہیداں سے آپ کے
قربانیوں کے حلقے بھی ہیں جال کے

اس درجہ دل کو لذت ایذائے نو ملے
پھر پاؤں میں چبھوئیے کانٹے نکال کے

سو جاتا ہوں تصور ریحان خط سے میں
آتا نہیں ہے خواب بھی یاں بے خیال کے

(دریا میں عکس ابروے جاناں کو دیکھ کر
سمجھا چڑھائے یار نے بیڑے ہلال کے)

۱۔ معشوق اس . . . علی قادر۔

۲۔ مانگیں ۔

سیراب میرے اشک سے صحرا اگر نہ ہو
رہ جائیں کانٹے خشک زبانیں نکال کے

(سجدوں میں بھی خدا کے جو یاد بتاں رہی
پتلے بہا دیے عرقِ انفعال کے)

رکھو قدم نہ باغ میں اے غیرت پری
سر پہ چڑھیں گے لوگوں کے، سائے نہال کے

لذت خلش کے ساتھ نہ ہو تو مزا نہیں
مچھلی بھی کھائیے تو نہ کانٹے نکال کے

(ہے تند باد آہ میں پیچاں غبار دل
کیا کیا بگولے اٹھتے ہیں گرد ملال کے)

میں نے اگال مانگا تو غصے میں رہ گئے
لب کو چبا کے تیغ سے بیڑا نکال کے

دیکھا جو میں نے بند در قصر یار کو
گھبرا کے پھینکے آنکھوں کے ڈھیلے نکال کے

(ہے آفتابی جو سپر آس آفتاب کی
سورج مکھی بنائی ہے پھولوں میں ڈھال کے)

ہاشق شب فراق میں دیکھی نہ شکل نور
اختر سیہ تھے یہ کہ مشابہ تھے خال کے

برگ گل تر سبزۂ گلشن پہ پڑے ہیں
یاقوت کے نگ کس نے زمرد پہ جڑے ہیں

خورشید سے سو بار مرے داغ لڑے ہیں
مقدار میں چھوٹے ہیں حرارت میں بڑے ہیں

(پاپوش میں عکس آپ کے ناخن کے پڑے ہیں
ہیرے کے نگینے ہیں کہ مٹی پہ جڑے ہیں)

کھلوائے کمر کون سفر پر وہ اڑے ہیں
دوہاتھ میں رکھتا ہوں سو گردن میں پڑے ہیں

آتا ہے جواب ارنی دیکھیے کیا[1] ہو
موسیٰ سے بہت طالب دیدار پڑے ہیں

میرے تن پر داغ کو گل زار بنایا
گل کھانے پہ کیا آپ ہنسے پھول جھڑے ہیں

چورنگ کی ہے چار عناصر میں جدائی
کیا نیمچۂ ابروے سفاک پڑے ہیں

تکیے میں ہوا جوش جنوں سے مرا مسکن
بیڑی کے عوض پاؤں میں قبروں کے گھڑے ہیں

ہم رنگ نہ یاقوت نہ ہم سنگ ہے الماس
میزان نظر میں وہ لب لعل پڑے ہیں

(ہر روز بلائے شب فرقت کی ہے آمد
زلفوں میں جو الجھے تو بکھیڑوں میں پڑے ہیں)

جھک جاتے ہیں ساقی کی توجہ میں[2] ہزاروں
کیا کیا در مے خانہ پہ بد مست پڑے ہیں

کچھ صرف بھی لازم ہے اگر جمع کرے مال
گل زر بکف آتے ہیں خزانے جو گڑے ہیں

حیرت ہے مجھے مردمک چشم صنم سے
تصویر بنے کا تب اعمال کھڑے ہیں

۱- کب تک ۔

۲- سے ۔

(سمجھا میں دم قتل گل کفش کو تیرے
ابرو کی سروہی سے یہ دو پھول جھڑے ہیں
عاشق کے جنازے پہ وہ آنے کو تو آئے
یاں دیر ہے گڑنے میں وہ غیرت سے گڑے ہیں)

۲۲۳ - شیدا، والا جاہ عرف منجھلے صاحب

حاجیٔ حرمین، زائر ائمۂ ہدا، رنگین کلام، نازک ادا، والا جاہ عرف منجھلے صاحب، تخلص شیدا، خلف الرشید دلیرالدولہ مرزا حیدر خان[1] فیض آبادی، شاگرد سرفراز علی قادر۔ یہ اشعار آن سے یادگار:

جب کہتا ہوں اے جان ہماری نہیں سنتے
فرماتے ہیں، کیا کیجیے گا جی، نہیں سنتے
شیدا کی بدی سنتے ہیں نیکی نہیں سنتے
مطلب کی وہ سن لیتے ہیں ایسی[2] نہیں سنتے
تلقین پڑھیں قبر پہ یا فاتحہ احباب
اپنی یہ پڑی ہے کہ کسی کی نہیں سنتے
منڈوائیں اگر خط کو تو مٹتی ہے کدورت
جس بات میں ہوتی ہے صفائی نہیں سنتے
جب کہتا ہوں اے جان گلے آ کے لپٹ جاؤ
کہتے ہیں کہو اور کچھ ایسی نہیں سنتے
بے فائدہ ناصح تری کب مست سنیں گے
بے ہوش ہیں آواز یہ اپنی نہیں سنتے

۱- . . . . . خان، شاگرد قادر، یہ اُن کا بیان، منہ۔
۲- اچھی۔

کیا وامق و مجنوں کے سنا کرتے ہو قصے
اک روز مری آپ کہانی نہیں سنتے

ان روزوں تکبر یہ سمایا ہے بتوں میں
فریاد کرے ساری خدائی نہیں سنتے

(فقرے پہ کبھی وصل کے چڑتے نہیں اتنے
یوں باتیں کیا کرتے ہیں ایسی نہیں سنتے)

کہتا ہوں کہ اس رنگ سے ہوتا ہے مرا خوں
ہر روز ملا کرتے ہیں مہندی نہیں سنتے

اے دوست بدی میری نہ غیروں سے سنا کر
اچھے جو ہیں دشمن کی برائی نہیں سنتے

کل دیکھیں گے **شیدا** تو انھیں حال کھلے گا
گو کلمۂ حق آج یہ .....[1] نہیں سنتے

دیکھے جو ربط میرے اور اس شعلہ رنگ کے
جلتے ہی شمع ہوش اڑے ہیں پتنگ کے

کیا رنگ پر ہیں رنگ لب لعل رنگ کے
دیکھے نہیں ہیں لعل بھی اس رنگ ڈھنگ کے

مجروح پر مژے کی پڑی جب نگاہ مست
انگور تازے ہو گئے زخم خدنگ کے

اس غیرت مسیح کی زلفوں میں دل پھنسا
صدمے اٹھاتے جاتے ہیں قید فرنگ کے

اک شمع رو[2] کے ہجر میں رویا ہوں شمع ساں
کیوں کر نہ پر جلیں مرے آگے پتنگ کے

۱- یہاں ایک مذہبی فرقے کا نام تھا جو حذف کیا گیا ۔ (مرتب)
۲- شعلہ‌رو ۔

(مگری کے در نہیں یم خوبی کے ہجر میں
نقشے کھنچے ہوئے ہیں یہ کام نہنگ کے)

شیدا ہو دو بدو شب تاریک ہجر سے
رتبے کہاں نصیب تجھے فیل جنگ کے

جامہ دری کی دست جنوں تجھ کو خو رہے
اپنا کبھی نہ چاک گریباں رفو رہے

یکساں مرا وجود و عدم ہے جہان میں
میں گو رہوں رہوں نہ رہوں یار تو رہے

سینے میں داغ، سر پہ جنوں، چشم میں سرشک
ہونٹوں پہ آہ، دل میں تری آرزو رہے

مسجد میں بتکدے میں کلیسا میں دیر میں
پھرتے تری تلاش میں ہم چار سو رہے

(گر زلف عنبریں رخ رنگیں پہ کھول دو
گل میں رہے نہ رنگ نہ عنبر میں بو رہے)

---

۲۲۴ - مصحفی، غلام ہمدانی

آسمان[۱] شاعری و سخن وری، شاعر اولی العزم و ناظم نظم، میاں غلام ہمدانی تخلص مصحفی ولد ولی محمد ابن درویش محمد، صاحب وسادہ و مسند، خاقانیٔ ثانی، تربیت یافتۂ میاں مانی، ایک عالم اُس سے مستفید، دلی سے تا لکھنؤ سینکڑوں شاگرد رشید۔ پر گو اور خوش گو، چنانچہ آٹھ دیوان ہندی اور تین فارسی کے تصنیف (کیے) ہوئے اُس کے موجود

۱- سخن‌ور اولی العزم، ناظم نظم . . . درویش محمد، خاقانیٔ ثانی، شاگرد مانی . . . .

(اور) چہار دانگ ہندوستان میں اُن کی نمود۔ واسطے تحصیل معاش کے جز اشعار اُس کے غیروں کے نام پر ہیں، وہ اگر جمع ہوں کئی دیوان کے برابر ہیں۔ وقت اخیر پوتھی مہابھارت کی شاہ جیو کی فرمائش سے نظم[1] کی تھی مگر بہ سبب نا تمامی اُس کی عمر کے وہ ناقص رہی۔ اکثر شبہات کہ اُس کے کلام میں واقع ہیں، سبب اُس کا[2] پرگوئی ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے:

کون عہد بھلا اُس بت سفاک سے باندھے

جو قتل کرے اور نہ فتراک سے باندھے

(جائیں گے اُسی روز ہم عباس علی کو

جس روز علم خانۂ دل بر کے اٹھیں گے)

(دونوں شعر[3]) میں عین تقطیع سے گرتا ہے۔

مطابق اُس کے یہ نقل کہ مرزا خانی صاحب نوازش سے سنی ہوئی[4] ہے، خامہ میرا لکھتا ہے۔ جب مفتی غلام حضرت نے بساط حیات لپیٹی اور میاں صاحب نے تاریخ اُن کے انتقال کی کہی، اس کے مادہ میں لفظ مفتی کا بھی داخل لیکن[5] تقطیع سے خارج (تھا)۔ مفتی کے اقارب نے محمد حیات بیتاب کو کہ عروض دانی میں مشہور تھے، وہ تاریخ دکھائی۔ بیتاب نے کہا اور تو سب طرح بہتر ہے (لیکن) یائے مفتی[6]

۱۔ نظم میں تحریر کی مگر . . . . .ناتمامئی عمر وہ ناقص ہے۔

۲۔ ان کا۔

۳۔ نسخۂ پٹنہ میں ''مصرع اول میں'' ہے۔ (مرتب)

۴۔ . . . ہوتی بیان ہوتی ہے۔

۵۔ مگر۔

۶۔ . . . مفتی وزن سے . . .

کی وزن سے باہر ہے ، اگر مجھ سے اور میاں صاحب سے ملاقات ہوگی تو میں اُن سے کہوں گا (کہ اسے بدل دو) ۔ بعد چندے جو وہ دونوں بزرگوار یک جا ہوئے ، بیتاب نے کہا : تاریخ میں مفتی غلام حضرت کی مفتی کی "ی" زایدہ ہے ، اُسے درست کر دیجیے ۔ میاں صاحب نے کہا : تمھیں خبر ہے سو جگہ مصحفی کی "ی" تقطیع سے گرتی ہے ، کس کس کو درست کیجیے ۔

(نقل دیگر) اشرف خاں صاحب کہ شاگرد میاں صاحب کے ہیں ، مجھ[1] سے کہتے تھے ، ایک دن مرزا جعفر نے صحبت عام میں میاں مصحفی سے پوچھا آپ نے کوئی شعر ایسا بھی کہا ہے جس پر نازش ہو ۔ بہت سے مبالغے کے بعد یہ شعر پڑھا :

بھیج دیتا ہے خیال اپنا عوض اپنے مدام
کس قدر یار کو غم ہے مری تنہائی کا

سچ تو یہ ہے کہ مصحفی سا اُستاد مسلم الثبوت کم ہوا ہے مگر زمانۂ ناہنجار نے اُس عزیز کو کیا کیا پریشان رکھا ، باوجود اس کے کہ امیران نام دار اُس کے شاگرد تھے ، کسی[2] بے ہمت نے موافق اُس کے کفاف کے خدمت نہ کی ۔ یہ شعر اُس کا اس پر دلیل (ہے) :

اُستاد کا کرتے ہیں امیر اب کے مقرر
ہوتا ہے جو درماہہ کہ سائیس کے لائق

بڑے تو بڑے چھوٹے سبحان اللہ ، غریب جو اُس کے شاگرد

۱- کہتے ہیں کہ ایک دن مرزا جعفر نے میاں مصحفی سے کہا آپ . . . . نازش ہو ۔ میاں صاحب نے مبالغے کے . . .

۲- کسی کی ہمت نے . . .

تھے ، اُسے خیال میں نہ لاتے تھے ، بموجب اُن کے :

کس نیاموخت علم تیر از من
کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

چنانچہ اس غزل کی قیل و قال رنجش پر خواجہ حیدر علی آتش کی دال :

اُس کے بھی دھیان پر نہ چڑھا رنگ شاعری
سحبان کو ہم سمجھتے رہے ننگ شاعری

دشمن پہ مارے منہ جو مرا مستفید ہو
نے یہ کہ میرے ساتھ کرے جنگ شاعری

ممکن نہیں کہ شہرت سعدی مٹا سکے
خواجو کا شور و غلغلۂ رنگ شاعری

بے عقل تیرے حق میں کہے کچھ تو مصحفی
تو یہ سمجھ چڑھی ہے اُسے بنگ شاعری

اس جہان گزراں سے داغ بے قدری اپنے دل پر لے گیا ۔ کسی شاگرد نے تاریخ اس کی وفات کی یہ کہی :

کہ آتش بہ مصحف حرام آمدہ

کسی ظریف نے اس پر (یہ) اعتراض کیا :

ندانست آنکس کہ گفت ایں سخن
کہ آتش بہ مصحف حرام آمدہ

بہ عہد خلیفہ چو آتش زدند
در احراق مصحف تمام آمدہ

چند شعر میاں مصحفی کے بطریق یادگار لکھے جاتے ہیں کہ[1]

۱- جملے کا یہ حصہ نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

ناظرین کو اس سے حظ حاصل ہو:

لگے گر ہاتھ میرے تار اس زلف معنبر کا
تو ہووے باعث شیرازہ ان اجزائے ابتر کا

وہ خاکستر نشیں ہوں میں کہ مثل اخگر آتش
نہ مجھ کو فکر بالا پوش کا ہے اور نہ بستر کا

جواب نامہ تو معلوم اس کے پاس سے آنا
کوئی پر اڑتے اڑتے شاید آ پہنچے کبوتر کا

پڑا رہتا ہے اکثر راہ میں دامن درازوں کی
یہ سر مشتاق ہے جانے کیا کن پاؤں کی ٹھوکر کا

نہ ہوگی جاں کنی کے وقت ہرگز تشنگی غالب
کہ تو اے مصحفی مداح ہے ساقیٔ کوثر کا

میں اسی رشک سے مرتا ہوں کہ کل غیر نے ہائے
ہاتھ ہنگام قسم کیوں ترے سر پر رکھا

پس مرگ کیجو مری خاک تودہ
کوئی تیر اس پر لگاتا رہے گا

جو ملنا ہے تجھ کو تو آ جلد مل لے
کہ پھر ہاتھ سے وقت جاتا رہے گا

افسوس ہے کہ ہم تو رہے مست خواب صبح
اور آفتاب عمر لب بام آ گیا

جب عارض گل رنگ پہ خط اس نے نکالا
بلبل نے کہا سلمہ اللہ تعالیٰ

ہو غنچہ ہے دلبستگیٔ طبع کا مکتوب
ہر گل ہے پریشانیٔ خاطر کا رسالا

آہ وہ زخمی کہ سنبھلا اور سنبھل کر رہ گیا
مرغ بسمل کی طرح دو گام چل کر رہ گیا

تیرے نازک لبوں سے سیکھا ہے
غنچہ انداز مسکرانے کا

میں زلف منہ میں لی تو کہا مار کھائے گا
چومیں بھویں تو بولے کہ تلوار کھائے گا

اشک آیا چشم خانہ میں یوں لخت دل لیے
مہماں کے ساتھ جیسے ہو مہمان دوسرا

اپنی تو اس چمن میں یوں ہی یہ عمر گزری
یاں آشیاں بنایا واں آشیاں بنایا

محنت پہ ٹک نظر کر صورت گر ازل نے
چالیس دن میں تیرا میم دہاں بنایا

ازبسکہ اس سفر میں منزل کو ہم نہ پہنچے
آوارگی نے ہم کو ریگ رواں بنایا

خون جگر سے میرے گل کی شبیہ کھینچی
نالے کو میرے لے کر سرو رواں بنایا

شب ہجراں کی سیاہی نہ ہوئی روز سفید
یہ ورق تو نے نہ اے گردش ایام الٹا

ہم کو ترساتے ہو کیوں تم یہ ادا دکھلا کر
منہ چھپایا نہ کرو پھر خدا دکھلا کر
شرط یاری یہی ہوتی ہے کہ بس پھر گئے آپ
چار دن مہر و محبت کا مزا دکھلا کر
حسن کہتا ہے اسے پردہ اٹھا دے، پر شرم
یوں سکھاتی ہے کہ لے منہ کو چھپا، دکھلا کر
لالہ سر کھینچے ہے خاک شہدا سے اب تک
تم چلے آئے تھے اک دن کف پا دکھلا کر

سیراب آب جو سے قدح اور قدح سے ہم
سرخوش گلوں کی بو سے قدح اور قدح سے ہم
شیشہ جو پھوٹ جائے تو پھوٹے، ولے نہ ہو
یارب جدا سبو سے قدح اور قدح سے ہم

ہماری طرف آپ کم دیکھتے ہیں
وہ آنکھیں نہیں اب جو ہم دیکھتے ہیں
تو آوے نہ آوے ولے ہم تو ہر شب
تری راہ تا صبح دم دیکھتے ہیں
نظر پڑتی ہے عیب ہی پر سبھوں کی
ہنر **مصحفی** یار کم دیکھتے ہیں

تیر نگہ ہوا ہے دل میں مرے ترازو
تس پر بھی آپ ہر دم تلوار تولتے ہیں

کیا شک ہے بانکپن میں اس خانہ جنگ کے کچھ
ابرو کی جس نے منہ پر تلواریں کھائیاں ہوں

گر خاک سے ہماری پتلا کوئی بناوے
تیری دعا میں اس کی اٹھی کلائیاں ہوں

کشتگاں کو ترے شمشیر یہی کہتی ہے
کیجیے اس پہ قناعت تو دم آب ہے یاں

اپنے عاشق کی چشم تر کو دیکھ
صدقے میں تیرے ٹک ادھر کو دیکھ

میرے آگے نہ دیکھ آیینہ
میری حسرت بھری نظر کو دیکھ

تھی شب وصل کھل گئی جو آنکھ
رنگ فق ہو گیا سحر کو دیکھ

اس قدر بھی بلند پروازی[1]
اے پتنگ اپنے بال و پر کو دیکھ

قطعہ میاں مصحفی صاحب :[2]

لاش پر میری ہوا صبح جو خلقت کا ہجوم
۔۔۔۔۔۔۔ دیکھنے وہ شوخ ستم گار لگا

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۲- یہ قطعہ نسخۂ انجمن میں نہیں ہے ۔ نسخۂ پٹنہ میں بھی حاشیے پر اضافہ کیا گیا ہے ۔ (مرتب)

اور جنازے کو اُٹھایا تو یہ بولا اک شخص
ہاتھ اپنے کو ذرا تو بھی تو اے یار لگا
ہنس کے کہنے لگا ڈرتا ہوں کہیں یہ مردہ
جی اُٹھا ، پھر مرے پیچھے وہی آزار لگا

مانی جو کھینچے مرغ گرفتار کی شبیہ
چاک قفس سے کھینچیو منقار کی شبیہ
مانی گلے میں اُس کے، مرے ہاتھ ڈال دے
اور نام اُس شبیہ کا رکھ پیار کی شبیہ
جانا نہ میں نے رات کو رات اور دن کو دن
تب کی درست زلف و رخ یار کی شبیہ
اونچا ہے ہاتھ بھر وہ ورق لوح عرش سے
جس پر کھنچی ہے ساعد دل دار کی شبیہ

کدھر چلا ہے کھڑا رہ ذرا تماشا دیکھ
ابھی تو خاک پہ بسمل ترا[1] تڑپتا ہے

نہ قاصد ہے نہ نامہ ہے نہ پیغام زبانی ہے
ہمارے حال پر کیا[2] اس قدر نا مہربانی ہے
قدم آگے اٹھا سکتے نہیں ہم اُس کے کوچے سے
کہ پاؤں پر ہمارے سر جھکائے ناتوانی ہے

---

۱ ۔ پڑا ۔ ۲ ۔ کیوں ۔

اک ادا دکھلا کے بھاگے دل پہ نشتر مار کے
اس ادا پر ہم بھی مر جائیں گے خنجر[1] مار کے

خوش قدوں کی شوخیٔ رفتار میں یہ ہے اثر
بخت خفتہ کو جگا دیتے ہیں ٹھوکر مار کے

چوٹ ہے اس بات کی دل پر کہ تم جاتے رہے
تازیانے کی طرح زلف معنبر مار کے

غم دل کا بیان چھوڑ گئے
ہم یہ[2] اپنا نشان چھوڑ گئے

نفرت آئی سگ و ہما کو کیا
جو مرے استخوان چھوڑ گئے

سفر اس دل سے کر گئے غم و درد
یار سونا مکان چھوڑ گئے

لے گئے سب بدن زمیں میں ہم
مصحفی اک زبان چھوڑ گئے

کیا ہماری بساط اور ہم کیا[3]
مہر کے آگے بود شبنم کیا

کوئی انساں نظر نہیں آتا
ہو گئی قطع نسل آدم کیا

۱- نسخۂ پٹنہ میں سہو کتابت سے اس مصرع میں بھی قافیہ ''نشتر'' ہے - (مرتب)

۲- نسخۂ پٹنہ میں سہو کتابت سے ''یہاں'' - (مرتب)

۳- اس زمین کے دونوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

ترے کوچے میں ہمیں تو یونہی دن سے رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا کبھی اُس سے بات کرنا

لگی تلوار چلنے اس ادا پر بانکے ٹیڑھوں میں
ذرا کج ہو کے بیٹھا تھا وہ کافر پشت توسن پر

بیٹھا ہے منہ پھلائے آتا نہیں سخن میں
کیا گھنگیاں بھری ہیں اُس شوخ کے دہن میں

دو دن سے وہ شکل اپنی دکھاتا نہیں مجھ کو
اُس بن کسے دیکھوں کوئی بھاتا نہیں مجھ کو
عاشق سے بھی ہوتا ہے کہیں صبر و تحمل
وہ کام تو کہتا ہے جو آتا نہیں مجھ کو
جنت کا میں بھولے سے کہیں نام لیا تھا
اس ننگ سے دوزخ بھی جلاتا نہیں مجھ کو
کچھ صحبت لیلیٰ ہی کا مردود نہیں ہوں[1]
مجنوں بھی تو پاس اپنے بٹھاتا نہیں مجھ کو

ان چوڑیوں کی سنتے ہی جھنکار دو دستی
کھائی دل مجروح نے تلوار دو دستی
رسوائی عاشق سے تو واقف نہ ہوا اور
یاں بج گئی تالی سر بازار دو دستی

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

وان اطلس و حریر پہ چلتی ہیں قینچیاں
یاں جامۂ حیات کی قطع و برید ہے

چل چل کے ٹھہر جاتا ہے وہ اپنے گلے پر
یہ ناز نہ ہم سے ترے خنجر کے اٹھیں گے

طرفہ مکابرہ اور غریب[1] مضحکہ کہ میاں مصحفی اور (میر) انشا اللہ خان میں ہوا تھا ، اُس[2] کا بیان مختصر کیا جاتا ہے ۔

(انشا اللہ خان اور میاں مصحفی دونوں بزرگوار مرزا سلیمان شکوہ کی سرکار میں نوکر تھے ۔ ایک دن میاں مصحفی کہ زبان کے کڑے اور دہن دریدہ تھے ، وہ گفتگو کہ قابل و لایق بادشاہوں کے نہیں ، حضور میں شاہزادے کے کر بیٹھے ۔ مرزا سلیمان شکوہ نے میر انشا اللہ خاں کو اپنے سر کی قسم دے کر کہا کہ مصحفی کو رسوائے خاص و عام کیا جائے ۔ میر انشا اللہ خاں نے قبول کیا مگر یہ نہ سمجھے کہ اُس کی ذلت عین اپنی رسوائی ہے ۔ کہاں ایک زباں کہاں سو زباں ۔ اب بیان اس کا سنیے)۔ ایک دن مصحفی نے یہ غزل اپنی شاہزادہ (مرزا) سلیمان شکوہ کے حضور میں پڑھی :

سر مشک کا تیرا ہے تو کافور کی گردن
نے موئے پری ایسے نہ یہ حور کی گردن

جھک جھک کے میں ہر چند کیے سیکڑوں مجرے
پر خم نہ ہوئی اس بت مغرور کی گردن

۱۔ غرایب ۔
۲۔ مختصر بیان کیا جاتا ہے ۔

اک ہاتھ میں گردن ہو صراحی کی مزا ہے
اور دوسرے میں ساقیٔ مخمور کی گردن

دل کیوں کہ تری جعد کا پھر اس پہ نہ پھسلے
صانع نے بنائی تری بلور کی گردن

یوں زلف کے حلقے میں پھنسا **مصحفی** اے واے
جوں طوق میں ہووے کسی مجبور کی گردن

میر انشا اللہ خان نے اس کے جواب میں (بہ اشارۂ حضور) بدیہتاً یہ مطلع پڑھا:

سر انبے کا تیرا ہے تو امچور کی گردن
ٹڈی کی لگے جس کو نہ زنبور کی گردن

مردم بازاری کو یہ مطلع خوش آیا بلکہ[1] ترانے میں آسے گایا۔ پھر انشا نے یہ غزل انشا کی:

توڑوں گا خم بادۂ انگور کی گردن
رکھ دوں گا وہاں کاٹ کے اک حور کی گردن

تب عالم مستی کا مزا ہے کہ پڑی ہو
گردن پہ مری اس بت مخمور کی گردن

محفل میں تری شمع بنی موم کی مریم
پگھلی ہے پڑی اس کی وہ کافور کی گردن

خوددار کی بن شکل الف ہاے انا الحق
نت چاہتی ہے اک نئے منصور کی گردن

اچھلی ہوئی ورزش سے ترے ڈنڈ کی مچھلی
ہے نام خدا جیسے سقنقور کی گردن

۱- . . . بلکہ اسے ترانہ بنایا، پھر . . . .

آ دیو سفید سحری کاش کہ توڑے
اک مکے سے خور کے ، شب دیجور کی گردن

آیینے کی گر سیر کرے شیخ تو دیکھے
سر خرس کا منہ خوک کا لنگور کی گردن

مرزا سلیمان شکوہ بہادر کہ شاگرد میر انشا اللہ کے تھے ، انھوں نے اس[1] پر غزل کہی :

خالق نے بنا کر کے تری نور کی گردن
کی اُس پہ تصدق وہیں اک حور کی گردن

معنی بھی اناالحق کی بلندی کے یہی تھے
ہرگز نہ جھکی دار پہ منصور کی گردن

سب صاحبوں نے اس کو جو باندھا ہے یہ کہیے
دیکھی ہے کسی نے بھی سقنقور کی گردن

اور دوسرے ہے لفظ بلور اُس کو بھی احمق
کہتے ہیں زبردستی سے بلور کی گردن

اور تیسرے ماہی کو جو ماہی "پڑھو ہو"[2]
ہاں اس پہ ہلے عقل کے معذور کی گردن

جب[3] یہ جانبین سے گفت و شنود درمیان میں آئی ، شاگرد میاں صاحب کے ٹڈی دل کی طرح اُمڈے اور ہر ایک نے[4] میر انشا اللہ خان کے جواب میں غزل لکھی ۔ خلیل :

خم کیوں کہ ہو اُس صاحب مقدور کی گردن
خم کر دے جو اک بات میں جمہور کی گردن

۱۔ یہ غزل کہی۔ ۲۔ نسخہ پٹنہ میں سہو کتابت سے ''پھر وہو'' (مرتب)
۳۔ جب جانبین سے یہ گفت و شنود ۰۰۰۰
۴۔ ۰۰۰۰ نے انشا کے جواب ۰۰۰۰۰

سوتیغ لیے نکلے ہے اک ہاتھ میں خورشید
تا کاٹے جو دیکھے شب دیجور کی گردن

میں وہ سخن آرائے شہنشاہ جہاں ہوں
رعشہ مری ہیبت سے ہو فغفور کی گردن

ٹک گوش خرد رکھ کے مری بات کو[1] سن لے
روشن میں کہوں جیسے ہو[2] خور نور کی گردن

جا باغ زلیخا میں تو اے یوسف ثانی
تاباں وہاں[3] پھر دیکھ لے بلور کی گردن

عرفی نے خموشی کو خموشی" کہا ہے
اس سے یہ ہے ماہیٔ سقنقور کی گردن

اک بات میں تجھ سے کہوں انصاف تو کیجو
انساں کی بھی ہوتی ہے کہیں نور کی گردن

جب خوف فطانت پہ تری طبع تھی رقاص
تب تجھ سے تماشا بندھی لنگور کی گردن

مرزا حیدر علی گرم نے یہ غزل لکھی اور میر انشا اللہ خان کی خدمت میں بھیجی[4] :

کل شمع نے دیکھی تھی جو اس حور کی گردن
دی آگ میں رکھ اپنی وہ کافور کی گردن

۱- تو
۲- کہ

۳- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے "ہوا" بجائے "وہاں"۔ (مرتب)
۴- نسخۂ انجمن میں یہ عبارت نہیں ہے ، صرف "مرزا حیدر علی گرم" لکھا ہے ۔ (مرتب)

جوں جوں کہ سر اپنا میں رکھا پاؤں کے اُوپر[1]
تنتی ہی گئی اُس بت مغرور کی گردن

زانو پہ جھکائے ہوئے سر بیٹھا ہوں اپنا
دیکھی ہے جو اک شاہد مستور کی گردن

سب عضو ترے نور تجلی سے بھرے ہیں[2]
نا فہم کے آگے ہے فقط نور کی گردن

جامی کی زلیخا میں ہے بلور کی گردن
کس نسخے میں ہے خوشۂ انگور کی گردن

ماہی کی اضافت پہ جنھیں ہووے تامل
بے سر ہے وہ پھر اُن کی سقنقور کی گردن

سمجھے نہ کوئی شعر کو ہے بازیٔ طفلاں
یہ مار کی گردن ہے نہ زنبور کی گردن

سر کاٹ کے اُس کا ابھی لنکا میں چڑھاؤں
لگ جائے مرے ہاتھ جو لنگور کی گردن

بعض شخص نے میاں مصحفی سے کہا کہ انشا مائل بہ صلح ہے (تم بھی اُس سے التیام کرو) میاں صاحب نے یہ قطعہ لکھا :

اے آنکہ معارض ہو مری تیغ زباں سے
تو نے سپر عذر میں مستور کی گردن

ہے آدم خاکی کا بنا خاک سے پتلا
گر نور کا سر ہووے تو ہو نور کی گردن

میں لفظ سقنقور مجرد نہیں دیکھا
ایجاد ہے تیرا یہ سقنقور کی گردن

۱، ۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

گردن کی صراحی کے لیے وضع ہے نادان
بے جا ہے خم بادۂ انگور کی گردن

اس سے بھی میں گزرا غلطی اور یہ سنیے
باندھے ہے کوئی خوشۂ انگور کی گردن

کافور سے مطلب ہے مرا اس کی سفیدی
ٹھنڈی تو نہیں باندھی میں کافور کی گردن

کافور تو میت کا اسے سمجھے بایں عقل
اور آپ جو پھر باندھے تو کافور کی گردن

یہ لفظ مشدد ہی درست آیا ہے تجھ سے
خم ہوتی ہے کوئی مری بلور کی گردن

مضمون وہ میرا ہے کوئی اور طرح سے
باندھی ہے اگر آپ نے رنجور کی گردن

منصف ہو تو پھر نام نہ لے دعوے کا ہرگز
یہ بوجھ اٹھا سکتی نہیں مور کی گردن

آخر الامر جب یہ فضیحت دونوں طرف ہوئی ، شب[1] پانزدھم کہ شاہزادہ سلیمان شکوہ کے یہاں مشاعرہ تھا ، میاں جرأت اور میر علی اکبر اختر[2] نے میاں مصحفی اور میر انشا اللہ خان کو ملا دیا ۔ ظاہر میں صلح اور باطن میں عداوت رہی ۔ بعد چندے میاں صاحب نے روبرو حضور پرنور کے یہ غزل پڑھی کہ زمین اس کی جدید اورخیلے دشوار تھی :

۱۔ ۔۔۔ شب یاز دہم کہ شہزادے کے یہاں مشاعرہ تھا ، جرأت اور اکبر علی اختر نے مصحفی اور انشا کو ملا دیا ۔ ظاہر میں صلح اور باطن میں عداوت رہی ۔ بعد چندے مصحفی نے حضور پر نور میں یہ غزل کہ زمین اس کی جدید اور خیلے دشوار تھی ، پڑھی ۔

۲۔ صحیح 'میر اکبر علی اختر' جو خود ناصر نے ترجمہ' اختر میں لکھا ہے ۔ (مرتب)

زہرا کی جب آئی کف ہاروت میں انگلی
کی رشک نے جا دیدۂ ماروت میں انگلی

بن دودھ انگوٹھے کے تئیں چوسے ہے نادان
رکھتی ہے تصرف عجب اک قوت میں انگلی

مہندی کے یہ چھلے نہیں پوروں پہ بنائے
ہے اس کی ہر اک حلقۂ یاقوت میں انگلی

غرفے کے ترے حال پہ از بہر تاسف
ہر موج سے تھی کل دہن حوت میں انگلی

شہتوت ہے یا صانع عالم نے لگا دی
شیریں کی یہ شاخ شجر توت میں انگلی

مطرب بچہ جس وقت کہ چھیڑے ہے تو قانون
ناچے ہے تری عالم لاہوت میں انگلی

تھا مصحفی یہ مائل گریہ کہ پس مرگ
تھی اس کی دھری چشم پہ تابوت میں انگلی

حضار نے زبان تحسین و آفرین کھولی اور غزل کو پسند کیا ، مگر[۱] میر انشا اللہ خاں کہ دل ان کا ہنوز ناصاف تھا ، منہ پھیر کے یہ کہنے لگے :

زہرا کی گئی کب کف ہاروت میں انگلی
کب رشک نے کی دیدۂ ماروت میں انگلی

۱- ۰۰۰۰ مگر انشا کہ دل اس کا ہنوز ۰۰۰۰ منہ پھیر کر یہ کہنے لگا ۔

وہ چرخ پہ قیدی یہ کنویں میں تھے بچارے
اس جھوٹے کی جورو . . . .[1]

کیوں کر نہ ہو انگشت نما آپ یہ کہیے
جب موج کی دیویں دہن حوت میں انگلی

. . . .[2] کے تصور میں انگوٹھے ہی کو چوسو
بس بھریے نہ اب آپ کسی قوت میں انگلی

دیکھا ہے کہیں حلقۂ یاقوت جو تم نے
دی ان کی پھنسا حلقۂ یاقوت میں انگلی

پہنچائے ہے مخلوق کو خالق کی جگہ پر
مطرب کی نچا عالم لاہوت میں انگلی

ہیں آپ جلاہے کے خسر یا وہ تمھارا
الجھائی اسی واسطے ہے سوت میں انگلی

تھا مصحفی کانا کہ چھپانے کو پس مرگ
تھی اس کی دھری چشم پہ تابوت میں انگلی

اس[3] غزل کے بعد غزل دوسری میر انشا اللہ خاں نے کہی، و ہی ہذا:

دیکھ اس کی پڑی خاتم یاقوت میں انگلی
ہاروت نے کی دیدۂ ماروت میں انگلی

ہلتے ہیں مصلیٰ پہ تشہد میں سو الحق
ہے وہ دہن عابد طاغوت میں انگلی

۱- بوجہ فحش کلامی چند الفاظ حذف کیے گئے - (مرتب)
۲- ایک فحش لفظ حذف کیا گیا - (مرتب)
۳- نسخۂ انجمن میں یہ عبارت نہیں ہے - صرف ''غزل دیگر انشا'' لکھا ہے - (مرتب)

پیٹے ہے مری آہ فلک میں تو کہوں ہوں[1]
یوں ڈالتے ہیں بینیٔ مسکوت میں انگلی

آلودہ ہوئی نور میں جس وقت کہ ڈوبی
جراح کی خون دل مبہوت میں انگلی

کشتے نے ترے تھی جو شہادت کو اٹھائی
سو ووہیں کھڑی رہ گئی تابوت میں انگلی

اے شیخ تری ریش کو وسمہ وہ لگائے
جو شخص گھسیڑے دہن حوت میں انگلی

یوں ہے تری بنصر پہ حنا جیسے کہ تر ہو
داؤد کی خون سر جالوت میں انگلی

ناسوت کے عالم میں پئے سیر ہم انشا
کرتے ہیں شگاف در لاہوت میں انگلی

میاں مصحفی نے میر انشا اللہ کی شوخ چشمی کا گلہ اشراف شہر سے کیا ۔ وضیع و شریف نے متفق اللفظ (یہ) کہا : وہ روز بروز[2] تجھے انگشت نما کرتا ہے ، تجھ سے اور تیرے تلامیذ سے جو ہو (سکے) کوتاہی نہ کر ۔ م :

کلوخ انداز را پاداش سنگ است

آخر شاگرد اس کے متفق ہوئے اور انشا کی غزل پر[3] یہ اعتراض کیا اور ہر طرف سے گھوڑا کاغذ کا دوڑنے لگا :

بے معنیٰ ہے خون سر جالوت میں انگلی
جیسے دہن عابد طاغوت میں انگلی

۱- میں ۲- روز روز
۳- ۰۰۰ پر اعتراض ہونے لگے ۔

ذو سکتہ کو مسکوت کہے ہے کوئی نادان
ہے لغو تری بینیٔ مسکوت میں انگلی

کچھ مصرع اول سے نہیں ربط بھی اس کو
ہاروت نے کی دیدۂ ماروت میں انگلی

جورو تری چھیلا ہو تو کیوں کر نہ کروں غش
دیکھ اس کی پڑی خاتم یاقوت میں انگلی

مادر کا رحم اپنی ٹٹولے ہے تو شاید[1]
کرتا ہے جو بیٹھا شکم حوت میں انگلی

[2]. . . . .کا تری بڑھیا کے جب تومیا سلجھائے
کیوں الجھے نہ. . [3] . کی مرے سوت میں انگلی

بہتان صریح اس کے تئیں کہتے ہیں یارو
کشتہ نہ اٹھائے کبھی تابوت میں انگلی

میں خالق معنی تھا سمجھ کر کے میں باندھی
ہم قوت میں ہم سوت میں ہم توت میں انگلی[4]

ٹھہرائے ہے بے معنی غزل کو مری انشا
اس جھوٹے کی جورو. . . . .[5]

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲،۳- ایک فحش لفظ حذف کیا گیا - (مرتب)
۴- ان اشعار کے بعد نسخۂ انجمن میں یہ عبارت ہے-''سیرانشا اللہ خاں نے اس غزل کا مسدس کیا چنانچہ اس کا ایک بند لکھا جاتا ہے''- اس کے بعد وہ بند ہے جو موجودہ متن میں آگے چل کر لفظ ''مصروع'' سے شروع ہوتا ہے - (مرتب)
۵- بوجہ فحش کلامی چند الفاظ حذف کیے گئے - (مرتب)

گرم[1] :

مانی میں ہوئی حلقۂ یاقوت میں انگلی
کس واسطے ہے دیدۂ ماروت میں انگلی

اس جرم پہ لازم ہے ترے ہاتھ کو کاٹیں
کرتا ہے شگاف در لاہوت میں انگلی

سبلت کے تیئں کون سے شاعر نے کہا حوت
کرتا ہے جو تو اب شکم حوت میں انگلی

اردو کے موافق نہیں یہ بات جو تو نے
باندھی دہن عابد طاغوت میں انگلی

یہ بے ادبی کم ہے جو خنصر [کو] بتاوے
داؤد کی خون سر جالوت میں انگلی

سکتے کے تئیں چاہیے آیینہ دکھائے
نہ یہ کہ کرے بینیٔ مسکوت میں انگلی

منتظر :

(منتظر کہ انتظار اس کو اس رسوائی کا تھا اس نے یہ غزل کہی):

واں جورو نچائے تری بازار میں انگلی
اور لوگ . . .[2] یاں ترے دربار میں انگلی

انگشت نما کیوں نہ ہو زن تیری کہ ہر دم
پھیلائے ہے . . . .[3]

۱- گرم کی یہ غزل نسخۂ انجمن میں مسدس (مصروع . . . . الخ) کے بعد ہے ۔ غزل سے پہلے یہ عبارت ہے ۔ ''جب یہ جواب ادھر سے پہنچا گرم نے یہ غزل نہایت گرمی کے ساتھ لکھی۔'' (مرتب)

۲- بوجہ فحش کلامی ایک لفظ حذف کیا گیا ۔ (مرتب)

۳- اس شعر میں اور اس کے بعد کے ایک شعر میں چند فحش الفاظ تھے جو حذف کئے گئے ۔ نیز یہ دونوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔

اے ہینز عجب کیا ہے اگر از رہ خلطہ
تو اس کے . . . . اور وہ ترے . . . . .
کوٹھے پہ جو وہ چڑھ کے سدا آنکھ لڑاوے
تاچند تو دے رخنۂ دیوار میں انگلی
چکھا نہ مزا انگلی کا اے فربۂ نادان
یہ ہوتا ہے دینا دہن مار میں انگلی

جب یہ کاؤ کاؤ اس کوا گہار کی میر انشا اللہ خاں تک پہنچی، شاہباز آسا ہر ایک (کے شکار) کا قصد کیا۔ پہلے[1] غزل کے جواب میں یہ مسدس جس کا ایک بند بطور انتخاب لکھا جاتا ہے، کہا :

مصروع کو ذو صرع نہیں کہتے ہیں انسان
مفلوج کو ذو فالج اگر کہتے طبیبان
تو بات تری لگتی کچھ اے نطفۂ شیطان
غش ہے ترے اس شعر پہ روح علوی خان
ذوسکتہ کو مسکوت کہے ہے کوئی نادان
ہے لغو تری بینیٔ مسکوت میں انگلی

بعد اس کے سب کے جواب میں یہ مخمس لکھا[2] :

سن مصحفیٔ زشت و بد اطوار کی گالی
کہتا ہوں یہ گالی نہیں کچھ عار کی گالی
سٹھنی کے عوض تو نے جو طیار کی گالی
گالی ہے یہ کچھ اور ہی اسرار کی گالی
داماد کو دیتا ہے خسر پیار کی گالی

۱- نسخۂ انجمن میں یہ عبارت ہے ''اور یہ مخمس لکھا''۔ اور پھر وہ مخمس ہے، جو مسدس کے اس بند کے بعد ہے۔ (مرتب)
۲- یہ عبارت نسخۂ انجمن میں نہیں۔ (مرتب)

بیٹی کا تری . . . . سے پھوٹا
اس ڈھب سے کہ فوارۂ خوں . . . . چھوٹا
یہ چیخی وہ اس وقت کہ سر تو نے بھی کوٹا
اور صاف یہ سمجھا کہ دم اس کچی[1] کا ٹوٹا
یک بار کا یہ . . . . نہ سو بار کی گالی

وہ منتظر و گرم جو شاگرد ہیں ترے
ناتے سے ترے دونوں خسر پورے ہیں میرے
پھرتا ہوں پڑا آٹھ پہر میں انھیں گھیرے
دونوں . . . .[2] سویرے
ان دو کے لیے سنتا ہوں دوچار کی گالی

قصہ مختصر میر انشا اللہ خاں مع سانگ اور ایک کو بنسی یہ ہجو پڑھتے ہوئے احمد نگر میں میاں صاحب کے مکان پر گئے اور[3] ہر قدم پر یہ مخمس پڑھتے ہوئے (کذا) :

مجھ سے سحر کہہ گئی آ کے نسیم چمن
سانگ نیا لائے گا اب کے یہ چرخ کہن
آتے ہیں مجھ کو نظر کچھ کڈھب اس کے چلن
گڈا بنائے گا وہ صاف جو ہوں مرد و زن
اور کہے گا یہ ہیں مصحفی و مصحفن

پھر انھیں بایک دگر . . . .[4] کرائے گا وہ
ہاتھوں پر ان کو اٹھا گت سے نچائے گا وہ

۱- بچی۔
۲- اس مصرعے میں سے اور اس سے پہلے بند کے ابتدائی تین مصرعوں میں سے فحش الفاظ قلم زد کئے گئے ہیں۔ (مرتب)
۳- یہ الفاظ (اور . . . . ہوئے) نسخۂ انجمن میں نہیں۔ (مرتب)
۴- ایک فحش لفظ حذف کیا گیا۔ (مرتب)

پھر . . . .[1] کے ساتھ گت سی بجائے گا وہ
منتظر و گرم کو خوب رجھائے گا وہ
ہوئے گا اظہار سب ان میں ہے جو بانکپن

جس وقت یہ[2] سانگ مصحفی کے مکان پر پہنچا، منتظر اور گرم استاد کی خدمت میں[3] ہر ایک حاضر تھا، دست بہ قبضہ ہوئے۔ میاں صاحب ان کے ہاتھ پاؤں پڑے اور یہ کہا کہ نواب آصف الدولہ بہادر بٹول میں ہیں، والیٔ ملک کی غیبت میں خانہ جنگی کا ہونا میرے واسطے موجب بدنامی کا ہے۔ اس رفع خجالت کے لیے منتظر نے یہ مخمس کہا اور خوب مشہور ہوا:

اگلی تری جورو تجھے بہکا گئی بھڑوے
جس[4] جس سے . . . .[5] گئی بھڑوے
یہ زور تماشا تجھے دکھلا گئی بھڑوے
اک شمع ادھر . . . . سے وہ کھا گئی بھڑوے
چربی تری آنکھوں میں ادھر چھا گئی بھڑوے

زن دوسری کھیلے ہے تری نین مٹکا
ہے وہ بھی چھنالوں میں کوئی زور ہی چھکا
تجھ سا بھی ولے کم ہے دغا باز اچکا
گھہ اس کو مدینہ کہے گہہ اپنا تو مکا[6]
اس بات پہ صدقے تری بڑھیا گئی بھڑوے

۱- ایک فحش لفظ حذف کیا گیا۔ (مرتب)
۲- وہ　　　۳- . . . . میں حاضر تھے، دست . . . .
۴- جن جن سے . . . .
۵- اس مخمس میں فحش الفاظ کی جگہ نقطے لگائے گئے ہیں۔ (مرتب)
۶- نسخۂ انجمن میں اس بند کے تیسرے اور چوتھے مصرع کی ترتیب موجودہ ترتیب کے بالعکس ہے۔ (مرتب)

اے بھڑوے نئی طرح کا لایا تو یہ رولا
رولا نہیں کہیے اسے انبوہ الولا
ظاہر تھا کہانے سے ترا .... مرولا
میں نے بھی کیا ہے تری ہمشیر سے ڈولا
جھنجھلا کے جو میں یوں جی ترے آ گئی بھڑوے
پہنچے ہے کہیں یوں جو کوئی بکرہ بندر[1]
پڑتی ہے طویلے کی بلا اس کے ہی سر پر
سو بار اگر ریچھ نچائے گا تو اے خسر
سمجھوں گا نہ تو بھی تجھے اک ..... برابر
ہے سانگ تو باقی ابھی شب کیا گئی بھڑوے
ہو پار جو گنگا کے تو اب پار ہے بیڑا
بے طرح تجھے باد مخالف نے ہے گھیرا
سمجھا میں یہ جس بات کا سارا ہے بکھیڑا
لقمے کے عوض ہجو کا کھایا جو تھپیڑا
پیڑے کو گلہری تری متھرا گئی بھڑوے
اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

۲۲۵ - بیباک ، میر نجف علی

فن شعر میں مستعد و چالاک ، میر نجف علی تخلص بیباک ، شاگرد[2] میاں مصحفی ۔ من کلامہ :

ہم کو لیل و نہار نے مارا	گردش روزگار نے مارا
ایک تو آگے ہی تھے[3] سودائی	تس پہ جوش بہار نے مارا

۱- نسخہ پٹنہ میں یہ مصرع اس ناموزوں صورت میں ہے :

پہنچے کوئی بھی کہیں بکرہ و بندر (مرتب)

۲- شاگرد مصحفی ۔ اس سے یادگار ۔ ۳- تھا ۔

صبر کس طرح کیجیے **بیباک**
اس دل بے قرار نے مارا

بیباک کیوں کہ پہنچیں گے منزل کو دیکھیے
اپنی کھلی جب آنکھ کہ تب کارواں گیا

صیاد یہ ہوس ہے دل داغ دار میں
گلپوش کر قفس کو مرے نو بہار میں
ملتے ہیں دل کو مثل حنا پاؤں کے تلے
یہ رسم اک نئی ہے بتوں کے دیار میں
بیباک کوئی کھول کے دیکھے تو اب تلک
آتش بھری ہوئی ہے ہمارے مزار میں

مجلس سے اس کی ہم نے تہمت کے ڈر کے مارے
سو سو جگہ سے اٹھ اٹھ اپنا مکان بدلا

---

۲۲۶ - جوش ، شیخ رحیم اللہ

صاحب عقل و ہوش ، شیخ رحیم اللہ تخلص جوش[1] ، وطن دہلی ، شاگرد (میاں) مصحفی ، من اشعارہ :

دریا مری آنکھوں سے نت جاری لہو کا ہے
بے درد تو کیا جانے کیا رنگ کسو کا ہے

۱- .... جوش ، شاگرد ....

۲۲۷ - جوان ، نعیم بیگ

خوش بیان ، نعیم بیگ تخلص جوان ، وارد لکھنؤ ، ساکن دہلی[1] ، شاگرد (میاں) مصحفی (صاحب - یہ سخن اس نیکوکار سے یادگار) :

جائیں تھے اشک تو کل دیدۂ گریاں سے لپٹ[2]
آج کیا ہے کہ جدا ہوتے ہیں مژگاں سے لپٹ

تربت سوختہ جانوں پہ نہ اس طرح پھرو
شعلہ جائے گا کوئی آپ کے داماں سے لپٹ

ساتھ ہر اک کے اسے شوق ہے اب کشتی کا
اے[3] جوان تو بھی تو اس فتنۂ دوراں سے لپٹ

گر اس کی بے وفائی کا شکوہ بیاں کروں
تو رفتہ رفتہ جمع میں اک داستاں کروں

اس سے تو اپنے حسن کا شعلہ نہ چھپ سکا
میں ضبط آہ کیوں کہ بھلا اے جواں کروں

اٹھ چل نہ جواں آج تو پھر اس کی گلی کو
شاید وہ نکلتا ہوا گھر سے نکل آئے (کذا)

یہ ان دنوں جو ہم سے اتنی رکھائیاں ہیں
شاید کسی نے باتیں کچھ کچھ سجھائیاں ہیں

کس بے ادب[4] نے تم سے گل بازی آج کی ہے
منہ پر تمھارے چوٹیں کیا سخت آئیاں ہیں

۱- شاہ جہان آباد -

۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۳- اب

۴- بے ادا -

پیوستہ اس کے ابرو میں دیکھ کر یہ سمجھا
دو شاخیں ہیں کہ جھک کر[1] ملنے کو آلیاں ہیں

---

۲۲۸ - سرسبز ، مرزا زین العابدین عرف مرزا مینڈو

مرزا زین العابدین عرف مرزا مینڈو تخلص سرسبز (شاعر خوش آہنگ) ، فرزند ارجمند[2] نواب سالار جنگ[3] بہادر ، میاں مصحفی اس سرکار میں نوکر اور نام استادی پر مقرر ، یہ شعر[4] ان سے یادگار :

قفس میں گزرے گی کیا عندلیب خانہ ویراں پر
سنے گی جس گھڑی ہے ان دنوں عالم گلستاں پر

شمع جب چہرۂ پر نور دکھاتی ہے مجھے
یاد عارض میں تری اور جلاتی ہے مجھے

خندۂ گل میں نکلتا ہے کہاں وہ عالم
ہائے کیا وضع ترے ہنسنے کی بھاتی ہے مجھے

اس کے کوچے کی طرف میں تو نہ جاؤں سرسبز
کشش دل ہے کہ کھینچے لیے جاتی ہے مجھے

جو دوست مرا اس کو پیغام سناتا ہے[5]
وہ صاف اسے یارو دشنام سناتا ہے

۱- تل کر -

۲- خلف الصدق -

۳- ۰۰۰ جنگ ، میاں مصحفی ان کے نوکر - اور استادی۰۰۰

۴- اشعار -

۵- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

بے تکلف تھے دل کے لینے تک
ہم سے اب آپ منہ چھپاتے ہیں

آپ ادھر کیجیے علم شمشیر
ہم ادھر اپنا سر جھکاتے ہیں

شب انتظار گزری ہمیں انتظار کرتے
کبھی دوست دوست کہتے کبھی یار یار کرتے

ترا یار اس جگہ تھا نہ ہوا تو ہائے سرسبز
کہیں اس گھڑی جو ہوتا تجھے ہم دو چار کرتے

بیٹھا ہوں میں تو کب سے سر راہ یار پر[1]
کیجو نگاہ ٹک تو مرے انتظار پر

کیا حال گریہ پوچھے ہے ہمدم سرک کہیں
اب تو نچوڑ ہے مژۂ اشک بار پر

یہ جو کانوں میں بتاں عقد گہر رکھتے ہیں
میرے آنسو ہیں کہ یکجا انہیں کر رکھتے ہیں

منہ موڑ[2] لیا تم نے اگر مہر و وفا سے
ہم ہاتھ اٹھائیں گے نہیں دست دعا سے

میں نے جو کہا اس سے کہ جاتی ہے مری جاں
منہ پھیر کے یوں کہنے لگا میری بلا سے

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۲- پھیر -

ترے گلشن سے جائیں اب کدھر ہم
کہ ہیں اے باغباں بے بال و پر ہم
ہماری آہ پر ہنستا ہے کیا تو[1]
دکھا دیں گے تجھے اس کا اثر ہم

جگہ پائیں گے اتنی باغ میں اے باغباں ہم بھی[2]
کبھی آ کر بنائیں گے چمن میں آشیاں ہم بھی

خبر لائی باد بہاری کسی کی
دو چنداں ہوئی بے قراری کسی کی
ترے ہاتھ سے بوئے مشک آئی شانہ
مگر تو نے کاکل سنواری کسی کی[3]
میں سرسبز روتا ہوں آتی ہے جب یاد
وہ صورت مجھے پیاری پیاری کسی کی

---

۲۲۹ ـ صبا ، کانجیومل

طبیعت کا رسا ، کانجیومل تخلص صبا[4] ، ساکن فیروز آباد شاگرد مصحفی ، یہ اس سے یادگار[5] :

---

۱ ، ۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں -(مرتب)

۳- دونوں نسخوں میں مصرع اول میں ''شاید'' بجائے ''شانہ'' اور ''گیسو'' بجائے ''کاکل'' ہے - یہاں تذکرۂ ہندی کے مطابق تصحیح کی گئی ہے - (مرتب)

۴- دونوں نسخوں میں تخلص ''ضیا'' لکھا ہے جو درست نہیں - (مرتب)

۵- یاد -

عبث ہے پاس میرے یہ تمھارا بار بار آنا
جدائی میں مجھے مشکل ہے اے یارو قرار آنا
ترے درد جدائی سے ترا عاشق گیا جی سے
صبا اس گل کے دروازے پہ یہ جا کر پکار آنا

افسوس وہ آرام عدم میں بھی نہ پایا
جس کے لیے دنیا سے سفر ہم نے کیا تھا

مجھے آتا ہے تجھ پر رحم اس قاتل کے کوچے میں
لیے جاتا ہے نامہ آج تو اے نامہ بر کس کا

چلے دامن اٹھا کے[1] یہ کہو اس ترک قاتل سے
کہ یہ مدفن نظر آتا ہے رنگیں خون بسمل سے
تغیر رنگ میں تاب و تواں نے ہمرہی چھوڑی
رعیت جس طرح پھر جائے ہے معزول عامل سے
صبا ہم نے تو[2] ہرگز کچھ نہ دیکھا جذب الفت میں
غلط یہ بات کہتے ہیں کہ دل کو راہ ہے دل سے

مجلس سے اٹھ کے جب وہ رشک قمر گیا ہے
اپنا تو روتے روتے نور نظر گیا ہے
بھٹکا پھرے ہے مجنوں لیلیٰ کے قافلے میں
یہ پوچھتا کہ یارو محمل کدھر گیا ہے

۱- کر -

۲- ۔۔۔۔ تو کچھ ہرگز ۔۔۔

کیا تو نے کچھ **صبا** سے اے تند خو کہا تھا
روتا ہوا ادھر سے با چشم تر گیا ہے[1]

عاشق مضطر کا سوز دل نہاں کیوں کر رہے[2]
شمع کے شعلے کی اے یارو زباں کیوں کر رہے

اے **صبا** سچ ہے جدائی میں بقول مصحفی
درد مند دوست بے آہ و فغاں کیوں کر رہے

ہاتھوں میں تیرے پیارے یہ طائر حنا ہے[3]
یا مرغ دل کسی کا بسمل ابھی کیا ہے

---

۲۳۰ - مقتول ، مرزا ابراہیم بیگ

مرد معقول ، مرزا ابراہیم بیگ تخلص مقتول ، بزرگ اس کے خوش معاش اور آپ[4] میاں مصحفی کی بدولت صاحب تلاش[5]۔ یہ اشعار اس سے یادگار :

کل گھر سے جو وہ سادی پوشاک پہن نکلے[6]
سو طرح کے اس میں بھی بے ساختہ پن نکلے

بتاں جب کہ زلف دوتا باندھتے ہیں
گرہ میں دل مبتلا باندھتے ہیں

۱تا۳- یہ اشعار نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۴- ۰ ۰ ۰ ۰ آپ مصحفی کی دولت صاحب تلاش - من کلامہ -

۵- نسخۂ پٹنہ میں سہو کتابت سے یہاں بھی ''خوش معاش'' لکھا ہے - (مرتب)

۶- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

نہیں بنتی بلبل سے اپنی چمن میں
ہم اب آشیانہ جدا باندھتے ہیں
گرہ دے کے سر پر جو بالوں کا جوڑا
یہ نازک بدن خوش ادا باندھتے ہیں
ہر اک تار میں اس کے دلہائے عاشق
بہم جمع کر کے بلا باندھتے ہیں
میاں حال مقتول دیکھا نہیں کیا
کمر آپ کس پر بھلا باندھتے ہیں

---

۲۳۱ - مضطر ، کنورسین

شاعر بہتر ، کنور سین[1] تخلص مضطر ، شاگرد[2] میاں مصحفی ، یہ دو بیتیں اس کی :

سیکھ کر باغ میں قد سے ترے ، رعنائی کو
کام فرمانے لگا سرو بھی مرزائی کو
اس کے خال تہ ابرو پہ مجھے آئے ہے رشک
لے کے بیٹھا ہے جو وہ گوشۂ تنہائی کو

---

۲۳۲ - مضطرب ، درگا پرشاد

درگا پرشاد تخلص مضطرب ، دیوان راجہ بھوانی پرشاد ، میاں[3] مصحفی اس کے استاد ۔ من کلامہ :

۱۔ نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے ''اکورسین'' لکھا ہے ۔ (مرتب)
۲۔ شاگرد مصحفی ، یہ بیتیں اس کی ۔
۳۔ علم شعر کا مصحفی سے کاسب ۔

بہت بے اختیاری کر چکے ہم
نہایت آہ و زاری کر چکے ہم

کہا میں کچھ تو کیجے میری خاطر
کہا خاطر تمہاری کر چکے ہم

ترے وعدے پہ ہے اب دم شماری
میاں اختر شماری کر چکے ہم

اگر یاری یہی ہوتی ہے صاحب
بس اب آگے کو یاری کر چکے ہم

نہ آیا **مضطرب** وہ رشک گل ہائے
لہو آنکھوں سے جاری کر چکے ہم

---

۲۳۳ - منتظر ، نورالاسلام

اپنے[1] عہد میں بہتر اور خوشتر ، نیکو شاعر ، خوش مظاہر ، نورالاسلام[2] تخلص منتظر ۔ ولد شاہ فیض علی[3] عرف بدر علی ابن شاہ محمد خلیل برادر خرد شاہ عاقل سبز پوش ، مرد با عقل و ہوش[4] ، ولولۂ عشق سے سرمست ، حسن‌دوست ، امرد پرست تھا ۔ میاں مصحفی لکھتے ہیں[5] کہ کلام اس کا میرے کلام سے پایۂ کمی نہیں رکھتا ۔ یہ اشعار اُس کے یادگار :

۱- نیکو شاعر ، خوش مظاہر ۰۰۰۰

۲- دونوں نسخوں میں ''نور السلام'' ہے ، یہاں تذکرۂ ہندی کے مطابق تصحیح کی گئی ہے ۔ (مرتب)

۳- فیض محمد ۔

۴- ۰۰۰۰ ہوش ، حسن دوست ۰۰۰۰

۵- ۰۰۰۰ ہیں کلام ۰۰۰۰ رکھتا ۔ یہ ۰۰۰۰ اس سے یادگار ۔

ہر دم ترا خیال جو پیش نظر[1] رہا
ہجراں میں بھی وصال ہمیں بیشتر رہا
گر یوں ہی منتظر سے خفا نت رہو گے تم
سن لو گے ایک دن کہ وہ[2] کچھ کھا کے مر رہا

طرف چمن نہ جا نہ سوئے لالہ زار دیکھ
تو آپ باغ حسن ہے اپنی بہار دیکھ
ہے روز حشر دیکھنے کا شوق گر تجھے
اے **منتظر** تو اپنی شب انتظار دیکھ

آئے ہیں تیری گلی میں اک زمانا چھوڑ کر
جائیں اب[3] پیارے کہاں ہم یہ ٹھکانا چھوڑ کر
آرزو میں سجدے کی سر دے دے مارا **منتظر**
سر پہ کیا آفت یہ لی ، وہ آستانا چھوڑ کر

خلق دیکھے ہے مہ عید تمام آج کی رات
تو بھی اے ماہ جھلک جا لب بام آج کی رات
اک ذرا بے ادبی ہوتی ہے تقصیر معاف
پائنتی گر رہے کہیے تو[4] غلام آج کی رات
منتظر ہے یہ شب ہجر کہ یک روز سیاہ
نہ تو شیشہ ہے نہ ساقی ہے نہ جام آج کی رات

۱- مدنظر -
۲- ۰ ۰ ۰ ۰ وہ بے چارہ مر رہا -
۳- اے -
۴- یہ -

چمن تو پھول گل و لالہ زار پر اپنے
کروں میں ناز دل داغ دار پر اپنے
ہمارے جی میں یہ تھا زہر کھا کے سو رہیے
ولے یہ ڈر ہے نہ تہمت ہو یار پر اپنے

پیدا ہوئی کچھ اب کے نئی طرح کی وحشت
نے شہر نہ صحرا نہ چمن بھائے ہے مجھ کو

میں نے جو کہا گھر مرے چلیے گا کوئی دم
تو ہنس کے کہا دیجے یہ دم اور کسی کو

گئے چوری سے جو تم غیر کے گھر آخر شب
دل آگہ نے ہمیں دی یہ خبر آخر شب
کل شب وصل جو تھی کیسی مچائی تھی دھوم
بولتا آج نہیں مرغ سحر آخر شب

چاہت کی بات مجھ سے نہ دم دے کے پوچھیے
اپنے ہی جی سے آپ قسم دے کے پوچھیے

لب پر مرے اُس لب کی تقریر ہے اور میں ہوں
آنکھوں کے تلے اُس کی تصویر ہے اور میں ہوں
ہے منتظر تنہا کس بات میں کم آن[1] سے
کہتا ہے غلط ذوق اک میر ہے اور میں ہوں

۱- اس -

کیا جو آج مجھے تم نے پیار تھوڑا سا
نکل گیا مرے جی کا بخار تھوڑا سا

یوں لے گئی دل زلف سیہ فام لگا کر
جوں صید کو کھینچے ہے کوئی دام لگا کر

کیوں گردش دوراں کا نہ کیجے گلہ ہر روز[1]
پڑتا ہے نیا پاؤں میں ایک آبلہ ہر روز

جہاں سے ہم دل پر اضطراب لے کے چلے
عدم کو ساتھ یہ اپنے عذاب لے کے چلے
یہ سرنوشت میں تھا جائے راہ میں مارا
وہاں سے خط کا جو قاصد جواب لے کے چلے
موا جو منتظر آن کا[2] وہ آس کی تربت پر
گل اور شمع برائے ثواب لے کے چلے

کبھی گر اپنی صورت بعد سال و ماہ دکھلائی
تو پھر برسوں میں مشتاقوں کو تو[3] نے راہ دکھلائی

یک سر مو نہ یہ حال دل مضطر سمجھے
زلف سے تیری خدا او بت کافر سمجھے

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں۔ نسخۂ پٹنہ میں پہلا مصرع اس غلط صورت میں ہے ''۔۔۔ کا گلہ کیجے ہر روز''۔ یہاں تذکرۂ ہندی کے مطابق تصحیح کی گئی ہے۔ (مرتب)
۲- دونوں نسخوں میں ''اس کا''۔ یہاں تذکرۂ ہندی کے مطابق تصحیح کی گئی ہے۔ (مرتب)
۳- اس نے۔

مجھ سے کہتا ہے وہ اک روز سمجھ لوں گا میں
حالت نزع میں ہوں میں ابھی آ کر سمجھے

کچھ نہ پایا جب نثار عید قرباں کے لیے
لے چلے تب جاں بکف ہم نذر جاناں کے لیے
ہم اسیروں کی رہائی کیا ہو جب ہر عید کو
قفل نو تیار ہو در ہاے زنداں کے لیے

غصے سے اس جبیں پہ پڑی جب شکن کئی
دریاے قہر[1] اس سے ہوئے موجزن کئی
کیوں سیر لالہ زار کو اس بن گیا میں ہائے
جو تازہ ہو گئے مرے زخم کہن کئی
آنکھیں کبھی لڑائیں کبھی دیکھ کر تنا
میلے میں اس نے مجھ سے کیے بانکپن کئی

ہم سپاہی لوگ ہیں بگڑے پہ کس کے آشنا
ماریں ہم تلوار سے جو ہم کو مارے ہاتھ سے

---

۲۳۲ ـ گرم ، مرزا حیدر علی

صاحب غیرت و شرم ، طبیعت اس کی ملایم ، زبان نرم ، مرزا حیدر علی تخلص گرم[2] ـ سخن میں اس کے گرمی ، کلام میں شوخی ، شاگرد رشید میاں مصحفی ـ یہ اشعار اس سے یادگار :

۱ـ نسخہ انجمن میں سہو کتابت سے "دریا کی لہر اس . . ." (مرتب)
۲ـ . . . . گرم ـ کلام میں اک شوخی ، شاگرد میاں مصحفی ، یہ اس سے یادگار ـ

نالوں کی گرمیوں نے بھونے دل و جگر ہیں
لب خشک ہو رہے ہیں کانٹے زباں پر ہیں

یاران رفتگاں کا مت پوچھ مجھ سے قصہ
اے ہم نشیں میں بھی حیراں ہوں وہ کدھر ہیں

خورشید و ماہ کو میں پھرتے ہی دیکھتا ہوں
یہ کس کی جستجو میں آوارہ سر بسر ہیں

سینوں[۱] کے داغ سوزاں آنکھوں کے اشک خونیں
اس نخل عاشقی کے یہ[۲] گل ہیں وہ ثمر ہیں

کس شعلہ رو کے غم میں روتا ہے اس قدر تو
جو گرم اشک تیرے سوزندۂ شرر ہیں

آگے آنکھوں کے اندھیرا سا سر شام سے ہے
دیکھیے ہوتی ہے کس طرح سحر آج کی رات

کر دیا در کو اجابت کے خدایا کیا بند
نہیں کرتی جو دعا میری اثر آج کی رات

تڑپے ہے تیرے کوچے میں اک[۳] جاں باب میاں
ٹک جھانکیو تو رخنۂ دیوار کی طرف

تصویر کا عالم ہے ترے روئے حسیں پر
تجھ سا تو پری چہرہ نہیں روئے زمیں پر

ہم جن کی محبت میں لہو پیتے ہیں اپنا
وہ باندھے ہوئے پھرتے ہیں تلوار ہمیں پر

۱- سینے -
۲- ۰ ۰ ۰ ۰ وہ گل ہیں یہ ثمر ہیں -
۳- یک -

نالے نے مرے گرم شب آتش جو لگائی
اک شور فرشتوں کا پڑا عرش بریں پر

سیل گریہ سے نہ ہم تا بہ کمر ڈوب گئے
اس قدر روئے کہ ہم‌سایوں کے گھر ڈوب گئے

تجھ کو دریا میں جو اے شوخ نہاتے دیکھا
شرم کے مارے وہیں شمس و قمر ڈوب گئے

گرم کیا خاک چلیں سیر کو ہم دریا کی
تیرے رونے سے تو سب راہ گزر ڈوب گئے

بلبل کے سر سے جاتی ہے کوئی ہوائے گل
ہوتی ہے وہ قفس میں بھی پھر پھر فدائے گل

لوہو میں بھر رہے ہیں ترے ہاتھ سچ بتا
تربت پہ کس شہید کی تو نے چڑھائے گل

گل خوردہ دست سے مرے نفرت رہی جسے[1]
بدھی کے اس نے کیوں کہ گلے سے لگائے گل

گل دستہ لا دیا جو کل اُس کو رقیب نے
ہم نے بھی گرم رشک سے ہاتھوں پہ کھائے گل

---

۲۳۵ - تنہا ، محمد عیسیٰ

شاعر بے مثل و یکتا ، محمد عیسیٰ تخلص تنہا ، وطن اُس کے بزرگوں کا دہلی ، شاگرد[2] نامی میاں مصحفی - کلام[3] اُس کا راسخ ، بقول

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۲- شاگرد مصحفی -

۳- یہ جملہ نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

میاں صاحب کے استاد امام بخش ناسخ ۔ مرزا خانی[1] نوازش سلمہ فرماتے ہیں کہ تنہا اور ناسخ میں الفت حد سے زیادہ تھی ، اکثر مصحفی کے شعروں پر اعتراض کرتے تھے اور یہ کچھ نہ کہتا تھا ۔ اورمیاں صاحب اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ ناسخ کو مشورہ تنہا سے تھا ۔

نقل : جب محمد عیسیٰ مرض موت میں مبتلا ہوا ، زوجہ نے تنہا کی کہا "تم میں اور ناسخ میں نہایت محبت ہے ، اگر اپنی تنگ دستی اُس سے کہلا بھیجو ، کچھ ننگ و عار نہیں ۔" تنہا نے اُس جفت با وفا سے کہا کہ "تمام عمر وہ اپنا ہاتھ دیکھا کیے ہیں ، اب اُن کا دست نگر ہونا غیرت سے بعید ہے ۔" اُس دور اندیش نے شوہر سے خفیہ ، شیخ سے اُن کی عسرت ظاہر کی ۔ وہ پیغام بر جب حاضر ہوا ، ناسخ نے فرط اندوہ سے زانو پر سر کو جھکا لیا ۔ بعد یک لحظہ کے صندوقچہ طلب کیا اور دو سو روپے اپنے آدمی کے ہاتھ اُس پیغام بر کے ساتھ یہ کہہ کر بھیج دیے کہ ایسے خادم سے اکراہ اور ننگ و عار نہ چاہیے ۔ آخر اُس مرض سے انتقال کیا ۔ شیخ ناسخ نے تاریخ اُس کے انتقال کی یہ کہی :

مونس جان حزیں دشت بلا خیز میں آہ
اٹھ گیا سوے عدم چھوڑ کے ہم کو تنہا

۲- یہاں سے "۔۔۔۔۔ انتقال کی یہ کہی" تک کی تمام عبارت نسخۂ انجمن سے لی گئی ہے ۔ نسخۂ پٹنہ میں اس کی جگہ یہ عبارت ہے ۔"مرزا خانی صاحب سلمہ سے یہ نقل مجھے یاد کہ ت ۔ اور ناسخ میں الفت حد سے زیادہ تھی ، وہ اکثر مصحفی کو بد کہتا تھا ، وہ برا نہ مانتا تھا ۔ تاریخ اس کے مرنے کی جو ناسخ نے کہی ہے ، وہ یہ ہے"۔ **(مرتب)**

کلک ناسخ نے لکھا مصرع تاریخ وفات
آج تنہا گیا دنیا سے عدم کو تنہا[1]

چند اشعار اُس کے کہ یادگار ہیں، لکھے جاتے ہیں تا کہ ذکر اُس کا باقی رہے[2] :

غیر سے شکوہ مرا بس دیکھی دانائی تری
میں ہوا رسوا تو کیا ہو گی نہ رسوائی تری

اب پشیماں ہوں کہ یہ کیا بات مجھ سے ہو گئی
روبرو غیروں کے کیوں میں نے قسم کھائی تری

میں وہ اسیر سیر چمن ہوں شکستہ بال
روتے ہیں جس کو مرغ گرفتار دیکھ کر

دل ہے وہ جنس بد جسے بازار دہر میں
منہ پھیر لیوے اپنا خریدار دیکھ کر

گلشن تلک پہنچنے نہ پائے کہ مر گئے
چاک قفس سے باغ کی دیوار دیکھ کر

بلبل کے توڑتا ہے دیوانے بال و پر کیوں
ان کاوشوں سے تجھ کو صیاد کیا ملے گا

گو قافلے سے یارو تنہا رہا ہے پیچھے
دن تو ابھی بہت ہے کیا ڈر ہے جا ملے گا

۱- ۱۲۲۲ھ (مرتب)
۲- نسخۂ انجمن میں یہ جملہ نہیں ہے صرف ''من کلامہ'' لکھا ہے۔ (مرتب)

سینے پہ ایک پرزا اب جیب کا نہیں ہے
دیکھا تھا ہاتھ میں نے بے آستیں کسی کا

یہ تو فرمائیے ہم آپ کا کیا لیتے ہیں
آپ بے وجہ جو منہ ہم سے چھپا لیتے ہیں
تھم کے بے وجہ تڑپتے نہیں بسمل تیرے
آب خنجر کا یہ رہ رہ کے مزا لیتے ہیں
خاک میں دل کو ملا کہتے ہو قیمت کیا دوں
چیز اگر لیتے ہیں تو پہلے چکا لیتے ہیں

عجب طرح کی بہار ان دنوں کسی پر ہے
نہ حور پر وہ لطافت ہے نے پری پر ہے
کہا[1] جو میں نے کہ ہم پاس اب نہیں آتے
تو بولا وہ کہ یہ موقوف اپنے جی پر ہے
چمن میں آ کے جاہی یہ کس نے لی ہے نسیم
شگفتگی سی جو ہر گل کی یاں کلی پر ہے

آئے تو ولے آن کے ایک آن نہ ٹھہرے
میں کتنا کہا وہ کسی عنوان نہ ٹھہرے
مجلس[2] سے دیا تو نے اٹھا اپنی جو ہم کو
شاید تری نظروں میں ہم انسان نہ ٹھہرے

۱- کہا جو میں نے مرے پاس تم نہیں آتے -
۲- مجلس سے اُٹھا تو نے دیا اپنی ۰۰۰۰

کرتا ہے ستم ہم پہ تو آسان سمجھ کر
ہم کچھ نہیں کہتے تجھے نادان سمجھ کر

معمورۂ دنیا میں یہ کثرت ہے کہ اللہ
آئے تھے اسے ہم تو بیابان سمجھ کر

کیوں ترک کیا اس کی ملاقات کو تنہا
کرتا ہے جو کچھ بات تو انسان سمجھ کر

ہم سے کرتے ہو بیاں غیروں کی یاری آن کر
رہ گئی ہے آپ کی یہ دوست داری آن کر

---

۲۳۶ - پروانہ ، جسونت سنگھ

اپنے وقت کا یگانہ ، راجہ جسونت سنگھ عرف کاکا جی تخلص پروانہ ، پسر راجہ بینی بہادر۔ ابتدا میں سرب سکھ دیوانہ سے اصلاح پذیر ، بعد ازاں متبع مرزا و میر۔ چندے بقا اور میر حسن کے طرز پر سخن ران (رہا) ، سب کے بعد میاں مصحفی کے زیر فرمان[1] ہوا۔ مرزا[2] خانی صاحب سلمہ یہ نقل بیان فرماتے تھے کہ مرزا جعفر صاحب کی صحبت مشاعرہ میں کاکا جی (پروانہ) کا نہایت فروغ تھا ، ایک دن انھوں نے[3] یہ غزل پڑھی :

اس طفل سبق خواں کے ہے نت کینہ بسینہ
پہنچا ہے یہ علم اس کو مگر سینہ بسینہ

۱- تابع فرمان -

۲- مرزا خانی نوازش سلمہ ۰۰۰۰ ہیں -

۳- ۰۰۰ نے اس غزل کو پڑھا -

ظاہر ہے مرے زخم نو و داغ کہن سے
پوشیدہ رہے کب غم دیرینہ بسینہ

تاروں سے فلک کے ہو حساب اُس کا محاسب
داغوں کا مرے گر کرے تخمینہ بسینہ

شعر آخر کو سن کر شیخ ناسخ نے مرزا مغل مبقت سے کہا کہ مرزا محسن صاحب سے[1] میری طرف سے پوچھو کہ تخمینہ بہ سینہ درست ہے۔ مرزا مغل نے استفسار کیا، مرزا محسن نے کہا درست ہے۔ یہ سن کے ناسخ[2] اُن سے کہنے لگے، آپ درست فرماتے ہیں۔ مرزا صاحب نے[3] کہا، کیا تم نہیں جانتے کہ کاکا جی بے علم ہیں۔ شیخ[4] نے کہا بس پوچھنے سے حاصل یہی تھا۔ تاریخ کاکا جی کے مرنے[5] کی ناسخ نے یہ کہی ہے:

از مردن پروانۂ جاں سوختہ
شمع طرب اہل سخن ہائے بمرد

تاریخ چنیں رقم نمودم ناسخ
پروانہ بمرد و شمع ہم وائے بمرد[6]

چند[7] شعر اس وحید عصر کے لکھے جاتے ہیں کہ ناظر کو اُس سے حظ حاصل ہو:

۱- ۔۔۔۔ سے پوچھو ۔۔۔۔
۲- ناسخ نے کہا۔
۳- ۔۔۔۔ نے جواب دیا کیا ۔۔۔۔
۴- ناسخ نے کہا بس پوچھنے سے یہی مطلب تھا۔
۵- انتقال کی ۔۔۔۔
۶- ۱۲۲۸ھ - (مرتب)
۷- اور دو چار شعر پروانہ کے لکھے جاتے ہیں۔

اک برگ پان کے نہیں شرمندہ ہم کبھو
گالی سوا لبوں نے ترے ہم کو کیا دیا

رہتا ہے نام نیک ہی قایم جہان میں
انگشتری رہی نہ سلیمان رہ گیا

کیا کیجیے ہمدم کہ اسے دیکھ کے ہم تو
ہر چند سنبھالے رہے پر دل کو غش آیا

ایک دن دیکھا نہ تو عاشق کی غم خواری کرے
بے وفا تجھ سے کوئی کب تک وفاداری کرے
کب نزاکت گل کی سرگوشی کی رخصت دے اسے
جھوک جب بالے کی کانوں پر گراں باری کرے

دیکھتے ہی اس کو چہرے پر بحالی آ گئی
زعفرانی رنگ جو تھا اس میں لالی آ گئی

جیتے جی دیکھتے تھے ، مرگ کے بھی دم دیکھا
عمر بھر یار کو دیکھا پہ بہت کم دیکھا

گل کرتے ہی کھلا دل ان خال عنبریں کے[۱]
یہ گل بسے ہوئے ہیں گلہائے یاسمیں کے

۱- دونوں نسخوں میں یہ شعر اسی صورت میں ہے - کلیات پروانہ (قلمی نسخہ ، انجمن ترقی اردو کراچی) میں یہ شعر اس صورت میں ہے :

بو کرتے ہی کھلا دل اس خال عنبریں کے
یہ تل بسے ہوئے ہیں پھولوں میں یاسمیں کے (مرتب)

۲۳۷ ـ اوباش ، شیخ امیر الزمان

صاحب تلاش ، شیخ امیر الزماں تخلص اوباش ، شاگرد[1] میاں مصحفی ، یہ فکر اُس کی :

یار[2] مجھ سے وہ مہ جبیں نہ ہوا
میری خواہش پہ آسماں نہ پھرا

دین و دنیا سے ہم پھرے لیکن
اپنی خو سے وہ بد گماں نہ پھرا

خوں[3] ہو دل کاوش سے اُس کی بہہ گیا
ٹوٹ کر سینے میں پیکاں رہ گیا

دل و دیدہ اپنے جو یار تھے سو وہ درد و غم میں پھنسا گئے
ہمیں جن سے چشم امید تھی وہی ہم سے آنکھ چرا گئے

---

۲۳۸ ـ تسلی ، لالہ ٹیکا رام

شاعر ہندی و فارسی، لالہ ٹیکا رام تخلص تسلی، پسر گوپال رائے بخشی ، فارسی میں شاگرد فاخر مکیں اور ہندی[4] میں شاگرد مصحفی ۔ یہ اشعار اس سے یادگار :

جو چاہے سلطنت اُسے ظل ہما ملے
مجھ کو یہی ہوس ہے کہ وہ مجھ سے آ ملے

۱۔ شاگرد مصحفی ، یہ اس سے یادگار ۔ ۲۔ یار میرا وہ ۰۰۰ ۔
۳۔ خون دل کاوش ۰۰۰
۴۔ ہندی میں استاد اس کا مصحفی ، من کلامہ ۔

کب میں نے کہا پیارے تم مجھ سے جدا بیٹھو
پہلو سے مرے تکیہ پہلو کا لگا بیٹھو

دکھاتا ہے مہ حسن کا اپنے جلوہ
اگر تم بھی آؤ لب بام کیا ہو
ترے لب سے غنچہ کرے ہم سری کیا
ترے رخ سے گل نازک اندام کیا ہو

تسلی عجب بے وفا کو دیا دل
اس آغاز کا دیکھیں انجام کیا ہو

نہ سنی تو نے ایک بات کبھی
ہم کو اس بات کا گلہ ہی رہا
تم خفا ہی رہے تسلی سے
اور وہ تم پہ نت فدا ہی رہا

خوں ٹپکتا ہے تری تیغ نگہ سے ظالم'
کسی مظلوم کو شاید کہ وہ مار آئی ہے

کیا منہ جو کوئی آئے ترے تیر کے منہ پر
یہ ہم تھے کہ منہ رکھ دیا شمشیر کے منہ پر
جب سے تری تصویر لکھی کلک قضا نے؟
وہ حسن نہ دیکھا کسی تصویر کے منہ پر

۲۰۱- یہ اشعار نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

جانے دے تسلی تو نہ کر فکر سخن کی
پھبتا ہے سخن مصحفی و میر کے منہ پر

---

۲۳۹ ۔ خلیق ، میر مستحسن

شاعر نام‌ور ، سخن ور لئیق ، سید برگزیدہ ، میر مستحسن تخلص خلیق ، خلف میر[1] حسن مغفور ۔ والد بزرگوار ان کے اول میر تقی (میر) کی خدمت میں ان کو لے گئے (تھے) ۔ میر صاحب نے کہا اپنی ہی اولاد تربیت نہیں ہوتی ، غیر کی اصلاح کا کسے دماغ ہے ۔ جب یہ سنا تو ان کو میاں مصحفی کو تفویض کیا ۔ چندے غزل کی اصلاح میاں صاحب سے لی ، پھر ریختہ کو بالائے طاق رکھ کر مصروف مرثیہ گوئی ہوا اور خوب نام پیدا کیا ، خدا ہمیں بھی وہی توفیق عطا کرے ۔ اگرچہ مرثیہ گوئی سہل اور غزل[2] گوئی دشوار لیکن حاصل دنیا و دین اس میں ہے ۔ اب سہل اور دشوار کو تمیز کیا چاہیے ۔ ایک دن وہ شاعر ائمہ ہدا شیخ[3] ناسخ کی صحبت میں گیا اور حسب استدعا ایک بند مرثیے کا پڑھا کہ اس میں گرہ یہ تھی :

لیلاف پڑھی اور اسے دودھ پلایا

شیخ[4] نے کہا آپ نے آیۂ کلام اللہ کو غلط باندھا ہے ۔ میر صاحب

۱۔ ․․․ میر حسن ۔ والد ․․․․

۲۔ ․․․․ غزل دشوار ہے لیکن ․․․․

۳۔ شیخ ناسخ کی ملاقات کو گیا اور حسب ․․․․ مرثیے کا کہ اس کا مصرع آخر یہ تھا ، پڑھا ۔

۴۔ ناسخ ۔

نے کہا ، بہ[1] ضرورت شاعری کے وہ نہ آسکا ۔ شیخ[2] نے کہا ، کیا دشوار ہے یوں کہیے :

پڑھ پڑھ کے لایلاف اسے دودھ پلایا

قصہ[3] کوتاہ یہ اشعار کہ ان سے یادگار ہیں لکھے جاتے ہیں :

جس گھڑی تم کو نہیں پاتے ہیں ہم
جی ہی جی میں اپنے گھبراتے ہیں ہم

سر جھکا لیتا ہے لالہ شرم سے
جب جگر کا داغ دکھلاتے ہیں ہم

اشک جو چشم خوں فشاں سے گرا
تھا ستارہ کہ آسماں سے گرا

میں نے آنکھوں میں[4] رکھ لیا اس کو
پھول جو دست باغباں سے گرا

مسکراتا وہ گل نو جو چمن سے نکلے
منہ ہے کیا بات جو غنچے کے دہن سے نکلے

میں وہ سرگشتۂ صحرائے محبت ہوں **خلیق**
سالہا سال ہوے جس کو وطن سے نکلے

بازیچۂ طفلاں ہے جہاں کچھ نہ عجب کر
کیا کیا نہ بگڑ جائے گا کیا کیا نہ بنے گا

نیند اڑ گئی سن کر اسے کیا جانتا تھا میں
میرے لیے دشمن مرا افسانہ بنے گا

۱۔ بہ ضرورت کہ وہ نہ آسکا ۔ ۲۔ شیخ نے کہا یوں کہیے ۔
۳۔ قصہ مختصر یہ اشعار اس سے یادگار ۔ ۴۔ پہ ۔

۲۴۰ - انیس ، میر ببر علی[1]

شیر بیشۂ دلاوری ، طبع نفیس ، میر ببر علی تخلص انیس ، خلف الصدق میر مستحسن خلیق ، اور بھی (کذا) شاگرد اپنے والد ماجد مذکور کے - یہ صاحب بھی بسیار اوصاف حمیدہ رکھتے ہیں - عہد شباب میں جب کہ فیض آباد میں تھے ، اوائل میں چند غزلیں بھی کہی تھیں ، جب سے لکھنؤ میں تشریف لائے ، شوق مرثیہ گوئی کا ہوا ، وہ سب غزلیں یک قلم دھو ڈالیں ، نسیاً منسیاً کیں - الحق مرثیہ ایسا کہا اور پڑھا کہ چرچا دور دور ہوا اور مرثیہ ان کا عام فہم و عام پسند ہوا - الغرض مرثیہ پڑھنے و بتلانے میں ید طولیٰ حاصل کیا ، الا ان کے شاگردوں میں نفسانیت بہت ہے کہ قابل بیان نہیں - ایک روز کا بیان ہے - **حکایت** : مولف تذکرۂ ہذا ماہ صیام میں ایک روز واسطے نماز جماعت کے مسجد میاں تحسین علی خاں میں گیا ، اتفاقاً نماز اور وعظ تو ہوگئے تھے ، الا قریب پانسو مومنین کے مسجد مذکور میں جمع تھے ، دیکھتا کیا ہوں کہ میر انیس صاحب اور مرزا دبیر صاحب کے شاگردوں میں بحث ہو رہی ہے ، نوبت گالی گلوج اور جوتی پیزار کی پہنچی - میں نے ایک صاحب سے دریافت کیا کہ یہ قصہ کیا ہے - ان صاحب نے ہنس کے یہ شعر پڑھا - شعر :

۱- نسخۂ انجمن میں انیس کا ترجمہ نہیں ہے - صفحہ۲۴۶ کے حاشیے پر صرف اس قدر لکھا ہے - ''کلام میر انیس صاحب - مطلع :

یہی باعث ہے اس بے رحم کے آنسو نکلنے کا

دھواں لگتا ہے آنکھوں میں کسی کے دل کے جلنے کا''

نسخۂ پٹنہ میں ترجمۂ انیس بعد میں حاشیے پر اضافہ کیا گیا ہے - (مرتب)

قصہ عمر کا ہے نہ جناب امیر کا
بس جھگڑا رہ گیا ہے انیس و دبیر کا

آخرش خدا خدا کر کے وہ قصہ اس وقت رفع دفع ہوا ۔ اور علاوہ اس کے میر صاحب کے خاندان کا یہ طرز جدید ہے کہ شاگرد ان کا منبر پر جا کے بغیر تعلیم پائے ہوئے مرثیہ نہیں پڑھ سکتا ، بلکہ شاگرد ان کا سال دو سال تعلیم پاتا ہے ، تب مرثیہ پڑھنے کے قابل ہوتا ہے ۔ اور دوسرے ان کے خاندان کا دستور یہ ہے کہ خود یا ان کا شاگرد منبر پر جا کے قبل شروع مرثیہ سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتا ہے بلکہ سورۂ حمد (کذا) ان کے خاندان سے متروک ہے ۔ چونکہ غزل میر صاحب کی شہر لکھنؤ میں صفت عنقا نایاب ہے ، بہت تلاش سے ایک غزل دستیاب ہوئی ، وہی واسطے ملاحظہ ناظرین کے لکھی جاتی ہے ۔ کلام انیس صاحب :

شہید عشق ہوئے قیس نام ور کی طرح
جہاں میں عیب بھی ہم نے کیے ہنر کی طرح

کچھ آج شام سے چہرہ ہے فق سحر کی طرح
ڈھلا ہی جاتا ہوں فرقت میں دوپہر کی طرح

سیاہ بختوں کو یوں باغ سے نکال اے چرخ
کہ چار پھول تو دامن میں ہوں سپر کی طرح

تمام خلق ہے خواہان آبرو یا رب
چھپا مجھے صدف قبر میں گہر کی طرح

تجھی کو دیکھوں گا جب تک ہیں برقرار آنکھیں
مری نظر نہ پھرے گی تری نظر کی طرح

انیس یوں ہوا حال جوانی و پیری
بڑھے تھے نخل کی صورت گرے ثمر کی طرح

——

خموش اے بلبل شوریدہ اس میں کیا ہے بس میرا
یہ اپنی اپنی قسمت ہے چمن تیرا قفس میرا

بنے یوں تین در دریا کے اندر
کہ ششدر ہو گئی سد سکندر

---

۲۴۱ ۔ مخلوق ، سید احسان علی

شاعر[۱] شیریں بیان ، سید احسان علی تخلص مخلوق ، پسر میر حسن مرحوم ۔ ریختی گوئی اور کہانی کے کہنے میں (مشہور اور) معروف (و) اصلاح سخن کی برادر بزرگ پر موقوف ۔ یہ[۲] اشعار اس سے یادگار :

اس کے آنے تلک سنبھل جاوے
پھر بلا سے جو دم نکل جاوے

شمع اس سے کرے جو دعوئ حسن
یا رب اس کی زبان جل جاوے

ہمیں دو جواب جو ان دنوں تمھیں غیر سے سروکار ہے[۳]
نہ وہ بات ہے نہ وہ آنکھ ہے نہ وہ دوستی نہ وہ پیار ہے

پاویں جو نہ مطلق ترے کوچے میں گزر ہم
پھر تو ہی بتا یہ کہ بھلا جائیں کدھر ہم

۱۔ شور اس کی غزل سرائی کا تابعیوق ، سید ۰۰۰۰

۲۔ من کلامہ ۔

۳۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

ریختی

اب ددا دیکھیو ہووے گا بڑا شر پیدا
لو زناخی نے کیا اور نیا گھر پیدا

مزاج گل سے بھی نازک ترا دوگانہ ہوا[1]
جو پھول انگیا میں رکھا تو درد شانہ ہوا

کہہ زناخی مجھے ملال ہوا
کیا ترے دشمنوں کا حال ہوا

مردوں کو ترس رنڈیوں پر کیوں نہیں ہوتا
میں مر گئی کم بخت کٹر کیوں نہیں ہوتا
ٹھونکے گا کہاں تک اسے گھڑیال نہیں ہے
بجتے ہیں ارے تین پہر کیوں نہیں ہوتا

سلام[2] در زبان ریختی ، میاں مخلوق صاحب - فہو هذا :

مجرئی ہوتی جو میں حضرت شبیر کے ساتھ
دیکھتے کرتی جو میں فرقۂ بے پیر کے ساتھ

۱- یہ اور اس کے بعد کا ایک شعر نسخۂ انجمن میں نہیں -(مرتب)
۲- یہ عبارت اور سلام نسخۂ انجمن میں نہیں ہے - نسخۂ پٹنہ میں حاشیے پر اضافہ ہے - (مرتب)

پہلے تو حرملہ کی ناک میں میں دیتی تیر[1]
ناک چھدواتی موئے کی میں اسی تیر کے ساتھ

زہر دلوا کے بوا جس نے حسن کو مارا
میں بھی دیتی اسے ہیرے کی کنی کھیر کے ساتھ

حاکم شام کی جورو کو خصم کرواتی
. . . .[2] لڑتی عمر سعد کی ہمشیر کے ساتھ

۲۴۲ - مونس ، میر نواب

صدر محفل[3] ، رونق مجلس ، میر نواب تخلص مونس ، خلف (میر) مستحسن خلیق، قابل و لئیق، مرثیہ گو اور غزل سرا ، ذات[4] پاک اس کی حاصل دین و دنیا ، شاگرد والد بزرگوار ، یہ اس سے یادگار (ہے) :

یاد پھر ہم کو تری زلف پریشاں آئی
پھر ستانے کو ہمارے شب ہجراں آئی

شب مہ میں ترے مکھڑے کا تصور جو بندھا
رات بھر نیند نہ مجھ کو کسی عنواں آئی

باغ میں دیکھ کے تکمہ ترے پیراہن کا
ہر کلی گل کی نظر سر بہ گریباں آئی

بات کی اس نے اس انداز سے ہکلا ہکلا
خواہش بوسہ میں ہونٹوں پہ مری جاں آئی

۱- سلام کے آخری شعر کے بعد یہ شعر دوبارہ لکھا گیا ہے ، وہاں اس کا پہلا مصرع اس صورت میں ہے :
پہلے تو حرملہ کی ناک میں چلواتی تیر ۔ (مرتب)
۲- ایک فحش لفظ قلم زد کیا گیا ۔ (مرتب)
۳- زینت انجمن ، رونق . . .
۴- ذات اس کی . . . .

دل کی ہو خیر الٰہی کہ نسیم سحری
کوچۂ زلف سے با حال پریشاں آئی

آخر کار غم ہجر میں میں مر جاتا
موت کیوں کرنے کو بے فائدہ احساں آئی

چشم عاشق سے چھپا لیتی ہے اس کو تری زلف
یہ کہاں سے ترے مکھڑے کی نگہباں آئی

جاں کنی میں بھی نہ آیا جو عیادت کو وہ شوخ
موت سر پر مرے انگشت بہ دنداں آئی

حق نے اوروں کو عناصر سے بنایا مونس
اپنے حصے میں فقط آتش سوزاں آئی

---

۲۲۳ ـ شرف ، لالہ مینڈو لال

شیریں مقال ، لالہ مینڈو لال تخلص شرف ، منشی[1] حضرت ولی عہد بہادر ، میر نواب مونس کا ہم طرف ـ یہ[2] اس سے یادگار :

بہار آئی چمن میں ہاتھ پھر دوڑا گریباں پر
چراغ دل نے دیکھو لو لگائی داغ پنہاں پر

نہیں خال سیہ اس شوخ کے چاہ زنخداں پر
سمجھ کر خضر نے کچھ مہر کی ہے آب حیواں پر

نہیں کچھ سلسلہ یاں بوئے گیسو کے پہنچنے کا
بہت بھاری ہیں یہ راتیں ترے محبوس زنداں پر

۱- منشی ولی عہد ۰۰۰۰
۲- سن کلاسہ ـ

مزا یاد آ گیا ہے بوسۂ لب ہائے نازک کا
نمک قاتل نے چھڑکا آج زخم تیغ ہجراں پر

جلتے ہیں لوگ ، ہے مرے دل کی خبر کسے
یارب دکھاؤں شعلۂ داغ جگر کسے
ہے مال بے بقا پہ جہاں میں نظر کسے
غنچے یہ مٹھیوں میں دکھاتے ہیں زر کسے
اس سرو قد نے بوسۂ سیب ذقن دیا
یوں نخل آرزو کا ملا ہے ثمر کسے

---

۲۲۴ ـ مہدی ، مہدی علی خان[1]

رئیس نام دار ، امیر ذوی الاقتدار ، زائر آئمۂ (اطہار) علیہم السلام ، نواب جلال الدولہ مہدی علی خاں بہادر ، شجاعت جنگ ، تخلص مہدی ـ خلف الصدق (وزیرالمالک) نواب[2] یمین الدولہ سعادت علی خاں ـ دانشمندی اور دانائی میں بے نظیر ، سیاحت میں اختر مسیر ، عنفوان شباب میں شوق شاعری اور ذوق شعرا پروری رکھتے تھے ـ دیوان معجز ترجمان مثل (بیت) ابروئے محبوباں مشہور[3] جہاں تھا ـ جب سے ثواب عتبات عالیات حاصل کیا ، اسے طاق فراموشی پر

۱ـ نسخۂ انجمن میں ترجمۂ مہدی ، ترجمۂ شیخ بشارت اللہ ذاکر کے بعد اور ترجمۂ حکیم شاہ عالم خاں حاذق سے پہلے ہے ـ (مرتب)

۲ـ نواب سعادت علی خاں ـ

۳ـ . . . . مشہور خاص و عام تھا ـ

رکھا ۔ بہت سے شاعر اس سرکار دولت مدار میں شرف امتیاز رکھتے تھے[1] اور سرمنشیان میاں مصحفی تھے ۔ یہ اشعار کہ مشق سابقہ سے ہیں ، لکھے جاتے ہیں :

دل بے تاب ایسا دھڑکے ہے
جیسے بلبل قفس میں پھڑکے ہے

اس نگہ اور دل سے اے **مہدی**
روز تلوار ڈھال کھڑکے ہے[2]

اب کیا ستم ہونے لگے ایجاد تیرے ہاتھ سے
کرتے ہیں جو خرد و کلاں فریاد تیرے ہاتھ سے

کچھ بھی نہ ترس آیا تجھے اے عشق ، ہے یہ کیا غضب
لاکھوں ہی گھر ہے ہے ہوئے برباد تیرے ہاتھ سے

(نے مہربانی ، نے کرم ، نے لطف ہے اے سیم بر
ہووے گا یہ ناشاد دل کب شاد تیرے ہاتھ سے)

مہدی پیے گا جام مل آس وقت ہم چشموں کے بیچ
جس وقت ہوگا اے صنم امداد تیرے ہاتھ سے

دل نے ہمارے ہجر سے جب اس کے آہ کی
نالے نے چڑھ فلک پہ وہیں واہ واہ کی

اس آہ بے اثر نے عزیزوں ! میں کیا کہوں
افسوس دل میں یار کے کچھ بھی نہ راہ کی

۱۔ . . . . تھے ، سرمنشیان ان کے میاں مصحفی تھے ۔
۲۔ ڈھال تلوار روز کھڑکے ہے ۔

(عاشق ہزار جی سے فدا ہو گئے وہیں
جب اس نے دے کے آنکھوں میں سرمہ نگاہ کی)

وہ شوخ اچپلا ہے جو **مہدی** تمہارا یار
صورت ہو اس سے دیکھیے کیوں کر نباہ کی

(مجھ سے کیوں کر ہو بھلا ہم دمو، اُس یار سے ربط
وہ تو رکھتا ہے بہت ان دنوں اغیار سے ربط

کوئی بتلاؤ مجھے بہر خدا اے یارو
کیوں کہ پیدا کروں میں اُس بت عیار سے ربط

ایک دن میں نے سر راہ کہا اے پیارے
تم[1] نے کیوں کم کیا اس اپنے طلب گار سے ربط

مسکرا کر کہا اُس شوخ نے یہ اے **مہدی**
ہم نہیں کرتے ہیں بس عشق کے بیمار سے ربط)

کہتے ہو اس کو آنا ہم تک محال کیا ہے
دیکھو تو جا کے صاحب **مہدی** کا حال کیا ہے

مانند سبزہ رہ میں پامال ہم کو مت کر
اتنا بھی سر اٹھانا اے نونہال کیا ہے

تیغ و سپر سنبھالے ناحق اکڑ رہے ہو
سوچو تو جی میں صاحب یہ چال ڈھال کیا ہے

(مارا ہوا کسی کی زلفوں کا کہہ رہا تھا
مرتا نہیں جو اب تک، اتنا وبال کیا ہے

۱- تو -

قاصد نے میرا نامہ اس کو دیا تو لے کر
کاغذ کو پھاڑ ڈالا ، بولا وہ مال کیا ہے)

منہ صبح اٹھ کے ہم نے دیکھا تھا آج کس کا
کچھ منہ سے بولو صاحب وجہِ ملال کیا ہے

مت سر پکڑ کے بیٹھو ، کچھ فکر کا سبب بھی
عاشق کو مار ڈالا ، پھر انفعال کیا ہے

مہدی کا تذکرہ جب آیا تو یوں وہ بولے
وحشی ہے ، خبطی ہے وہ ، اس میں کمال کیا ہے

کیوں نہ بے جان اسے دیکھ کے بلبل ہووے
جس کے رخسار پہ قربان ہر اک گل ہووے

ایک بھی نہ مری اس نے خبر لی ہم دم
کیا کروں آہ جو اس کا یہ تغافل ہووے

عشق میں ہم نے یہ کمائی کی
دل دیا ، غم سے آشنائی کی

حسن و خوبی نے تیرے اے دل دار
سر بسر ہم سے بے وفائی کی)

---

۲۲۵ - شگفتہ ، مرزا سیف علی خان[1]

(گوہر مضامین ، در ناسفتہ) مرزا سیف علی خان بہادر تخلص شگفتہ ، خلف نواب شجاع الدولہ بہادر ۔ شخص جامع کمالات ، علم موسیقی اور تیراندازی اور مصوری میں بے نظیر اور شاعری اور

۱- نسخۂ انجمن میں ترجمۂ شگفتہ ، ترجمۂ شرف (مینڈو لال) کے بعد ہے ۔ (مرتب)

سخن وری[1] اس کی دل پذیر ۔ کئی شخص شعرا سے مثل کاظم علی جواں اور نورالاسلام[2] منتظر اور شاہ ماول الہام ان کے نوکر اور میاں مصحفی[3] اصلاح کمی و بیشی اشعار پر مقرر ۔ یہ[4] اشعار اس وحید عصر سے یادگار :

دنبالہ ہے سرمے کا اور چشم وہ کالی ہے
اس برۂ آہو نے کیا شاخ نکالی ہے

دل کے دینے میں اضطراب کیا[5]
دیر کے کام کو شتاب کیا

چشم مے گوں دکھائی غیروں کو
دل مرا نرگسی کباب کیا

ایک ہے عالم اسباب میں زندہ مردہ[6]
جب تو آتا ہے نظر خواب میں زندہ مردہ

بسانِ نقش قدم جو کہ خاکسار ہوا
اسی سے دل میں تمھارے بھی اک غبار ہوا

بگولا گور سے اٹھا جو خاکساروں کی
وہی بلند ہو اک گنبد مزار ہوا

۱- . . . سخن وری میں دل پذیر ۔
۲- دونوں نسخوں میں ”نور السلام“ ہے ۔ (مرتب)
۳- . . . مصحفی بر کمی و بیشی اشعار مقرر ۔
۴- دیوان ضخیم اس مغفور سے یادگار ۔
۵- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔(مرتب)
۶- نسخۂ انجمن میں ردیف ”مردہ زندہ“ ہے ۔ (مرتب)

نہ رویا عاشق بے کس کی گور پر کوئی
مگر سحاب کرم گستر اشک بار ہوا

گالی گلوج مارکٹائی نہ ہو سو کیوں
جب اس کا ہاتھ اور نہ میری زباں رہے

بارہا آندھی اٹھی ابر برستا گزرا[1]
سر پہ انساں کے جو پوچھو تو نہ کیا کیا گزرا

بس کہ کھایا ہے زخم سر گہرا
خوں کا دریا ہے تا کمر گہرا

---

۲۴۶ - عبرت ، نواب حسن علی خان

صاحب مسند ریاست ، نواب حسن علی خاں[2] بہادر تخلص عبرت ، خلف الصدق نواب محمد علی خاں[3] بہادر ابن نواب شجاع الدولہ بہادر - شعرگوئی کا شوق اور[4] صحبت مشاعرہ کا ذوق رکھتے ہیں - ہر مہینے کی پانچویں کو ان کے دولت خانے میں مشاعرہ مقرر[5] اور اژدہام مردم سخن ور ہوتا ہے - چہرہ ان کے سخن کا غازۂ اصلاح سے مستغنی ، احتیاطاً شاگرد[6] میاں مصحفی کے تھے ، اب تو خدا کے فضل سے

۱- یہ شعر نسخہ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- . . . . خاں تخلص . . . .
۳- . . . . خاں ابن . . . .
۴- . . . . اور مشاعرے کا ذوق . . . .
۵- . . . مقرر و اژدہام مردم اہل فضل و ہنر ہوتا ہے -
۶- . . . شاگرد مصحفی کے تھے - اب . . . . فضل سے خود استاد ہیں - یہ کلام ان کا یادگار -

استاد بلکہ صاحب ارشاد ہیں ۔ یہ چند شعر کہ تازہ تصنیف کیے ان کے ہیں لکھے ، جاتے ہیں :

شرم شیریں ہے تری شرم و حیا سے پیدا
حسن لیلیٰ ہے ترے رخ کی ضیا سے پیدا

سرو قد شوخ نے مہندی جو ملی پاؤں میں
گل لالہ ہوا ہر نخل حنا سے پیدا

رشک شیریں ہے مرا شیریں دہن اے[1] فرہاد
تھوک دیوے وہ جہاں ہوویں بتاسے پیدا

کیا کہوں حال شب ماہ میں تم سے **عبرت**
شوق وصل اور ہوا اس کی حیا سے پیدا

یاد دنداں میں مرا ہر اشک گوہر بن گیا
جوہری بازار ، دیکھو دیدۂ تر بن گیا

آتش فرقت نے دل میرا جلایا اس قدر
مجمر سینہ میں دل میرا تو اخگر بن گیا

حضرت **عبرت** شب فرقت غضب بے تاب ہو
آدمی ہو برق ہو شعلہ ہو یا سیماب ہو

چشم مے گوں کا جو نشہ ہووے آنکھوں میں تو پھر[2]
پانی سے پتلی مرے آگے شراب ناب ہو

رشک خلیل وہ گل خنداں نظر پڑا
آتش کدے میں دل کے گلستاں نظر پڑا

۱- او ۔

۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

آنکھوں نے جو لگائی یہ برسات کی جھڑی
ساون بھی میرے حال پہ گریاں نظر پڑا
داغوں بھرا جو دل لیے گلشن میں ہم گئے
سرو چمن بھی سرو چراغاں نظر پڑا

میری طرح سے اس کو بھی گر میری چاہ ہو
دنیا میں کیا ہی دھوم پڑے واہ واہ ہو
کہتا ہے عشق دیکھ کے دل کا غم و الم
ایسا ہو بادشاہ اور ایسی سپاہ ہو
کیا کیا تڑپ تڑپ کے کٹی ہے شب فراق
رنج و الم کہو تو مرے تم گواہ ہو
اس کو بھی تیرے سامنے پاؤں تلے ملوں[1]
دل میرا روز حشر اگر داد خواہ ہو
تعلیم زلف و رخ سے جو ہوں سنبل و سمن[1]
وہ اس سے ہو سفید، یہ اس سے سیاہ ہو

اس قدر تیرا تصور ہے مرے پیش نظر
در و دیوار سے پیدا تری تصویر ہے آج
بحر خوبی تری زلفوں کا تصور آیا[2]
موج دریا کی مرے پاؤں میں زنجیر ہے آج

۱، ۲- یہ اشعار نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

صدقے اس منہ کے وہ جس منہ سے ہے کہتا **عبرت**[1]
کیوں مری جان تو کس واسطے دل گیر ہے آج

بانکی چتون سے میاں آنکھ پھرانا کیسا
پتلیوں کا یہ تماشا ہے دکھانا کیسا
لیس تو نے جو کہاں دار کیا تیر مژہ
بن گیا تودۂ دل میرا نشانا کیسا
ایک چشمک میں پری رو کی ہوا دیوانہ
عبرت خستہ مرے تھا تو سیانا کیسا

جب آینۂ دل ہو غباروں سے مکدر
پھر چاند سا مکھڑا ہمیں دکھلاتے ہو نا حق
پوشیدہ جو کچھ حال تھا ظاہر ہوا شب کو[2]
جھوٹی مری قسمیں اجی تم کھاتے ہو ناحق

۲۴۷، کامل، شیخ جمال الدین

مرد[3] خرد مند، شخص عاقل، شیخ جمال الدین تخلص کامل، شاگرد میاں مصحفی من کلامہ:

تجھ سے وحشی صنم کو رام کیا
جذبۂ دل نے کیا ہی کام کیا

۱، ۲- یہ اشعار نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۳- مرد عاقل، شیخ . . . . کامل - مصحفی کے شاگرد مشہور مگر احاطۂ تذکرہ میں نام ان کا نامحصور -

مژدہ اے چشم انتظار نصیب
جلوۂ حسن اس نے عام کیا

دل دیا تجھ سے بے مروت کو
ہم نے یہ کیا خیالِ خام کیا

اس نے منہ کو چھپا کے زلفوں سے[1]
روز روشن ہمارا شام کیا

تو نے کھا کھا کے ساتھ غیروں کے
آب و دانہ مرا حرام کیا

کوچ کرتے ہی آپ کے ہم نے
منزل گور میں مقام کیا

کیا ہی کامل کے کشور دل میں
اے شہ حسن انتظام کیا

اس گھڑی حاصل ہمیں لطف شب مہتاب ہو
ماہ رو ہو اور حسین آباد کا تالاب ہو

بندگی کیوں کر نہ ہو قاتل کے کشتوں کی قبول
ہر سجدہ خنجر ابرو کی جب محراب ہو

ہم سے جاں بازوں کے خوں میں اس کو بجھوائے اگر
تیغ میں قاتل کی پیدا جوہر نایاب ہو

زلف کا کس غیرت یوسف کی رہتا ہے خیال
دیکھتے ہر شب جو کامل تم پریشان خواب ہو

عاشق زار ہوں اک گل کے رخ رنگیں کا
زردئ رنگ سے ظاہر ہے چھپانا کیسا

۱- میں -

خوف سے تجھ کو کبھی او[1] بت بے دیں بخدا
دیکھتے ہم نہیں ہیں ، آنکھ لڑانا کیسا

شمع محفل کو اگر غم نہیں پروانے کا
شام سے تا بہ سحر اشک بہانا کیسا

---

۲۴۸ - فرد ، وحید الدین عرف خدا بخش خاں

مولوی[2] وحید الدین عرف خدا بخش خاں تخلص فرد ، پسر محسن خاں ساکن دربھنگا ، صوبہ بہار باوجود مولویت کے گانجے کے دم خوب لگاتا ہے اور غزلیں پڑھ پڑھ کے ہم‌دموں کو رجھاتا ہے ۔ مصحفی کی شاگردی پر فخر و ناز مگر تذکرے سے نام اس کا قلم انداز ۔ یہ چند شعر کہ اخگر اس کی چلم کے ہیں ، لکھے جاتے ہیں کہ رند مشربوں کو اس سے حظ آئے :

وصف ہو سکتا نہیں ہے اس کے حسن پاک کا
بند[3] حیرت سے ہے دم آیینۂ ادراک کا

بند ہونا دم کا طوطی و بلبل کے واسطے (ہے)۔ آیینے کا دم بند ہونا اس کی[4] ایجاد ہے[5] ۔

۱- اے
۲- ترجمۂ فرد نسخۂ انجمن سے لیا گیا ہے ۔ نسخۂ پٹنہ میں جو ترجمہ ہے ، وہ یہ ہے : مولوی فرد ، شاگرد میاں مصحفی ۔
۳- باوجود مولویت کے گانجے کا دم خوب لگاتے ہیں اور غزلیں پڑھ پڑھ کے ہم دموں کو رجھاتے ہیں ۔ یہ چند شعر . . . . . . کو حظ آئے ۔ (مرتب)
۳- بند ہے حیرت سے دم . . . .
۴- اس کا ایجاد ۔
۵- نسخۂ پٹنہ میں یہ عبارت حاشیے پر ہے ۔ لیکن نسخۂ انجمن میں متن میں شامل ہے ۔ (مرتب)

جنت الماویٰ ہے منہ تو چشمۂ کوثر ہیں لب
نام رکھا ہم نے طوبیٰ یار کی مسواک کا

گریۂ بسیار کی میرے نہ پوچھو انتہا
ایک سوتا ہے سمندر دیدۂ نم ناک کا

شق ہوا بلبل کا سینہ گل نے پھاڑا پیرہن
باغ میں پہنچا جو نالہ مجھ گریباں چاک کا

ملک ہست و نیست کا کیا[1] میں بتاؤں فاصلہ
جست[2] ہے عمر رواں کے توسن چالاک کا

چار سو دوڑاتی پھرتی ہے ہوائے دل مجھے
پتلا کیا میرا بنا چورا ہے کی ہے خاک کا

ورثۂ علم پدر کے **فرد** طالب مرد ہیں
ناخلف کو مغتنم ہاتھ آنا ہے املاک کا

ہو گیا زرد جب ابرو ترا یہ غم دیکھا
زر خالص پہ مگر ماہ محرم دیکھا

بود رکھتا ہے حباب لب دریا دم بھر
وقفۂ عمر تو اس سے بھی بہت کم دیکھا

رند و اوباش تو عالم میں ہزاروں ہیں ولے
فرد دفتر میں ترا نام مقدم دیکھا

۱- . . . . کا میں کیا بتاؤں فاصلہ ۔

۲- نسخۂ پٹنہ میں حاشیے پر یہ اعتراض درج ہے : ''جست مونث ہے ، اس نے مذکر باندھا ہے'' ۔ نسخۂ انجمن میں بھی حاشیے ہی پر صرف اتنا لکھا ہے ۔ ''جست مونث'' ۔ (مرتب)

کھولا نقاب زلف کو اس نے جو بام پر
کالی گھٹا سی چھا گئی ماہ تمام پر
کعبہ ہمارے واسطے کوچہ ہے یار کا
موقوف کیا طواف ہے بیت الحرام کا

---

۲۴۹ - ممنون ، قاضی محمد علی

جویاے مضمون ، قاضی محمد علی تخلص ممنون[1] ، مقیم کان پور - شاگرد مولوی فرد - من کلامہ :

چند روز اے دل اب اس کے گھر نہ جایا چاہیے
صبر و طاقت کو بھی اپنے آزمایا چاہیے
اے فلک تجھ کو نہیں آتا ستم گاری کا ڈھنگ
چال ڈھال اس آفت جاں کی اڑایا چاہیے
زود رنجی کا کیا شکوہ تو فرمانے لگے
کیا ہمیں ہیں اور سے اب دل لگایا چاہیے
دل تلاش یار شیریں لب سے باز آتا نہیں
سرگزشت کوہ‌کن اس کو سنایا چاہیے

---

۲۵۰ - خادم ، شیخ فاضل علی

طبع اس کی سالم ، شیخ فاضل علی تخلص خادم ، شاگرد مولوی فرد[2] ، مقیم کان پور - من کلامہ :

ہمارے زخم سینہ کو اگر چاہو کہ تم ٹانکو
تو لاؤں سوزن مژگاں میں تار زلف پیچاں کو

۱- . . . . ممنون ، شاگرد مولوی فرد ، یہ اشعار اس سے یادگار -
۲- . . . . فرد - من کلامہ -

تمھارا ایک دن دامن ہمارے ہاتھ میں ہو گا
گریبان تامل میں ذرا سر ڈال کر جھانکو

---

۲۵۱ ـ اندوہ ، سید علی حسین خان

مرد با شکوہ ، سید علی حسین خان تخلص اندوہ ، پسر نواب شمس الدین خاں (بہادر) ، شاگرد میاں مصحفی ـ من کلامہ :

مسیح کی نہیں جرأت کہ وہ دوا دیوے
خدا ہی اب ترے بیمار کو شفا دیوے

مت چلو لے کے سوئے باغ مجھے
دیکھنے دو جگر کے داغ مجھے

حیف **اندوہ** درد ہجراں سے
نہ ملا ایک دم فراغ مجھے

بیمار مجھے سن کے عیادت کو سب آئے
پر آپ نہ یوں آئے نہ وقت طلب آئے

---

۲۵۲ ـ الٰہی ، الٰہی بخش

حجامت اور سر تراشی سے اسے آگاہی ، صلاحیت شعار الٰہی بخش تخلص الٰہی ، شاگرد مصحفی ـ من کلامہ[1] :

خواب میں بھی نہ آئے جو عاشق دل فگار کے
چرخ ستم شعار نے ایسے پہ مبتلا کیا

نظر آیا تھا کوہ طور پر جلوہ جو موسیٰ کو
رخ شیریں کے پردے میں وہی فرہاد نے دیکھا

۱- یہ اس سے یادگار ـ

ترے انداز پر گر کوئی صورت کھنچ گئی اس سے
تو حیرت کی نگاہوں سے اسے بہزاد نے دیکھا

صبا کانٹے ہی لا کر تو ہماری خاک پر رکھ دے[1]
گلوں سے کب کسی بے کس کی تربت چھائی جاتی ہے

جس مصور نے لکھے عاشق و معشوق بہم
بے کمر اس کو بنایا مجھے بے سر کھینچا
مہر رخسار پہ گر اس کے نہ تھی زلف دراز
اس قدر طول شب ہجر نے کیوں کر کھینچا

جانا تھا کسی شمع کا پروانہ بنے گا[2]
ہم دل کو یہ سمجھے تھے کہ دیوانہ بنے گا

---

۲۵۳ ۔ امیر ، مرزا مینڈو

امیرکبیر ، امین الدولہ مرزا مینڈو[3] تخلص امیر ، خلف نواب شجاع الدولہ بہادر ، شاگرد (میاں) مصحفی ۔ (من کلامہ) :

نازک دماغ[4] دیکھو ہنگام سیر گلشن
رکھتا ہے ہاتھ منہ پر تا گل کی بو نہ آوے

منظور یہ نہیں ہے تم چشم تر کو دیکھو
آغشتہ خون دل میں داغ جگر کو دیکھو

۱، ۲۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

۳۔ نسخۂ انجمن میں ''میدو'' اور نسخۂ پٹنہ میں ''مہدو'' ہے ۔ یہاں ریاض الفصحا کے مطابق تصحیح کی گئی ہے ۔ (مرتب)

۴۔ نازک مزاج ۔

کرتا ہے ایک پل میں یہ سیر لا مکاں کی
میری نگہ کے مرغ بے بال و پر کو دیکھو

یارو امیر سے تم زار و نزار اوپر[1]
جانا یہ اس کا سچ کر تیغ و تبر کو دیکھو

---

۲۵۴ - شکیب ، اصغر علی خاں

کلام سے اس کے مجلس کی زینت و زیب ، امیر نام‌ور ، نواب اصغر علی خاں بہادر تخلص شکیب - خلف نواب عنایت علی خاں ابن نواب شجاع الدولہ بہادر ، شاگرد میاں (مصحفی) - منہ[2] :

قیس کب دور سے دیکھ اس کو پکارا نہ کیا
ساربان نے طرف نجد گزارا نہ کیا

اپنے بیمار سے کہتا ہے وہ عیار سدا
کیوں مسیحا نے ترے درد کا چارا نہ کیا

قد پہ کر تیرے نظر سرو کو بھولے قمری[3]
دیکھ بلبل نے تجھے گل کا نظارا نہ کیا

کل ہنستے ہنستے منہ کو جو اس نے پھرا دیا
رجعت کا آفتاب کی عالم دکھا دیا

یاران رفتہ کا مجھے ملتا نہیں پتا
گو جستجو میں جان کو[4] اپنی کھپا دیا

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- یہ اس سے یادگار-
۳- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۴- . . . . کو میں نے کھپا دیا -

رو چکا جان کو میری دل نالاں میرا
ہو چکا آہ مسیحا سے بھی درماں میرا

نہیں ممکن کہ خبر دل کی نہ دل کو ہووے[1]
آشکارا ہے یہاں ہر غم پنہاں میرا

جب سے میں دیکھا ہے اس شوخ کی مژگاں کو شکیب
ہے سدا پنجۂ وحشت میں گریباں میرا

تاب لاوے اس کی کیا دل کس قدر نخچیر کا[2]
توڑ جاتا ہے توے پیکاں تمھارے تیر کا

کیوں ملاتا ہے مجھے تو خاک میں چرخ کہن[3]
میں ورق ہوں عاشقاں رفتہ کی تصویر کا

---

۲۵۵ - ادیب ، گور بخش

شخصیت شاعری کا ننگ و عار ، گور بخش تخلص ادیب ، قوم کمہار ، شاگرد میاں مصحفی ۔(منہ) :

قاصد یہ[4] جا کے کہیو تو[5] میرے حبیب سے
جاتا رہا ہے صبر دلِ نا شکیب سے

دل تھا جو اس کے پاس سو وہ کرچکا نثار
اب کیوں خفا رہو ہو میاں تم ادیب سے

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۲- نسخۂ انجمن میں یہ شعر نہیں ہے ۔ نسخۂ پٹنہ میں پہلا مصرع اس ناموزوں صورت میں ہے :
تاب اس کی، کیا لاسکے دل . . . .
یہاں ریاض الفصحا کے مطابق تصحیح کی گئی ہے ۔ (مرتب)
۳- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۴- تو ۔ ۵- یہ ۔

۲۵۶ - بریاں ، مرزا مظفر علی خاں

معجز بیان[1] ، مرزا مظفر علی‌خاں تخلص بریان ، خلف الرشید نواب احمد علی خاں ابن[2] نواب مرزا علی خاں (بہادر) - پہلے محمد تقی[3] خاں بہادر کو اپنے شعر دکھاتے تھے ، آخر آخر میاں مصحفی[4] کو - من کلامہ :

زلف و رخ نے یہ کیا کس کے پریشاں مجھ کو
نہ تو سنبل ہی خوش آتا ہے ، نہ ریحاں مجھ کو
دیکھنے اس کے سے کیا ہوتی ہے عبرت بریان
جب دکھاتا ہے جنوں گور غریباں مجھ کو

زخم جگر سے چاک گریباں خجل ہوا
صحرا نوردیوں سے بیاباں خجل ہوا
نکلا نہ اس کی بزم میں حسرت سے ایک اشک
رکھ چشم پر میں گوشۂ داماں خجل ہوا
کی آبلوں سے میرے بہت پہلے کاوشیں[5]
آخر ہر ایک خار مغیلاں خجل ہوا

دل خون ہوکر کھنچ گیا یک لخت مژگاں کی طرف
لے[6] جاؤں اب کیا آستیں میں چشم گریاں کی طرف
شاید کوئی دل سوختہ غم میں کسی کے مر گیا
اک شور سا تھا رات بھر گور غریباں کی طرف

۱- معجز بیان ، مظفر علی . . . . ۲- . . . ابن مرزا علی . . .
۳- . . . . تقی خان فیض آبادی کو . . . .
۴- . . . . . مصحفی سے تلمذ حاصل کیا -
۵- یہ شعر نسخۂ انجن میں نہیں - (مرتب)
۶- لے جاؤں کیا میں آستیں اب چشم . . . .

میرے قدم کے فیض سے گل رنگ ہیں صحرا بنے[1]
حسرت سے کیا دیکھے ہے تو خار مغیلاں کی طرف
عریاں نہ جب باقی رہی کچھ ضبط کی طاقت مجھے
آخر گیا دست جنوں چاک گریباں کی طرف

آتے ہیں طرف شہر کی اس زلف کی بو پر[2]
نت چھوڑ کے آہوے ختن دامن صحرا

کشتۂ چشم کا جس جا پہ ترے مدفن ہے
واں سے نرگس بھی جو اگتی ہے تو حیراں اب تک

ہر گام پہ لچکے ہے گراں باریٔ مو سے
اللہ رے نزاکت، نہیں دیکھی کمر ایسی
دیکھی ہے کسی مست کی بہکی ہوئی رفتار
جو مضطرب الحال ہے باد سحر ایسی
معلوم نہیں باغ میں کس گل کا ہے ماتم
بلبل کبھی آگے تو نہ تھی نوحہ گر ایسی

جھلک اپنے حسن کی پردے سے مجھے رات جو وہ دکھا گئے[3]
مرے داغ سینہ مٹا گئے مرے بخت خفتہ جگا گئے
گئے رہروان عدم کہاں کہ نشان نقش قدم نہیں
خبر اپنی بھیجی نہ کچھ کبھی ہمیں دل سے کیا وہ بھلا گئے

(۱تا۳۔ یہ اشعار نسخۂ انجمن میں نہیں۔ (مرتب)

۲۵۷ - عیاش ، میر محمد یعقوب

فکر اس کی قابل شاباش ، میر محمد یعقوب تخلص عیاش ، ولد میر محمد انور ، مولد اس کا لکھنؤ - اول[1] میر تقی کا شاگرد ، بعد میر سوز کا ، پھر قمر الدین منت کا ، آخر میں میاں مصحفی کا پیرو ہوا - یہ اشعار اس سے یادگار :

صورت وہ اپنی دور سے ہم کو دکھا گیا
نزدیکِ مرگ پہنچے تھے لیکن جلا گیا

اللہ رے تیرہ بختی کہ مرنے کے بعد یار
سوسن کے پھول قبر پہ میری چڑھا گیا

قدرت خدا کی دیکھو مرے دل کے زخم پر
چھڑکے تھا جو نمک وہی مرہم لگا گیا

سایہ کرے گرما میں کسی پردہ نشیں پر
وہ نخل کہاں ہے ترے کوچے کی زمیں پر

گھوڑے پہ چڑھا وہ تو ہر اک کو نظر آیا
بت خانۂ چیں کا سا سماں خانۂ زیں پر

سجدہ کروں ہر بت کو میں اے کاتب قدرت
لکھا ہے یہی تو نے مگر میری جبیں پر

وہ سوختہ دل ہوں کہ مری آہ کی بجلی
گرتی ہے سدا کنگرۂ عرش بریں پر

جدائی میں جیوں کب تک میں **عیاش**
بھلی ہے موت ایسی زندگی سے

۱- اول میر کا شاگرد ، پھر قمر الدین منت کا ، آخر میں مصحفی کا پیرو ہوا -

دل بھرا آئے ہے جوں جوں اسے خالی کیجے
فکر اس درد کی کیا اے مرے والی کیجے
ایک پرواز بھی گلشن میں نہ کرنے پائے
کیا ترے ہاتھ سے اسے بے پر و بالی کیجے
عشق دیکھو تو ٹپکتا ہے لہو بلبل کا
گر قلم باغ میں گل کی کوئی ڈالی کیجے

---

۲۵۸ ۔ فانی ، شیخ مغل

موجد رقعے خوانی ، شیخ مغل تخلص فانی ، میاں مصحفی نے در پردہ اسے اپنا شاگرد لکھا ہے ۔ چونکہ ذکر رقعے کا ہو چکا ہے ، ایک رقعہ لکھتے ہیں :

"کیوں سکھ بچن میں نے تجھ سے کہا تھا کہ تو کڑھی پکانا ، تو اب تک باتیں بھگارتی ہے ، ایسا نہ ہو پھلوری سی تیری ناک کاٹ ڈالوں ۔"

یہ[1] شعر کہ اس سے یادگار ہیں ، لکھے جاتے ہیں :

سحر زلفوں میں ہے اور معجزہ گفتار میں ہے
فتنہ آنکھوں میں ہے ، محشر تری رفتار میں ہے
سچ ہے یہ ہوتا ہے اقرار میں اک لطف عجب
پر مزا کیا کہوں جیسا[2] ترے انکار میں ہے
فانی مے پینے کو آیا نہیں شاید یارو
شور کم آج بہت خانۂ خمار میں ہے

۱- یہ شعر اس سے یادگار ہیں ۔ (مرتب)
۲- دونوں نسخوں میں "جیسے" ہے ، یہاں ریاض الفصحا کے مطابق تصحیح کی گئی ہے ۔ (مرتب)

۲۵۹ ۔ فریاد ، مرزا مغل

مرزا[1] مغل تخلص فریاد ، ولد مرزا علی نقی ۔ پہلے مرثیہ کہتا تھا اور میاں افسردہ کو دکھلاتا تھا ۔ میاں مصحفی کے کہنے سے غزل گوئی پر آمادہ ہوا ۔ یہ[2] شعر اس سے یادگار :

کیا احتیاج ہم کو شمع مزار کی ہے
داغ جگر ہے اپنا روشن بدن کے اندر

کس کے بدن کی نکہت لائی صبا چمن میں
پھولے نہیں سماتے گل پیرہن کے اندر

دود جگری سے شب دیجور نہ ہو جائے
پھر آہ کہیں اپنی بدستور نہ ہو جائے

آیینہ دکھاؤ نہ اسے آینہ سازو
وہ طفل حسیں حسن پہ مغرور نہ ہو جائے

پھینکے ہے سدا سنگ ستم چرخ ستم گر
فریاد کہیں شیشۂ دل چور نہ ہو جائے

نہ جیتے جی تو غم عشق سے فراغ ملا
گر ایک داغ ہوا بہ تو اور داغ ملا

مزے میں[3] بوسۂ لب کے یہ مست تھے شب وصل
لگایا منہ سے نہ ہم نے اگر ایاغ ملا

۱۔ مرزا مغل فریاد ، ولد . . . پہلے مرثیہ گو تھا اور میاں افسردہ سے اصلاح لیتا تھا ۔

۲۔ یہ اشعار اس کے ۔

۳۔ سے ۔

وہاں بھی مشتعل اک شعلۂ جدائی تھا
لحد میں بھی نہ ہمیں رنج سے فراغ ملا

جو شمع بزم حریفاں ہوا زمانے میں
اسی کو سب نے جلایا اسی کو داغ ملا

کہیں گے حال دل غم زدہ ہم اے فریاد
کبھی جو اس ستم ایجاد کا دماغ ملا

---

۲۶۰ ـ ظہور ، ظہور محمد

صاحب عقل و شعور ، منشی ظہور محمد تخلص ظہور ، خلف منشی اسماعیل عرف منشی نہال[1] ، ساکن بلگرام ۔ پہلے سلام و مرثیہ کہہ کر ثواب حاصل کرتا تھا ، بعدہ غزل گوئی اختیار کی اور متابعت میاں مصحفی کی ۔ یہ اشعار اس سے یادگار :

شب دیکھ کے احوال مری نوحہ گری کا
دم آ رہا منقار میں مرغ سحری کا

ملتا ہے جواب خط عشاق بہ شمشیر
کیوں کر کرے واں عزم کوئی نامہ بری کا

باغ جنت میں بہت یہ دل دل گیر لگا
دی جو رضواں نے تری سامنے تصویر لگا

ان دنوں آپ کی ہے گرمیٔ بازار بہت
جنس[2] کم یاب پہ گرتے ہیں خریدار بہت

۱- . . . . نہال ، شاگرد مصحفی ، یہ اس کی قیل و قال ۔
۲- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے ''حسن'' بجائے ''جنس'' ۔ (مرتب)

ملتے ہی یار کے بس تو نے شفا پائی ظہور
جز تپ ہجر تجھے دوسرا آزار نہ تھا

کیوں کرا ہے بے دلا کچھ تجھے آزار ہے کیا
تو کسی نرگس بیمار کا بیمار ہے کیا
آب و دانہ کی بھی صیاد کو جب ہو نہ خبر
سمجھے کیا خواہش مرغان گرفتار ہے کیا

کشتنی بیٹھے ہیں زانو پہ دھرے سب سر کو
دیکھیے کس کو کرے یار کی تلوار پسند

جو دوستوں سے ملاقات ہم کبھو کرتے[1]
مغایرت کی وہ کاہے کو گفتگو کرتے

نظر آئی جو مجھ کو خواب میں شکل اپنے قاتل کی
خوشی سے کیا کہوں اس دم جو حالت تھی مرے دل کی
نہ پائی طاقت رفتار تب[2] ناچار ہو آخر
نکل[3] کر ہم نے گھر سے اپنے دروازے پہ منزل کی

حجاب حسن نے شب اس کو یاں تلک گھیرا
کہ آینے سے بھی اس کی نہ چشم چار ہوئی

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- جب -
۳- نکل کر گھر سے اپنے ہم نے دروازے پہ منزل کی -

۲٦۱ - مظلوم ، مظلوم شاہ[1]

علم و ہنر شعر اُسے معلوم ، مظلوم شاہ تخلص مظلوم ، ساکن الہ آباد ، اولاد شاہ اجمل صاحب دائرہ - جن روزوں میں شیخ[2] امام بخش ناسخ علیہ الرحمة دائرہ میں دائر سائر تھے ، شاہ صاحب کی اولاد تمام و کمال اُن کی شاگردی[3] کی مقر بلکہ شاگرد ہوئی - اس عزیز نے میاں مصحفی کی محنت کو ضائع نہ کیا اور دائرہ بیعت ناسخ سے خارج رہا - (قصہ کوتاہ) یہ اشعار اُس سے یادگار :

رہا دل کو وصال ساقی و میخانہ تربت میں
فرشتوں سے کیا ہم نے طلب پیمانہ تربت میں

مرا خواب عدم سے چونک اٹھنا اک تماشا تھا
اڑا دیتا کفن کی دھجیاں دیوانہ تربت میں

بی جان (ایک) طوائف (ہے ، اُس) کی تمنا سے یہ غزل اُس نے کہی[4] ہے کہ قافیہ میں ہر بیت کے نام اُس کا ظاہر ہوتا ہے :

ہو گیا بدظن مجھے زاہد شرابی جان کر
شیشۂ دل سنگ پر مارا گلابی جان کر

---

۲٦۲ - بندہ ، میر حیدر علی

فخر شاعری اُسے زیبندہ ، میر حیدر علی ولد میر حاتم علی ، تخلص

۱- نسخۂ انجمن میں ترجمۂ مظلوم ، ترجمۂ تمنا (شیخ غیاث الدین) کے بعد اور ترجمۂ موجی (لالہ موجی رام) سے قبل ہے -(مرتب)

۲- . . . . شیخ ناسخ غفرلہ دائرہ . . . .

۳- استادی -

۴- . . . . کہی کہ قافیے میں ہر مصرع کے نام . . . .

بندہ[1]، سید صحیح النسب ، زائر حضرت ابا عبداللہ الحسین ، شاگرد میاں مصحفی ۔ من کلامہ :

سر پٹکتا میں رہا صبح سے لے شام تلک
ہاتھ پہنچا نہ تری زلف سیہ فام تلک

بدگو نے تو اُس شوخ کے واں کان بھرے ہیں
یاں سینکڑوں جی میں مرے ارمان بھرے ہیں

جی سے ہم گزرے جان سے گزرے[2]
پر نہ تم اپنی آن سے گزرے
گالیاں ہی ہمیں دیا کر تو
تیری شیریں زبان سے گزرے

مار ڈالا مجھ کو ناحق آن کے
تم کہاں سے آئے دشمن جان کے
چھپ گئے تم بھیڑ میں تو کیا ہوا
میں گلے لگ جاؤں گا پہچان کے

ایسی تنہائی ہمیں تو نے دکھائی اے فلک
ہم اکیلے رہ گئے اور ہم‌رہاں جاتے رہے

۱۔ . . . . بندہ - زائر سبط نبی ، شاگرد مصحفی ، من کلامہ ۔
۲۔ نسخۂ انجمن میں اس زمین میں ایک شعر ہے جو پہلے شعر کے مصرع اول اور دوسرے شعر کے مصرع ثانی پر مشتمل ہے ۔ یہ سہو کتابت ہے ۔(مرتب)

گر اپنے جنوں کی ہم تصویر کو کھنچوائیں[1]
گردن پہ دھرے اپنی شمشیر کو کھنچوائیں

بیزار ہیں جینے سے بہتر ہے کہ مر جائیں
غصہ اسے دلوائیں شمشیر کو کھنچوائیں

---

۲۶۳ - پیام ، شرف الدین علی خاں

خوش کلام ، شرف الدین علی خاں تخلص پیام ، شاگرد میاں مصحفی - یہ[2] بیت اُس کی یادگار :

ہائے اس دیوانے دل نے کام ہی ایسا کیا
آپ تو بد نام تھا اور مجھ کو بھی رسوا کیا

---

۲۶۴ - حسام ، شیخ ولایت علی

مشہور انام ، شیخ ولایت علی تخلص حسام ، ولد زین العابدین ، شاگرد میاں مصحفی - من کلامہ[3] :

تجھ بن جو کبھی مجھ کو گلستاں نظر آیا
ہر صحن چمن گوشۂ زنداں نظر آیا

کھولے جو کبھی بند قبا باغ میں اُس نے
ہر غنچہ و گل سر بہ گریباں نظر آیا

مت پوچھ **حسام** جگر افگار کی حالت
تجھ بن وہ نہایت ہی پریشاں نظر آیا

۱- یہ اور اس کے بعد کا ایک شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- یہ اس سے یادگار -
۳- بہ تقریر اس کی -

ہجر میں ازبسکہ تن اک بار سر پر ہے مجھے
آب حیواں آب خنجر کے برابر ہے مجھے

راہ جانے کی ترے کوچے میں جب اس نے نہ دی
پھر تو پچھتائے بہت سا استخارہ کر کے ہم

جب سامنے وہ سرو خراماں[1] نہیں ہوتا
گلشن بھی کم از گوشہ[1] زنداں نہیں ہوتا
کیوں کر نہ کہے خلق بھلا اُس کو پری زاد
اس ناز و ادا کا کوئی انساں نہیں ہوتا

کب وہ دل میں ہوس باغ جناں رکھتے ہیں
جو تمنا تری اے غنچہ دہاں رکھتے ہیں

جوابِ نامہ بھی لکھا تو[2] یہ اُس کی عبارت ہے
نہ کچھ اقرار نکلے ہے، نہ کچھ انکار نکلے ہے
عجب رسم خریداری یہ دیکھی ملک خوباں میں
کہ جب جنس آ چکی قابو میں تب تکرار نکلے ہے

مال اور جاہ و حشم سب رائیگاں ہو جائے گا
کاروان زندگی جس دم رواں ہو جائے گا
گر ہوئی مائل کہانی پر طبیعت یار کی
دیکھ لینا ایک عالم قصہ خواں ہو جائے گا

۱- چراغاں۔
۲- . . . . تواس کی یہ عبارت ہے

۲۶۵ - حباب ، لطف علی بیگ

آغاز بہتر ، انجام خراب ، لطف علی بیگ تخلص حباب، ولد مرزا کلو بیگ (کہ) میاں آفرین کی تحویل داری میں امتیاز رکھتا تھا[1] - اس کو ہمیشہ سے شوق شاعری ہنوز باقی - شاگرد میاں مصحفی - (یہ شعر اُس کے قدیمی ہیں ، اب تو کہنا اُس کا اور طرح کا ہے) - من[2] کلامہ :

تصویر خیالی ہی سے سوئیں گے چمٹ کر
ارمان نکالیں گے شب وصل لپٹ کر

پیغام زبانی ملک الموت کا آیا
بیٹھے مرے بالیں سے مسیحا کہیں ہٹ کر

ہے چشم مری خانۂ تحویل جواہر
آتا[3] ہے سمندر یہ مرے دل میں سمٹ کر

سر نگوں میں ورقِ دل کی جو تحریر میں تھا
رنگ بھرتا قلمِ فکر کی تصویر میں تھا

یہ پھوٹے ہے طوفاں کی مرے دیدۂ تر میں
بہتا ہوں شب و روز سمندر کی لہر میں

چل جان بہانا سحر و شام کا مت کر
قاصد کو تو دن رات برابر ہیں سفر میں

۱- . . . . تھا - ہمیشہ سے . . . .
۲- یہ الفاظ نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۳- آیا ہے . . . .

حباب وار جو مٹنے کی آرزو کرتے
چمن میں ہم بھی سر سیر آبجو کرتے

ہمارے خانۂ دل میں ہے روشنی اس کی
کہ جس کی دیر و حرم میں ہیں جستجو کرتے

دبا لیا ہمیں قاتل نے اپنے غصے میں
بہت جو سب سے تھے ہم[1] سخت گفتگو کرتے

عمر[2] گزری کہ میں واقف نہیں ہے خواری سے
ہاتھ ساقی نے بھی کھینچا مری ناداری سے

پاؤں پھیلا لحد تیرہ میں سونا بہتر
دم الٹتا ہے شب تیرہ کی اندھیاری سے

عاشق پردہ نشیں ہے دل دیوانہ مرا[3]
انس رکھتا نہیں یہ شاہد بازاری سے

قفس تنگ میں کہتے ہیں یہ مرغان قفس
کب چھٹیں دیکھیے اس رنج گرفتاری سے

---

۲۶۶ - رعنا ، شیخ عبدالرحیم

رعنائی آسے زیبا ، شیخ عبدالرحیم تخلص رعنا ، ولد شیخ عبدالکریم[4] ، متوطن دہلی ، وارد لکھنؤ ، شاگرد میاں مصحفی ۔ یہ اشعار اس سے یادگار :

۱- . . . . ہم بڑھ کے گفتگو کرتے ۔
۲- عمر گزری ہے کہ واقف . . . .
۳- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۴- . . . . عبدالکریم ، شاگرد مصحفی ۔

نور مہ اس کے رو برو کم ہے
چشم بد دور کیا ہی عالم ہے

لایا ہوں نقد جان کو سو واں نہیں قبول
نذرِ گدا بحضرتِ سلطاں نہیں قبول
اللہ رے تیرے دست حنا بستہ کا غرور[1]
جس کو سلام پنجۂ مرجاں نہیں قبول

زبس بحر غم رات تھا شور و شر پر
رہی آستیں صبح تک چشم تر پر
نہ آیا وہ بت اور موئے ہجر میں ہم
پڑیں آہ پتھر ترے اس اثر پر
صبا گل تو آپی قریب فنا ہے
نہ مار آستیں اس چراغ سحر پر

کیوں خال سیہ جاناں عارض پہ بناتے ہیں
اس چاند سے مکھڑے کو کیا داغ لگاتے ہیں
نے وصل کی خواہش ہے نے بوسہ کے طالب ہیں
اس دور کے ملنے پر کیوں آنکھ چراتے ہیں

---

۲۶۷ ـ زیبا ، عبدالرحیم

طبیعت اس کی رسا اور رعنا ، (میاں) عبدالرحیم تخلص زیبا، ولد[2]
خواجہ محمد مسیحی ، شاگرد مصحفی ـ منہ :

۱ـ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ـ (مرتب)
۲ـ ولد خواجہ مسیحی ، شاگرد مصحفی ـ

مردمان چشم سے بھی چشم تر خالی ہوئے
اب تو آ ظالم کہیں ، یہ دونوں گھر خالی ہوئے

پھر آپ نے غیروں سے ملاقات نکالی
اچھی یہ نئی چھیڑ مرے سات نکالی

جس رات نہ آیا تو مرے پاس مری جان[1]
کیا جانیے کس طرح سے وہ رات نکالی

دل نذر کیا ہم نے جو اس کے تو کہا بس
دینے کو ہمارے یہی سوغات نکالی

کر قتل مجھے اس نے ڈبویا تو کسی نے
دریا سے مری لاش نہ ہیہات نکالی

قایل ہوں میں **زیبا** تری خوش گوئی کا ، تونے
ہر بات میں دیکھا تو نئی بات نکالی

لاشہ مرا افتادہ رہا یار کے در پر
کی اس کے اٹھانے کی نہ تدبیر کسی نے

۲۶۸- زلال ، میر دوست علی

خوش مقال ، میر دوست علی تخلص زلال ، سابق میں دوست تخلص کرتے تھے اور محمد عیسیٰ تنہا کے شاگرد تھے ۔ جب میاں مصحفی سے ان کو مشورہ ہوا ، زلال تخلص کیا ۔ اب بہ سبب پیر سالی کے وہ زلال ؔدرد ہو گیا ہے ۔ یہ[2] اشعار اس سے یادگار :

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۲- یہ اس سے یادگار ۔

اک چشم کی گردش سے دو عالم کو کیا مست
کس بادہ سے تھی وہ نگہِ ہوش ربا مست

غم[1] کا نہ انھیں غم ہے نہ شادی کی ہے شادی
رہتے ہیں سبھی یاد میں مردان خدا مست

وارفتہ ہوں کس چشم خماریں کا کہ مجھ کو
کرتی ہے چمن میں گلِ نرگس کی ادا مست

رکاوٹ کج ادائی ہو چکی بس
ملو بھی اب، جدائی ہو چکی بس

نہ رستم سے پھرا جب اس کا پنجہ
کہا زور آزمائی ہو چکی بس

کوئی[2] زلف کی لٹ میں، کوئی گیسو میں چھپا ہے
اک قافلۂ دل ترے ہر مو میں چھپا ہے

چہرہ مرا دیتا ہے جو اس میں سے دکھائی
کیا آینہ آیینۂ زانو میں چھپا ہے

کس صبح کو خورشید لیے تار[3] شعاعی
جاروب کشِ کوچۂ جاناں نہیں ہوتا

۱- غم کا انھیں غم اور نہ شادی کی ہے شادی
۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - مصرع اول میں لفظ ''زلف'' سے پہلے لفظ ''کوئی'' بروزن ''فع'' ہے - (مرتب)
۳- خط شعاعی -

ہمارے قتل کو شمشیر جنگجو نہ اٹھا
نگاہ ناز کفایت ہے بوجھ تو نہ اٹھا

آینہ خانے میں جو گزر ہو کبھی زلال
ہر عکس اس کو دیکھ کے آغوش کھول دے

انداز[1] سے خوباں کے نکلتی ہے یہی بات
پامال دو عالم دم رفتار کریں گے

ہے طلوع مہر ہر ذرے میں خاور سے جدا
رنگ دکھلاتی ہے یاں ہر فرد جوہر سے جدا

اگر شبیہ کشی آتی مجھ کو جوں بہزاد[2]
تو اپنی آنکھیں بناتا ترے قدم کے تلے

---

۲۶۹ - حریف، لالہ چنی لال

خندہ رو اور ظریف ، لالہ چنی لال تخلص حریف[3] ، کتب فارسی سے خیلے اسے آگاہی ، شاگرد میاں مصحفی - یہ اشعار اس سے یادگار :

شب کہ سر گرم طپش میرا دل بے تاب تھا
اشک جو آنکھوں سے نکلا قطرۂ سیماب تھا

۱- اندازۂ خوباں سے نکلتی . . . .

۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۳- . . . . حریف ، شاگرد میاں مصحفی ، من کلامہ -

نہیں ہے مجھ کو دمِ نزع آب کی حاجت[1]
غمِ فراق سے میرا جگر کباب ہوا

حریف زار نے جو آج خون تھوکا ہے
وہ شوخ غیر سے شاید کہ ہم شراب ہوا

تجھ کو منظور اگر زلف کا سلجھانا تھا
کام یہ مجھ سے پریشان کو فرمانا تھا

منہ سے نقاب دے جو مرا مہ جبیں الٹ[2]
حور و پری کا جائے دم اے ہم نشیں الٹ

آہ سرگرم ہے میری شرر افشانی میں
کہیں آوے نہ خلل برق کی جولانی میں

کفر و دیں کی نہیں یک رنگی کا[3] جو یاں قایل
دیکھے[4] زنار کو تسبیحِ سلیمانی میں

موسم گل میں بھی بلبل اگر آزاد نہ ہو
پھر وہ کس طرح بھلا شاکیِ صیاد نہ ہو

ازل سے جو ہمارا صید دل نخچیر حیرت ہے
ترازو دیدۂ پرخوں میں اس کے تیر حیرت ہے

میں پاس شرم سے راز محبت کو نہیں کہتا
زبانِ بے زبانی پر ولے تقریر حیرت ہے

۱، ۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۳- کے ۔
۴- دیکھیں ۔

تصور گر نہیں پیش نظر ابروے قاتل کا[1]
حریف دل شدہ کیوں کشتۂ شمشیر حیرت ہے

نہ سمجھو چرخ پہ جلوے ہیں یہ ستاروں کے
نشان ہیں یہ مری آہ کے شراروں کے

---

۲۷۰ ـ ظریف ، لالہ بینی پرشاد

کلام اس کا پاک اور لطیف ، لالہ بینی پرشاد تخلص ظریف ، برادر[2] خرد چنی لال ، شاگرد مصحفی ـ منہ :

کس کی طاقت ، سد رہ ہو وقت رفتن آپ کا
آپ شعلہ اور رشک برق توسن آپ کا

سامنے ہر ایک کے بے جا ہے مجھ سے اختلاط
کیا کہوں صاحب نہیں جاتا لڑکپن آپ

نہ ہووے کس طرح دونی بہار سبزۂ صحرا[3]
کہ دھویا اشک مجنوں نے غبار سبزۂ صحرا

اے جنوں نالہ و فریاد کروں یا نہ کروں
خانۂ شوق[4] کو آباد کروں یا نہ کروں

۱- یہ اور اس کے بعد کا شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ـ (مرتب)
۲- برادر چنی لال ، شاگرد مصحفی ، یہ اس کی قیل و قال ـ
۳- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ـ (مرتب)
۴- نسخۂ پٹنہ میں یہ شعر دو مرتبہ لکھا گیا ہے ـ دوسری مرتبہ ''خانۂ شوق'' کی بجائے ''خانۂ عشق'' ہے ـ (مرتب)

حالت وصل کا یک شب جو سماں دیکھا ہے
کیوں شب ہجر اسے یاد کروں یا نہ کروں

کھلے ہیں گل ، گھرا ہے ابر ، مے سے پر گلابی ہے[1]
نہ کر اے گل حجاب اس دم کہ وقتِ بے حجابی ہے

اس کے حال زار پر ہر گل ہے خنداں باغ میں
لاوے آب اشک بلبل کیوں نہ طوفاں باغ میں

کس طرح تجھ بن وہاں جاؤں کہ نظروں میں مری
ہے رگِ گل صورتِ خارِ مغیلاں باغ میں

---

۲۷۱ ۔ عشاق ، شاہ مظہر حق

شاغل اور مشاق ، شاہ مظہر حق تخلص عشاق ، بے نوا بانوا ، امرد پرستی سے آشنا ، شاگرد[2] میاں مصحفی ۔ یہ اشعار اس سے یادگار :

شکوے کی زباں سے جونھی تقریر نکالی
ناداں نے مرے قتل پہ شمشیر نکالی

آتا تھا کبھی خواب میں سو[3] بھی ہوا موقوف
الٹی یہ مری آہ نے تاثیر نکالی

جب فصل گل آخر ہوئی کیا فائدہ صیاد
پھر پائے اسیراں سے جو زنجیر نکالی

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- . . . . . شاگرد مصحفی . . . .
۳- وہ -

ادبِ عشق سے تڑپا نہ میں خنجر کے تلے
تر لہو سے مرے تا دامن جلاد نہ ہو

دفتر عشق میں اے بادشہ کشور حسن
فرد باطل ہے وہ جس پر کہ ترا صاد نہ ہو

---

۲۷۲ - عارف ، میر عارف علی

شاعر منتہی ، تخلص عارف ، میر عارف علی ، ساکن امروہہ ، معرفت دیبی پرشاد ظریف کے شاگرد میاں مصحفی کا ہوا ۔ یہ[1] اشعار [شعر] اس سے یادگار :

رہ گیا آینہ جوں دیدۂ عاشق حیران
ہنس پڑا دیکھ جو وہ غنچہ دہن آینے میں

---

۲۷۳ - سپند ، مرزا لطف علی بیگ

مرد خرد مند ، مرزا لطف علی بیگ تخلص سپند ، ولد دائم[2] بیگ ابن منعم بیگ ، رسالہ دار عہد نواب شجاع الدولہ بہادر ۔ شاگرد میاں مصحفی ، یہ اشعار اس سے یادگار :

ہے[3] اسیر غم کہاں اور کوچۂ قاتل کہاں
یہ نہیں معلوم دل جا کر ہوا گھائل[4] کہاں

بیٹھ کر مجھ سے اٹھا جاتا نہیں اے ہم زباں
مجھ نحیف و زار سے طے ہو سکے منزل کہاں

۱- من کلامہ ۔
۲- . . . دائم بیگ ، رسالدار عہد . . . .
۳- میں اسیر غم . . . .
۴- مائل ۔

کشتیٔ صد پارہ کے تختے پہ ہوں میں جاں بلب
دیکھیے لے جائے یہ دریاے بے ساحل کہاں

جانتے تھے ترے ہاتھوں سے ہیں نالاں کتنے
دل دیا ہم نے تجھے ، ہم بھی ہیں ناداں کتنے
گھر سے میرے ترا جانے کو نہیں جی کرتا
پاؤں پھیلائے ہیں تو نے شبِ ہجراں کتنے

جاں لبوں پر ہے دم شماری ہے
آج کی رات ہم پہ بھاری ہے
نہیں بچنے کا میں کسی عنواں
زخمِ تیغِ فراق کاری ہے
حرف شکوے کا لب پہ لا نہ سپند
کام عاشق کا جاں نثاری ہے

---

۲۷۴ ـ سامان ، خواجہ محمد حسین

احسنت و آفریں کے شایان ، خواجہ محمد حسین تخلص سامان ، شاگرد[1] میاں مصحفی ، من کلامہ :

منہ نمک سے بھر دو میرے زخم کے ناسور کا
کون[2] احساں سر پہ لیوے مرہمِ کافور کا
بستر[3] خار مغیلاں فرش مخمل ہے مجھے
خاک صحرا کو سمجھتا ہوں میں دامن حور کا

۱- شاگرد مصحفی ـ
۲- کون لے احسان سر پر مرہم کافور کا
۳- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے ''نشتر'' (مرتب)

اس قدر ایذا نہ دے اے درد رنجوری مجھے
گور تو نزدیک ہے گر اس سے ہے دوری مجھے
چاندنی چھٹکی چھپا خورشید اے ساقی شتاب[1]
جام نرگس میں پلا صہبائے انگوری مجھے

صحن گلشن میں گھٹا دیکھی ہے کالی کالی
چہچہے مرغ چمن کرتے ہیں ڈالی ڈالی

تیز رفتار ہے گو ناقۂ لیلیٰ لیکن
چشم مجنوں سے تو لازم نہیں پنہاں ہونا
یہ بہت دور ہے ہمت سے تری اے ساماں[2]
چھوڑنا مرگ کا اور زیست کا خواہاں ہونا

---

۲۷۵ ـ نگاہ ، شیخ حیدر علی

صاحب دستگاہ ، شیخ حیدر علی تخلص نگاہ ، شاگرد[3] میاں مصحفی ، یہ فکر اس کی :

صدمہ جب دل پہ مرے خوب گزر لیتا ہے
تب[4] کہیں آ کے وہ بے درد خبر لیتا ہے
ایسے بے درد سے کیوں دل کو لگایا تھا نگاہ
ہچکیاں روز جو تو آٹھ پہر لیتا ہے

۱، ۲۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۳۔ شاگرد مصحفی ، یہ اس سے یادگار ۔
۴۔ جب ۔

لیلیٰ نے تو کبھیں نہ لگایا ہو اس کو ہاتھ
آتی ہے نخل بید سے بوئے حنا مجھے
شاید مزاج یار کا کچھ اس کو پاس ہے
دیتا نہیں جو عیسیٔ مریم دوا مجھے

جاؤں وہاں کسی کا گزارا جہاں نہ ہو
دعویٰ کروں سو وہ جو سزائے دہاں نہ ہو
اعجاز خضر ہے سخن اپنا تو اے نگاہ
آگے مرے ، کلیم کے منہ میں زباں نہ ہو

---

۲۷۶ - نجف ، شیخ عبدالکریم

مرد با شرف ، شیخ عبدالکریم تخلص نجف ، شاگرد[1] میاں مصحفی ، یہ اشعار اس سے یادگار :

سنتے ہیں طول روز قیامت ، پہ ہے یقیں
ہوگا نہ وہ زیادہ شبِ انتظار سے
اے دوستو تمھیں[2] ہو مبارک یہ سیر باغ
ہم داغ لے چلے چمنِ روزگار سے
شب کس کی تجھ کو حسرتِ آغوش تھی نجف[3]
جو صبح تک یہ ہاتھ تھے چسپاں کنار سے

۱- شاگرد مصحفی ، یہ . . . .
۲- . . . . تمھیں یہ مبارک ہو سیر باغ
۳- نسخۂ انجمن میں یہ شعر نہیں - (مرتب)

سدا یہاں تو کسی چیز کو قیام نہیں[1]
جو شب ہے روز نہیں ، صبح ہے تو شام نہیں

پری سے واسطہ کیا ، حور سے بھی کام نہیں
یہ دل جگہ ہے تری ، غیر کا مقام نہیں[2]

لبوں کو یار کے جز مے کشی کے کام نہیں
طریق عیسیٔ مریم میں مے حرام نہیں

جو راست‌رو ہیں وہ آفت سے ہیں سدا آزاد
عقاب تیز کو زنہار خوفِ دام نہیں

ہوئی بہت تہ و بالا کیے بہت پامال[3]
بلا و آفتِ جاں ہے ترا خرام نہیں

اس سے کیا اور توقع ہو ، یہاں آنے کا
ایک وعدہ ہے سو اب تک وہ وفا ہوتا ہے

کفر ہے دخل مشیت میں نجف بندے پر
جو ہوا خوب ، جو ہوتا ہے بجا ہوتا ہے

---

۲۷۷ ۔ یاس ، میر الٰہی بخش

صاحب تمیز و قیاس ، میر الٰہی بخش تخلص یاس ، ولد[4] میر رحمت علی ، شاگردِ میاں مصحفی ۔ من کلامہ :

۱، ۲۔ نسخۂ پٹنہ میں ان دو شعروں کی بجائے صرف ایک شعر ہے جو پہلے شعر کے مصرع اول اور دوسرے شعر کے مصرع ثانی پر مشتمل ہے ، یہ سہو کتابت ہے ۔ (مرتب)

۳۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

۴۔ . . . . ولد رحمت علی ، شاگرد مصحفی ، منہ ۔

صورت کفن میں ہے یہ ترے خاکسار کی
چھاتی پھٹے ہے دیکھ کے جس کو مزار کی

سامنے[1] کیوں آینے حیراں نہ ہوں رو دیکھ کر
مارے پڑتے ہیں ہزاروں اس کے گیسو دیکھ کر

ہیں سینکڑوں جہاں میں طرح دار آدمی
بندے ہیں ہم اسی کے جو ہو یار آدمی

---

۲۷۸ ـ نظر ، مرزا علی

شخص موزوں ، مرد سخن ور ، مرزا علی تخلص نظر ، خلف[2] میر محمد زمان ، اولاد مالک اشتر ، بزرگ اس کے خدمت مستوفی گری سے[3] سرفراز ـ شاگرد میاں مصحفی ، یہ شعر اس کے[4] سرمایۂ ناز :

ضعف ہی مانع نہیں ہے کچھ ترے بیمار کا
سر پہ ہے کوہِ گراں سایہ تری دیوار کا

دل ہی جب جاتا رہا کس کام کا صبر و شکیب
فوج کو دیتا ہے ذلت بھاگنا سردار کا

آخر کار یہ حیرت نے کیا کام اپنا
اس نے پوچھا تو ہمیں بھول گیا نام اپنا

۱ـ سامنے کیوں آینہ حیراں نہ ہو رو دیکھ کر
۲ـ نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے لفظ ''خلف'' نہیں ہے ـ(مرتب)
۳ـ . . . سے ممتاز ـ
۴ـ . . . کے مایۂ ناز ـ

قاصد و نامہ پہ موقوف نہیں کام اپنا
آپ لے جاتے ہیں ہم یار کو پیغام اپنا

عاشق جاں باز کا ملنا نہایت ہے محال
دوسرا شیریں نے کس دن کوہ کن پیدا کیا

اثر تو دیکھو[1] مرے دل کے داغ سوزاں کا
کہ تار شمع ہے جو تار ہے گریباں کا

صدمۂ دست جنوں سے کوئی ٹل جاؤں گا
ہوں میں وہ چاک کہ دامن سے نکل جاؤں گا

چشم کو شوق تماشا نگراں رکھتا ہے
عشق دل کو مرے سرگرمِ فغاں رکھتا ہے

شب فراق سحر ہو کے مجھ کو مار چلی
نہ آیا تو صنم اور جان بے قرار چلی

رات بھر اس کو تڑپنے کے سوا کام نہیں
کسی کروٹ دلِ بے تاب کو آرام نہیں
رات دن اس کا تصور ہے سرک اے قاصد
عالمِ وصل میں گنجائشِ پیغام نہیں

۱- اثر تو دیکھ مرے ....

جانے[1] دیتے تھے جسے قول و قسم لے لے کر
جلتے ہیں اس کے بس اب نام کو ہم لے لے کر

سخت نومید ہوں یارب مدد طالع سے
کاش بیداری مجھے خواب زلیخا ہو جائے

---

۲۷۹ ـ طپاں ، مرزا رمضان بیگ

خوش بیان ، مرزا رمضان بیگ تخلص طپاں ، ولد مرزا رجب بیگ ، ساکن قصبہٗ اسیون ـ بزرگ اس کے عمدۂ روزگار ، شاگرد میاں مصحفی ، یہ[2] اشعار اس سے یادگار :

مدت سے یاں نقاہت گھر کر گئی ہے تن میں
وہ دن گئے جو طاقت پاتے تھے ہم بدن میں

عاشق تھی گل کی بلبل ، دیوانہ یار کا میں
کوئے صنم میں مجھ کو ، گاڑا اسے چمن میں

دیر کیوں قاصد نے کی ہے بھید کچھ کھلتا نہیں
ہم جواب خط سے گزرے نامہ بر آئے کہیں

اے **طپاں** عشق تھا اک پردہ نشیں سے مجھ کو
جان دی میں نے ظاہر نہ مرا راز ہوا

۱- جان دیتے ہیں جسے قول و قسم لے لے کر
۲- یہ اشعار یادگار ـ

دور یاران رفتہ بستے ہیں
ان کی شکلوں کو ہم ترستے ہیں

میری حالت سے کاش ہوں آگاہ
میرے رونے پہ جو کہ ہنستے ہیں

ہے[1] مشبک دل و جگر اپنا
جان نکلے تو لاکھ رستے ہیں

یک طرف وصل اے **طپاں**، ہم تو
اس کی صورت کو بھی ترستے ہیں

---

[2]ہووے بے تاب مری طرح سے فریاد کرے
ہووے وہ دن بھی کہیں وہ بھی مجھے یاد کرے

ہم آزما چکے ہیں بہت گرم و سرد عشق
دیجے اسے فریب جو ناکردہ کار ہو

جفائیں جھیلیاں پر دم نہ مارا
طپاں قائل ہوں میں تیرے جگر کا

کون اٹھائے گا ترے جور و جفا میرے بعد[3]
دخل کیا لے جو کوئی نام وفا میرے بعد

۱- ہیں مشبک دل اور جاں اپنا (کذا)
۲- کہ۔
۳- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

۲۸۰ - [شفق] ، بندہ علی

صاحب توفیق ، بندہ علی[1] تخلص شفق[2]، شاگرد میاں مصحفی ، یہ اشعار اس کے یادگار :

اس لاغری پہ رنج دہ دوستاں ہوں میں
ہر چند ہوں سبک پہ دلوں پر گراں ہوں میں

اے اضطراب دل نہ تصدق چمن کا کر
رہنے دے مجھ کو باغ میں بے آشیاں ہوں میں

بے خود کیا ہے عشق نے ایسا کہ ان دنوں
معلوم کچھ نہیں مجھے یارو کہاں ہوں میں

رہتا ہے دھیان اس کا شب و روز اے شفق
جاتا ہوں جس مکان میں رہتا جہاں ہوں میں

یہی لکھا تھا خدا نے مری تقدیر کے بیچ[3]
دل پھنسے جا کے تری زلف گرہ گیر کے بیچ

۱- . . . بند علی ' . . . . شاگرد مصحفی ، یہ اس سے یادگار ۔

۲- مولف تذکرہ نے ''مرزا بندہ علی شفق'' اور ''بندہ علی شفیق'' کے نام و تخلص سے دو شاعروں کا ذکر کیا ہے ۔''بندہ علی شفیق'' نام و تخلص کا کوئی شاعر نہیں گزرا ۔ دراصل دونوں جگہ ''مرزا بندہ علی شفق' ہی کا ذکر ہے ۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہوں : تعلیقات و حواشی ۔ (مرتب)

۳- یہ شعر نسخہ' انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

۲۸۱ - وحشی ، شیخ کرم علی

مقیدِ وارستہ مزاجی ، شیخ کرم علی تخلص وحشی ، خلف فرحت اللہ[1] ، شاگرد میاں مصحفی - جو یار آشنا اس کا در پر اس کے وحشی کہہ کے پکارتا[2] تھا ، باپ اس کا دشنام دے کر کہتا "وحشی ماں کا فلانا یہاں کون ہے جسے تو پکارتا ہے" - یہ چند شعر کہ ولولہ اس کی طبیعت کا ہے ، لکھے جاتے ہیں :

مردے کا کیونکہ ہم پر سب کو گماں نہ ہووے
پہلو میں اپنے جب وہ آرام جاں نہ ہووے

پردۂ غفلت پڑا ہووے تو کیا معلوم ہو
جب اٹھے آنکھوں سے تب نور خدا معلوم ہو
چاند بدلی میں جو چھپ جائے تو کیا معلوم ہو
کیوں کہ زلفوں سے رخ انور ترا معلوم ہو
قافلے والوں سے کیوں کر جا ملے وہ ناتواں
جس کو کوسوں تک نہ آواز درا معلوم ہو
دل سے وحشی کے اگر ہو جائے حک حرف دوئی
تب اسے کچھ منزل شاہ و گدا معلوم ہو

---

۲۸۲ - ہوس ، مرزا محمد تقی خان

شاعر مسیحی نفس ، نواب مرزا محمد تقی خان تخلص ہوس ، خلف الصدق

۱- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے "فرصت اللہ" - (مرتب)

۲- . . . . . پکارتا ، باپ . . . .

نواب مرزا علی خاں ، زیور فضل[1] و کمال سے آراستہ اور پیراستہ ، حسب و نسب ان کا محتاج شرح و بیان نہیں ۔ چند شاعر ہمیشہ اس سرکار میں مثل میر حسن و طالب علی (خاں) عیشی و میاں مصحفی نوکر رہے ۔ میاں صاحب تذکرۂ دوم[2] میں لکھتے ہیں کہ :

"در تذکرۂ اول بہ سبب سہو طرفین ذکرش مرفوع القلم ماندہ لہٰذا بتلافی آن پرداختم تا حق نمک تلف نہ شود"۔

یہ معما شرح طلب ہے ۔ وہ سہو یہ تھا کہ میاں مصحفی کی تنخواہ بہت سی چڑھ گئی تھی ، ایک روز اپنی عسرت ان سے (بہ طریق شکایت) بیان کی ۔ نواب صاحب نے[3] فرمایا مجھ سے چندے مدد خرچ نہ ہو سکے گی ۔ ان کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا کہ میری زبان نہ رہ سکے گی ۔ نواب صاحب نے حق استادی کو بالائے[4] طاق رکھا اور امیری کو کام فرمایا ۔

قصہ کوتاہ مثنوی لیلیٰ (و) مجنوں اور دیوان مع قصائد اس امیر نامدار سے یادگار ہے[5] :

صدمۂ عشق سے مجنوں کا جگر چاک ہوا
کیا عجب پردۂ محمل بھی اگر چاک ہوا

کس کو اے یار شب ہجر تڑپتے گزری
جس کی حالت پہ گریبان سحر چاک ہوا

۱- . . . . فضل و ہنر سے آراستہ پیراستہ . . . .
۲- ریاض الفصحا (مرتب)
۳- . . . . نے کہا مجھ سے . . . .
۴- . . . . بالائے طاق رکھ کر امیری کو . . . .
۵- لفظ "ہے" نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

زخم شمشیر و سناں سے اسے نسبت کیا ہے
سینہ عاشق کا بانداز دگر چاک ہوا

شب ہجر میں دم واپسیں دل مضطرب کا یہ حال تھا
کہ جو سانس ہونٹوں تک آئی تھی سو نکلنا اس کا محال تھا
مرے یار پوچھے ہے مجھ سے کیا شب[1] ہجر میں مرے شغل کو
کبھی گریہ تھا کبھی آہ تھی کبھی وجد تھا کبھی حال تھا

دین[2] و دل جس کے غم ہجر میں برباد کیا
ہائے بھولے سے بھی اس نے نہ کبھی یاد کیا
ہم وہ مشتاق قفس ہیں کہ گلستاں سے نسیم
جب اڑے رو طرفِ خانۂ صیاد کیا
خاک بھی رہنے نہ دی اس کی گلی میں میری
مجھ کو اے باد صبا تو نے یہ برباد کیا

گئے جب تو فائدہ اتنا ہوا غم عشق کا رنج و محن نہ رہا
ولے کاوش دست جنوں یہ رہی کہ موے پہ بھی تار کفن نہ رہا
کوئی مونس بےکسی جب نہ ملا تو غزال رمیدہ سے انس کیا[3]
ہمیں بے وطنی نے دیا یہ مزا کہ ذرا بھی خیال وطن نہ رہا

۱- . . . شب ہجر میرے تو شغل کو
۲- دل و دیں جس کے . . . .
۳- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

قطعہ

آج کہتا تھا یہ ہر ایک سے وہ مایۂ ناز
چاک کیوں کر نہ کروں جامہ شکیبائی کا
دیکھی تصویر جو مجنوں کی میں کل سلسلہ بند
یاد آیا مجھے نقشہ آسی سودائی کا

کیوں عشق سے دعویٰ نہ کروں قیس کے خوں کا
اب سلسلہ جنباں ہوں میں زنجیر جنوں کا
وہ ہو نہ سکے معجز عیسیٰ سے بھی زندہ
مارا ہوا ہووے جو ترے لب کے فسوں کا

تدبیر کرو وصل کی جو ہو سکے تم[1] سے
کچھ ہم سے تو اے ہم نفساں ہو نہیں سکتا

بنا فرہاد نے شیریں کی جب تصویر کو توڑا
تو کیا کیا بے ستوں کی رونق تعمیر کو توڑا
پری زادوں کا رہتا تھا تصور رات دن جس میں
ترے غم نے مرے اس رشتۂ تسخیر کو توڑا

شوق خراش خار مرے دل میں رہ گیا
پائے تلاش پہلی ہی منزل میں رہ گیا

۱۔ نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے ''ہم'' بجائے ''تم'' ۔ (مرتب)

آنکھیں جو اس کی بند نہ تھیں بعد ذبح بھی
شوق نظارہ کیا دل بسمل میں رہ گیا

ہم سے وارفتہ ہیں الفت میں بہت کم پیدا
ہاتھ سے کھو نہ ہمیں ، ہوں گے نہ پھر ہم پیدا
التیام اس کا ہے جو لطف بتاں پر موقوف
زخم دل کا مرے ہوتا نہیں مرہم پیدا

شکل مجنوں کی جو دیکھی ہم نے تصویروں[1] کے بیچ
چند مشتِ استخواں تھے لاکھ زنجیروں کے بیچ
بید کے پتوں کا سایہ یوں تن مجنوں پہ ہے
جیسے کوئی ناتواں گھر جائے شمشیروں کے بیچ

تیز رکھیو سر ہر خار کو اے دشت جنوں
شاید آ نکلے کوئی آبلہ پا میرے بعد
اپنے مرنے کا مجھے غم نہیں پر یہ غم ہے[2]
کون ہوگا ہدف تیر بلا میرے بعد
کیا عجب مدفن لیلیٰ سے جو نکلے یہ صدا
میرے مجنوں ترا کیا حال ہوا میرے بعد

باڑھ کی حاجت نہیں تیغ نگاہ یار پر
عکس مژگاں خط بجھاوٹ کا ہے اس تلوار پر

۱- نسخۂ پٹنہ میں سہو کتابت سے ''زنجیروں'' - (مرتب)
۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

نہیں ہوس وقت جوش مستی قد خمیدہ سے ٹک حیا کر
بتوں کا بندہ رہےگا کب تک خدا خدا کر خدا خدا کر
کہاں کی نیند آ گئی ہے ایسی مسافران رہ عدم کو
کچھ ایسے سوئے کہ پھر نہ چونکے تھکے انہیں ہم جگا جگا کر
سجود محراب تیغ قاتل عبادت رند مشرباں ہے[1]
جو ہو سکے تو قضائے عمری بس ایک سجدے میں تو ادا کر
کہاں سلیماں کہاں سکندر کہاں ہے جم اور کہاں ہے دارا
یہ سب کے سب خاک کے تھے پتلے بگاڑ ڈالے بنا بنا کر
ہے منہ پہ بیداریوں کی زردی **ہوس** اگر نیند آچٹ گئی ہے[2]
تصور اس کے میں سو رہو تم بغل کے تکیے گلے لگا کر

قفس پر برگ گل رکھنے سے اے صیاد کیا حاصل
گزشتہ صحبتوں کا اب دلانا یاد کیا حاصل

بس کہ ہے خواہش دید رخ دلبر مجھ کو
زندگی ہجر میں ہے موت سے بد تر مجھ کو
بے پر و بالی کا تو نام نہ عاید ہوتا[3]
مرغ تصویر کے سے بھی نہ ملے پر مجھ کو
کاہشیں عالم پیری کی دلاتی ہیں یاد
راحت و بے غمیٔ دامن مادر مجھ کو

---

۱ تا ۳- یہ شعر نسخہ میں نہیں - (مرتب)

مر گیا میں پہ یہ محتاجیٔ دنیا نہ گئی
اب بھی اک بہر کفن چاہیے چادر مجھ کو

عالم روح میں بھی[1] جسم مثالی ہے[2] ساتھ
چاہیے قبر میں بھی بالش و بستر مجھ کو

ہو جہاں عاشق و معشوق کا یک‌جا ہو حشر
خلد کی قید نہیں داور محشر مجھ کو

باغ عالم میں **ہوس** وہ گل نازک تھا میں[3]
ہوئی تحریک صبا لطمۂ صرصر مجھ کو

آندھیاں آئیں ، گھٹائیں برسیں ، اٹھے گردباد
فتنے کیا کیا بر سر گور غریباں ہو گئے

تمہارا دھیان یاں آٹھوں پہر ہے
کہو یاران رفتہ کیا خبر ہے

فلک نازک مزاجوں کو نہ دے رنج
انھیں صندل لگانا درد سر ہے

عزیز آتش کو رکھ اے باغباں تو
درخت خشک کا تیرے ثمر ہے

اسیران قفس میں ڈھونڈ صیاد[4]
کہ مجھ سا بھی کوئی بے بال و پر ہے

۱- ہے -　　　۲- بھی
۳- ۴- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

دلِ شیریں نہیں شورش سے خالی
نہادِ سنگ میں پنہاں شرر ہے

بعد فنا کہیں گے یہ اہل قبور سے
دو ہم کو جا تھکے ہوئے آئے ہیں دور سے

نازکی اپنی پہ سو منتیں دھر لیتا ہے[۲]
کبھی انگڑائی جو وہ رشکِ قمر لیتا ہے

جگر میں کاوش مژگان یار باقی ہے
مرے اس آبلے میں نوک خار باقی ہے
تمام عمر نہ کی آہ ، وقت مرگ بھی میں
کروں گا جبر ، اگر اختیار باقی ہے

ہوئے عازم ملک عدم جو ہوس تو خوشی یہ ہوئی تھی کہ غم سے چھٹے
پہ فراغ الم سے نہ واں بھی ملا ، وہاں غم یہ رہا کہ وہ ہم سے چھٹے
کسی دیر میں تھے کسی[۳] بت پہ فدا کبھی کرتے تھے کعبے میں جا کے دعا
ترے کوچے میں بیٹھے تو خوب ہوا کہ کشاکش دیر و حرم سے چھٹے

ہماری ہڈیاں کھانا سمجھ کر
ہما تیرے بھی آخر استخواں ہے

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۲- کبھی ۔

۲۸۳ - اقبال ، اقبال الدولہ

صاحب جاہ و جلال ، اقبال الدولہ (بہادر) تخلص اقبال ، شاگرد مرزا تقی ہوس ، (بزبانی میر نواب تخلص حبیب) من کلامہ :

ہر مرتبہ بس رنجش بے جا نہ کرو تم
دل لے کے مرا اپنا پرایا نہ کرو تم

تم کہتے ہو ہر بار حجاب آتا ہے تجھ سے[1]
لو بند کیا آنکھوں کو پردا نہ کرو تم

بے وجہ نہیں پاؤں میں مہندی کا لگانا
ڈر لگتا ہے فتنہ کوئی برپا نہ کرو تم

نالے نہ کرو عشق میں آنسو نہ بہاؤ
اے دیدہ و دل راز یہ افشا نہ کرو تم

اس طرح قدم گور غریباں پہ نہ رکھو
مردوں کو زمیں میں تہ و بالا نہ کرو تم

دیدار دکھانا ہے اگر ، آج دکھاؤ
مشتاق ہیں ہم وعدۂ فردا نہ کرو تم

اچھا نہیں کہنے کا بری چالوں سے کوئی
یوں بال کھلے کوٹھے پہ آیا نہ کرو تم

گر پھول چڑھاتے نہیں آ کر نہ چڑھاؤ
تیوری مری تربت پہ چڑھایا نہ کرو تم

بالے کی بھی مچھلی نہیں ہو سکتی ہے زندہ
اس منہ پہ مسیحائی کا دعویٰ نہ کرو تم

۱- تم کہتے ہو ہر وقت حجاب آتا ہے تم سے

اللہ کی قدرت ہے کہ داغوں سے سراپا
ہم سرو چراغاں ہوں ، تماشا نہ کرو تم

مہتاب تو کچھ کرمک شب تاب نہیں ہے
یوں تالیوں میں اس کو اڑایا نہ کرو تم

مضمون کمر میں نے جو باندھا تو یہ بولے
باریک بہت ہے اسے باندھا نہ کرو تم

(ڈرتا ہوں کہ مجھ کو بھی نہ ہو جائے محبت
الفت بہت اے مردم دنیا نہ کرو تم)

اقبال نہ ہر وقت کرو دھیان بتوں کا
دل خانۂ کعبہ ہے ، کلیسا نہ کرو تم

---

۲۸۴ - انبہ پرشاد[1]

داستان سرائی میں استاد ، انبہ پرشاد ، شاگرد مرزا تقی ہوس -
یہ شعر اس سے یاد :

کبھی لعل ابر مژگاں سے کبھی گوہر برستے ہیں
یہ بادل آودے آودے جھوم جھوم آ کر برستے ہیں

---

۲۸۵ - غافل ، منور خان

شاعر نا عاقل ، منور خاں متخلص[2] بہ غافل ، قوم افغان ، پسر

۱- نسخۂ پٹنہ میں ترجمۂ انبہ پرشاد نہیں ہے - (مرتب)
۲- . . . . تخلص غافل . . . .

صلابت خان ، خیل[1] یوسف زئی ۔ نحوست اور شومی اس کے تخلص کی تا مرگ ساتھ رہی ۔ یا خدا یہ موت کسی کافر کو بھی نصیب نہ ہو ۔

حکایت : ایک عورت مومنہ اس کے عقد میں تھی ۔ محرم کی چاند رات کو اس نے کہا ”مجھے اجازت دے تو میں[2] اپنے باپ کے یہاں جاؤں اور تعزیہ حضرت امام حسین علیہ‌السلام کا لوں ۔“ اس نے کہا ”یہاں کون تعزیہ داری سے مانع ہے“ ۔ قصہ کوتاہ تعزیہ اس نے رکھا اور رسم تعزیت میں مصروف ہوئی ۔ شب ہشتم اس غافل ازلی نے خوب شراب زہر مار کر کے اس مومنہ کو واسطے گزک بوس و کنار کے طلب کیا ۔ اس نے اجابت کے عوض نا سزا کہا ۔ وہ نہایت تہدید سے ایک چوب اٹھا کر اس کے پیچھے دوڑا ، وہ بے پناہ[3] دامن تعزیہ[4] میں چھپی ۔ غافل[5] بے دین نے چوب دستی تعزیہ پر بلند کی ، ناگاہ ایک تمانچہ[6] اس کے روئے نجس پر پڑا کہ لقوہ زدہ کی طرح گردن (اس کی) پھر گئی اور ہیئت اس کی اور ہوگئی ۔ وہ ممسوخ صبح ہوتے ہوتے داخل شام سجین ہوا ۔ ”باآل نبی ہر کہ در افتاد بر افتاد“۔ یہ[7] اشعار اس غافل کے ہیں :

کسا ہے زین اس ترک شکار افگن نے توسن پر
گریباں کو ہے حکم حلقۂ فتراک گردن پر

۱۔ نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے ”خلیل“۔ (مرتب)
۲۔ . . . میں اپنی ماں کے . . . .
۳۔ بے گناہ ۔
۴۔ ضریح ۔
۵۔ غافل نے چوب اس پر بلند کی . . . .
٦۔ طمانچہ ۔ ۷۔ سن کلاسہ ۔

ترے جانے سے یہ صدمہ ہوا گل ہائے گلشن پر
گلے رکھ رکھ دیے غنچوں نے تیغ برگ سوسن پر
نہ پوچھو کچھ ہمارے مزرعۂ الفت کے حاصل کی[1]
مجھے کچھ برق سے تو قبضۂ حاکم ہو خرمن پر
لٹے پر بھی مروت ہم نے کی صحرائے الفت میں
وہ اپنے سر پہ مارا جو اٹھا تھا ہاتھ رہزن پر
یہ کس کے سبزۂ خط نے جلا کر مجھ کو مارا ہے
جو سبزہ جل رہا ہے مثل شمع سبز مدفن پر
بہانے میں گزر جاتے ہیں جیسے بسمل الفت
کہ صدمہ ہاتھ کا بھی تیغ ہے لوٹن کبوتر پر

دل کو بوسے کی طلب گیسوے دل دار میں ہے
ہے یہ وہ دزد کہ محروم شب تار میں ہے
کیا زیاں ہے ترے گلشن کا بتا اے گلچیں
آشیاں اپنا تو اک رخنۂ دیوار میں ہے

صدمۂ ہجر مری جان اٹھانے کی نہیں
تو نہ آئے گا تو کیا موت بھی آنے کی نہیں
گو ہوئے عاشق و معشوق مقابل تو کیا
آنکھ تصویر سے تصویر ملانے کی نہیں
اپنے مجنوں کی ذرا دیکھ تو بے پروائی[2]
پیرہن چاک ہے اور فکر سلانے کی نہیں

۱، ۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

مجھ میں اور یار میں ہے اتنا فرق
بے دہن وہ ہے بے زباں میں ہوں
مثل تصویر لیلیٰ و مجنوں[1]
یار بھی ساتھ ہے جہاں میں ہوں
جو بلا ہے مجھی پر آتی ہے
تیر بیداد کا نشاں میں ہوں

یہ کون سا پروانہ موا جا کے لگن میں
حیرت سے جو ہے شمع کی انگشت دہن میں
کہتے ہیں اسے چاہ زنخداں غلطی سے
بوسے کا نشاں ہے یہ ترے سیب ذقن میں

سارباں جی کی طرف کھینچے ہے مجنوں سوئے نجد[2]
ناقہ حیراں ہے کہ لے جاؤں کدھر محمل کو

قتل عاشق میں کجی ابرو میں تیرے آ گئی
کیا نہ تھی یہ تیغ فولادی جو بل یوں کھا گئی
انتظار یار میں تن سے نہ نکلی جان اور
موت بیٹھے بیٹھے بالیں پر مرے اکتا گئی

۱، ۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

فرقت قاتل نے از بس کر دیا لاغر مجھے
ڈھونڈتے ہیں زیر خنجر دیدۂ جوہر مجھے
گلشن دنیا میں ہوں میں طائر آفت نصیب
حلقہ ہائے دام ہیں نقش و نگار پر مجھے
اے فرشتو دفتر عصیاں ابھی رکھو پرے
کھولنے دو پہلے اپنے خون کا محضر مجھے

کیوں نہ بھکے زلف میں یہ دل فروغ حسن دیکھ
دیتی ہے دھوکا مسافر کو سحر کی چاندنی

خط کا مضموں مرے وہ طفل سمجھتا کب ہے
معنیٔ لفظ میں پوشیدہ مرا مطلب ہے

جو ٹیکا صندل کا ہے جبیں پر تو پاس ابرو کے خال بھی ہے
سپہر خوبی پہ ماہ بھی ہے سہیل بھی ہے ہلال بھی ہے

نگاہ یار ہم سے آج بے تقصیر پھرتی ہے
کسی کی کچھ نہیں چلتی ہے جب تدبیر پھرتی ہے[1]
تری تلوار کا منہ ہم سے پھر جائے تو پھر جائے
ہماری آنکھ قاتل کب تہ شمشیر پھرتی ہے
کبھی تو کھینچ لائے گی اسے گور غریباں پر
کہ مدت سے ہماری خاک دامن گیر پھرتی ہے

۱- کسی کا بس نہیں چلتا ہے تب تقدیر پھرتی ہے

مرقع میری آنکھوں میں ہے کیا یاران رفتہ کا
جو نظروں کے تلے ہر ایک کی تصویر پھرتی ہے

(ترے ناقے کا پتا کچھ نہ لگا اے لیلیٰ
چھان ڈالے ترے مجنوں نے بیاباں کتنے)

مرتے دم اے بے وفا دیکھا تجھے
ایک دم دیکھا تو کیا دیکھا تجھے

اے پری رو کیوں نہ ہوں دیوانہ میں
بال کھولے بارہا دیکھا تجھے

۲۸۶ - شمیم ، شیخ محمد صابر

شیخ[1] محمد صابر تخلص شمیم ، میاں مصحفی کا شاگرد قدیم ، یہ اشعار اس کے :

دیکھنا اس کا علاج دیدۂ نم ناک ہے
وصل اس کا مرہم زخم دل صد چاک ہے

اس رخ پر نور کی جس دن سے دیکھی ہے صفا
آینہ اس دن سے ملتا اپنے منہ پر خاک ہے

حور و غلماں سے ہے بہتر ساقی و بنت عنب
نخل طوبیٰ[1] سے سوا ہم کو نہال تاک ہے

مجھ کو اس نخچیر کی تقدیر پر آتا ہے رشک
اس قدر انداز کا جو بستۂ فتراک ہے

۱- میاں مصحفی کا شاگرد قدیم ، شیخ محمد صابر تخلص شمیم ، یہ اس سے یادگار ۔

کرے وہ حوصلہ سیمیں تنوں سے دل لگانے کا
جسے مقدور ہووے ہجر کے صدمے اٹھانے کا

پریشاں موئے سنبل ہے گریباں چاک ہے گل کا
چلو اے ہم صفیرو باغ میں ماتم ہے بلبل کا

---

۲۸۷ - مخمور ، محمد جعفر

ساقی دور کلام ، مخمور تخلص ، محمد جعفر نام ، عطار حقۂ سخنوری ، شاگرد میاں مصحفی ۔ من کلامہ :

استخواں میرے جسم لاغر کا
کاش دستہ ہو اس کے خنجر کا

نامہ تھا جس میں جان مضطر کا
بازو ٹوٹا وہی کبوتر کا

آہ کرتی نہیں اثر شاید
بن گیا آسماں پتھر کا

آپ اڑ جائے گا مرا خط شوق
کون احساں لے کبوتر کا

ٹھوکریں کھا رہا ہے کاسۂ سر
یہ بھی لکھا مرے مقدر کا

ہے مریدوں کو عشق کے کافی[1]
سلسلہ گیسوئے معنبر کا

دیکھ مخمور وہ رسیلی آنکھ
یاد آیا چھلکنا ساغر کا

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

عشق لیلیٰ بعد مردن بھی نہ جو زائل ہوا
جو بگولا خاک مجنوں سے اٹھا محمل ہوا

دل میں خیال خوباں دیکھا نہ تھا سو دیکھا
ویرانے میں گلستاں دیکھا نہ تھا سو دیکھا
حلقے میں زلف کے ہے اس مہ کا مصحف رخ
ہندو کے پاس قرآں دیکھا نہ تھا سو دیکھا
قطرے عرق کے اس کے رخ سے جو آج ٹپکے
آبِ چہِ زنخداں دیکھا نہ تھا سو دیکھا
مخمور کی ہیں آنکھیں لبریز بادۂ اشک
بحر شراب جوشاں دیکھا نہ تھا سو دیکھا

ہے عکسِ عارضِ یار اور شراب شیشے میں
دکھائی دیتے ہیں دو آفتاب شیشے میں
نہیں شراب یہ گلگوں سوار ہے کوئی
یہ موج بادہ نہیں ہے رکاب شیشے میں
گنوں میں شیشۂ ساعت میں عمر کی گھڑیاں
کہ زندگی کا مری ہے حساب شیشے میں
ہوا میں پیر، پہ حسرت شراب کی نہ گئی
شراب جام میں ہے اور خضاب شیشے میں
دل پر آبلہ میں ہے خیال زلفوں کا
عجب طرح کے ہیں موج و حباب شیشے میں

نگوں طالع و چشم خوں بار میں ہوں
مرے بخت سوتے ہیں، بیدار میں ہوں
وہاں جنسِ حسن اور یاں نقد دل ہے
فروشندہ وہ ہے خریدار میں ہوں
نہ اس کا نشاں ہے نہ ہے جسم و صورت[1]
وہ کیا شے ہے جس کا طلب گار میں ہوں
محبت ہے اس کی مرا آب و دانہ[2]
وہ صیاد ہے تو گرفتار میں ہوں
وہ دریائے رحمت ہے دریائے رحمت
گنہ گار میں ہوں گنہ گار میں ہوں

کیا کہوں رنج اسیری مجھے کیا ہوتا ہے
جب کہ قیدی کوئی زنداں سے رہا ہوتا ہے
دل سے جاتا نہیں ہے عشق ترے ابرو کا[3]
سچ ہے ناخن سے کہیں گوشت جدا ہوتا ہے؟
مہِ نو کب ترے ابرو سے مقابل ہووے
ناخنِ پا بھی کہیں عقدہ کشا ہوتا ہے

موت اے کاش قفس میں مجھے آئی ہوتی
کہ رہا ہونے سے پہلے ہی رہائی ہوتی
آستیں سے جو عیاں تیری کلائی ہوتی
شمع فانوس سے باہر نکل آئی ہوتی

---

۱ تا ۳- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ہے - (مرتب)

بوسۂ رخ پہ مکدر تھا وہ سرمایۂ حسن
بیچ میں آینہ آتا تو صفائی ہوتی

پار دریاے محبت سے تو[1] ہو جاتا میں
تیغ کے گھاٹ مری ناؤ لگائی ہوتی

کشتۂ افعیِ گیسو تھا ، مرے قتل کو یار
سانپ کے زہر میں تلوار بجھائی ہوتی

اس نے مقتل میں لیے بوسے تری تلوار کے
ہم گریباں گیر ہوں گے زخم دامن دار کے

ہاتھ ان بانکوں نے بتلا کر مجھے تلوار کے
کرلیا قبضے میں دل کو ابروے خم‌دار کے

ساقیا لے بادۂ گلگوں کا ساغر ہاتھ میں
جھوم جھوم آتے[2] ہیں بادل ابر دریا بار کے

ان کو اس درجہ ہمارے قتل سے حیرت ہوئی
چشم قربانی بنے جوہر تری تلوار کے

عشق اپنا اسے جتا رہا ہوں بگڑے نقشے بنا رہا ہوں
یاروں سے میں گو جدا رہا ہوں پر دل سے تو آشنا رہا ہوں[3]
بسمل جو کیا ہے شوق گل نے گلشن میں تڑپ کے جا رہا ہوں

۱- جو -
۲- آئے -
۳- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ہے - (مرتب)

۲۸۸ - نزار ، خواجہ محمد اکرم

سادہ گوئی اس کا شعار ، خواجہ محمد اکرم تخلص نزار ، شاگرد مصحفی - من کلامہ[1] :

آتا ہے تو آجا مرے بالیں پہ وگرنہ
کوئی[2] دم کو سنے گا کہ یہ رنجور نہیں ہے

کیا پرسش احوال جگر سوختۂ عشق
اس مملکت عشق میں دستور نہیں ہے

---

۲۸۹ ـ نالاں ، مرزا محمد جان

مرزا محمد جان[3] تخلص نالاں خلف مہدی علی خاں ، صوبہ دار بانس بریلی - ابتدا[4] میں موجی رام موجی سے اصلاح پذیر تھا ، بعد ازاں میاں مصحفی کا شاگرد ہوا - یہ چند شعر اس سے یادگار :

عاشق مزاج کہتے ہیں طفلی سے مجھ کو لوگ
آتا نہ تھا مجھے کبھی آرام دوش پر

وصل کی شب مجھے کیا یار نے سونے نہ دیا
دیدۂ طالب دیدار نے سونے نہ دیا

شدت درد سے کرتا جو رہا نالہ و آہ
قبر میں بھی دل بیمار نے سونے نہ دیا

۱- یہ اس سے یادگار -
۲- ''کوئی'' بر وزن ''فع'' - (مرتب)
۳- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے ''مرزا محمد خان'' - (مرتب)
۴- ابتدا میں موجی رام کا شاگرد تھا ، بعد ازاں میاں مصحفی سے اصلاح پذیر ہوا - یہ اس سے یادگار -

چھیڑنے کو مرے تصویر خیالی بھیجی
خواب میں بھی مجھے دل دار نے سونے نہ دیا

وہ تو اس بات پہ راضی تھا مگر اے **نالاں**
پاس میرے اسے اغیار نے سونے نہ دیا

---

۲۹۰ - ناداں ، میر شیر علی

میر شیر علی ، تخلص ناداں ، باوجود بے علمی طبیعت اس کی[1] رواں ، وجہ تخلص عیاں ، ابتدا میں محمد عیسیٰ تنہا سے بہرہ ور ، بعد ازاں میاں مصحفی سے کاسبِ علم و ہنر ۔ یہ اشعار اس سے یادگار :

کیسا ہی برسے خاک پہ میری سحاب فیض
ہوں نخل بید ، مجھ کو امید ثمر نہیں

امید نہ تھی مجھ کو تو یہ باد صبا سے[2]
دو پھول بھی لے کر نہ مری خاک پر آئی

آج کی شب جو تو اے نالہ کمند افگن ہو
تاک آئے ہیں کسی کوچے میں یک بام کو ہم

آنکلتا جو کبھی تو تو مقابل کرتے
شبِ ہجراں سے تری زلف سیہ فام کو ہم

۱- . . . . اس کی رواں ، ابتدا میں . . . . . بعد ازاں مصحفی سے . . . . ہنر ۔ من کلاسہ ۔

۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

ہر بنِ مو سے نکلنے لگے فوارۂ خوں
یہ طپش ہے تو بنا دیں گے چمن دام کو ہم

بزم رنداں کا قدح نوش ہے تو اے ناداں
سمجھے ہیں کفر سے بدتر ترے اسلام کو ہم

---

۲۹۱ - شاد ، شیخ فضل علی

شیخ فضل علی تخلص شاد ، شاگرد[1] میاں مصحفی ، واردِ کان پور - من وارداتہ :

مفت اس تیر نگہ کا ہوا بسمل ٹھنڈا
نہ ہوا قاتل خوں خوار کا پر دل ٹھنڈا

قیس کرتا تھا دعا حق سے یہ لیلیٰ کے لیے
سایۂ ابر سے ہر دم رہے محمل ٹھنڈا

سرد دل ہو گیا اس خال کے بوسے سے مرا
گرچہ تل گرم ہے ، پر یار کا ہے تل ٹھنڈا

تیغ کھینچے ہوئے آتا ہے بہت گرم وہ شوخ
یا خدا ہووے کہیں غصۂ قاتل ٹھنڈا

ایک بوسے کی طلب تم سے فقط ہے میری
ہے بڑا اجر ، کرے جو دل سائل ٹھنڈا

جا کے دریا پہ لگا شاد سے کہنے وہ یوں[2]
فرش واں کرنا جہاں خوب ہو ساحل ٹھنڈا

۱- شاگرد مصحفی ، من کلامہ -

۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۲۹۲ ۔ تمنا ، بھیرون داس

بھیرونِ داس ، تخلص تمنا ، پہلے[1] شاگرد محمد عیسیٰ تنہا کا تھا ، بعدہ مصحفی کا ہوا ۔ من کلامہ :

سرگرم شب ہجر ہے بے داد گری پر
اور آہ نے باندھی ہے کمر بے اثری پر

پروانے کو کیا سوز دل اس کے کی خبر ہے
گزرے ہے جو کچھ حال چراغ سحری پر

ہوں میں وہ نخل سوختۂ باغ روزگار
کاٹے ہے باغباں جسے فصل بہار میں

جب محنت سفر نہ تمنا ہوئی حصول
ملک عدم سے آئے عبث اس دیار میں

---

۲۹۳ ۔ خان ، اشرف خان

خان ساماں دیوان سخن وری[1] (سخن ور خوش ساماں)، اشرف خان تخلص خان ، خلف محمد علی خان ابن[2] محمد روشن خان مخاطب بہ روشن الدولہ ۔ وطن اس کے بزرگوں کا شاہجہان آباد ، مولد اس کا لکھنؤ ۔ شاعر غیور ، شہسواریٔ اسپ میں مشہور ، شاگرد میاں مصحفی ، یہ[3] اشعار اس کے زینت بخشِ صحیفہ :

۱- پہلے محمد عیسیٰ تنہا کا شاگرد تھا ، بعد مصحفی سے بہرہ اندوز ہوا ۔

۲- ابن روشن خان . . . .

۳- یہ اشعار اس سے یادگار ۔

رنگ سمجھے ہے مسی سے تری روشن اپنا
منہ تو آیینے میں دیکھے گل سوسن اپنا

الفت میں جفاکار وہ پر فن نظر آیا
سمجھے تھے جسے دوست وہ دشمن نظر آیا

کر دیا غم نے مجھے شوق کمر میں تنکا
ناتوانی سے ہے یہ جسم نظر میں تنکا
سامنے ان کے میں رویا تو وہ ہنس کر بولے[1]
کیا پڑا کوئی ترے دیدۂ تر میں تنکا
زخم ہے خنجر مژگاں کا بنا مت بتی[2]
رکھیو جراح مرے زخم جگر میں تنکا

کھائی جو دل نے ضرب تو میں نے الم کیا
کعبہ گرا خلیل نے اندوہ و غم کیا
جب رنگ گل کو چٹکی سے[3] اس نے اڑا دیا
بلبل نے اپنے سر کو خجالت سے خم کیا
کس ہاتھ پر یہ لائی سیاہی بتا مجھے
اے باغباں جو مہندی کو تو نے قلم کیا

یار دشمن ہے میری[4] صورت کا
کیا برا نام ہے محبت کا

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے ''پٹی'' - (مرتب)
۳- میں -
۴- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے ''تیری'' - (مرتب)

جب سے دل کو دیا نہ پایا چین
ہووے خانہ خراب الفت کا

خاں میاں تم کسی پہ عاشق ہو
طور چھپتا نہیں محبت کا

شب فراق میں اس پر جو کوہ غم ٹوٹا
بڑی خرابی سے عاشق کا تیرے دم ٹوٹا

یہ کس کے موتیوں کے ہار کا تصور تھا
نہ تار گریہ شب غم جو چشم نم ٹوٹا

جو وصف زلف لگا لکھنے[1] میں شکستہ دل
شکن پڑی مرے کاغذ پہ اور قلم ٹوٹا

کھلائیں گے کوئی ہیرا یہ پیارے پیارے دانت
بنائیں گے مجھے فیروزہ اب تمھارے دانت

ہر اک جا تجھے سیم بر دیکھتے ہیں
تجھے دیکھتے ہیں جدھر دیکھتے ہیں

ادھر بھیجیں اپنی خبر کیا بھلا ہم
ادھر سے اسے بے خبر دیکھتے ہیں

ہمیں دیکھ کر وہ چراتا[2] ہے آنکھیں
یہ نالے کا اپنے اثر دیکھتے ہیں

۱- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے ''کہنے''۔ (مرتب)
۲- چڑھاتا۔

لینے بھی دو بلائیں مرے دل کو غم نہ دو
صاحب خدا کے واسطے اپنی قسم نہ دو

لے بوسہ غیر اس در دندان کا واہ واہ
نا قدر جوہری کو تم ایسی رقم نہ دو

کہتا ہے کون کھاؤ قسم ربط غیر کی
رکھ کر علم پہ ہاتھ مجھے تم الم نہ دو

آینہ روؤں کو دیکھے سے ترے شادی ہے
آرسی تو بھی عجب طرح کی شہہ زادی ہے

ناز کی چال سے پامال[1] ہوا جاتا ہوں
آپ کا کچھ نہیں جاتا مری بربادی ہے

خون کس کا نہ ہوا مہندی بھرے ہاتھوں سے
اک جہاں دست ستم سے ترے فریادی ہے

کیوں کر نہ تجھ سے آنکھ چراوے یہ ماہ نو[2]
حلقے دو چشم کے ہیں مقرر ہلال چار

نام تیرا ہے گو کہ اشرف خاں
سب سے بدتر جہان میں تو ہے

---

۲۹۴ ۔ آشفتہ ، محمد ہادی علی خاں

نواب جرار الدولہ محمد ہادی علی خاں بہادر[3] ضیغم جنگ ، تخلص

۱۔ برباد ۔ ۲۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

۳۔ . . . . بہادر تخلص ، آشفتہ ، طبیعت کا شگفتہ ، خلف الصدق مقرب الدولہ مہدی علی خاں ، شاگرد . . .

آشفتہ ؛ ابن مقرب الدولہ مہدی علی خاں ، داماد حضرت فردوس منزل ، شاگرد اشرف خاں - من کلام نواب (بہادر) مذکور :

بزم دل دار میں اغیار کو حیرت ہو جائے
مجھ کو آیینہ دکھانے کی جو خدمت ہو جائے

اب کسی شکل نہیں زیست نظر آتی ہے
اس سے ملنے کی الٰہی کوئی صورت ہو جائے

صورت یار پہ مائل ہے تو **آشفتہ** بہت
یہ نہ ہووے کہ دگرگوں تری صورت ہو جائے

رنج فراق دور ہو دل کامیاب ہو
یارب وصال یار کا مجھ کو شتاب ہو

کیوں گالیوں کا تار یہ باندھا ہے جان من
بوسے زیادہ پائے ہوں تو پھر حساب ہو

ہرگز ملے نہ بادہ کشی کا مجھے[1] مزا
جب تک نہ دست یار میں جام شراب ہو

اے آتش فراق نہ کم ہوجیو کبھی[2]
جل بھن کے جب تلک نہ مرا دل کباب ہو

دل پھنس گیا ہے زلف ستم گار میں مرا
آشفتہ کیوں نہ دل کو مرے پیچ و تاب ہو

۱- . . . . کا مزا مجھے -

۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۲۹۵ - مشفق ، شیخ محمد جان

عرف ممن ، شیخ محمد جان[1] تخلص مشفق[2] ، خلف محمد پناہ ، شاگرد اشرف خاں - منہ :

ہر وقت ہے زیادہ جو اب اضطرار دل
حیراں ہوں کون لے گیا صبر و قرار دل

کھو بیٹھے کوئے یار میں ہم جا کے دوستو
ناموس و ننگ و غیرت و صبر و قرار دل

بھلا کیوں کر میں بھولوں اے شہ خوبی ترے در کو
نہیں لازم گدا کو چھوڑ دینا اپنے بستر کو

پریشاں حال سنبل کا ہوا جاتا ہے غیرت سے
نہ کھولو باغ میں بہر خدا زلف معنبر کو

نہیں ہے آشنا کا آشنا نا آشنا وہ ہے
برا تم نے کیا **مشفق** دیا دل اس ستم‌گر کو

آ بہر خدا، ہاتھ لگا اپنا تو اس کو
اے بت ترے عاشق کا جنازا نہیں اٹھتا

پیغام اجل سے نہیں کم دل کا لگانا
بیٹھا جو درِ یار پہ جیتا نہیں اٹھتا

۱- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے ''شیخ محمد خاں'' -(مرتب)
۲- . . . . مشفق شاگرد . . . .

۲۹۶ - واصف ، حیدر حسن

(کعبۂ ابروے بتاں کا طایف) ، شاعر خوش بیاں ، حیدر حسن تخلص واصف ، شاگرد اشرف خاں - من کلامہ[1] :

فتیلہ آہ کا ہو اور مرے اشکوں کا روغن ہو
بہ رنگ شمع بزم عشق میں جب نام روشن ہو
تمھارے لب پہ خندہ ہو ہمارے لب پہ شیون ہو
جلیں ہم آتش غم سے تمھاری بزم روشن ہو
مرے سوز دروں نے اب تو ایسا سر اٹھایا ہے
کروں گر آہ ، جل کر خاک مہر و مہ کا خرمن ہو
جو گلگشت چمن میں جامہ زیبی اپنی دکھلاؤ
قبائے غنچہ ٹکڑے ہو ، گلوں کا چاک دامن ہو

فصل گل میں ظلم ہے کیا بلبل دل گیر پر
توڑتا ہے دیکھنا صیاد بے تقصیر پر
تشنگی موقوف ہے آب دم شمشیر پر[2]
رزق ہے مقسوم اپنا دانۂ زنجیر پر
اب تلک پایا نہ شوخ سنگ دل میں کچھ اثر
اے جنوں پتھر پڑیں اس آہ بے تاثیر پر
صورت تصویر رہتا ہوں جو حیراں چشم میں[3]
پڑ گئی واصف نظر کس شوخ کی تصویر پر

۱- یہ اس کا بیان -
۲، ۳- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

سنگ غم سے توڑ ڈالی گردش افلاک نے
خاک سے میری جونہی کاسی بنائی چاک نے

---

۲۹۷ ـ فزا ، شیخ محمد بخش

کلام اس کا با مزا ، شیخ محمد بخش تخلص فزا ، شاہ آبادی ، برادر منشی محمد[1] صالح مرحوم ، عمر بست و پنج سال ، علم عربی و فارسی میں مہارت کمال رکھتا ہے ۔ یہ اشعار اس سے یادگار :

گل شاداب ہو شمشاد قد ہو رشک گلشن ہو
چھلاوا ہو ، پری ہو ، حور ہو ، محبوب پر فن ہو

تصور کاکل پیچاں کا رہتا ہے شب فرقت
نہ کیوں کر دل کو الجھن ہو نہ کیوں اعضا میں اینٹھن ہو

خدا کے واسطے اے ماہ تاباں بھول کر آ جا
ہمارا خانۂ تاریک بھی اک رات روشن ہو

دینے لگا وہ گالیاں بوسے کے نام پر
کیا کیا خفا ہوا ہے وہ اتنے کلام پر

اس بادہ نوش نے جو دیا اذن مے کشی
کیا کیا نہ مے کشوں میں[2] لڑائی تھی جام پر

ابرو نے تیرے دل مرا مجروح کر دیا
ہے کیا ہی باڑھ نیمچۂ بے نیام پر

۱- ۔ ۔ ۔ ۔ محمد صالح ، عمر ۔ ۔ ۔ ۔ سال ، شاگرد اشرف خاں ۔ یہ اس سے یادگار ۔

۲- کی ۔

ہم مر گئے ہیں مسی[1] لب ہائے یار پر
چادر بھی سوسنی ہو ہمارے مزار پر

گلشن سے ایک پھول نہ لائی زہے نصیب
ہم کو بڑا بھروسا تھا باد بہار پر

مجھ کو دروازے پہ ٹھہرا کے گیا وہ گھر میں[1]
شکل دکھلائی نہ پھر آن کے یہ دم دیکھا

یاد آیا ہمیں وہ رنگ طلائی کیا کیا
ہم نے بے یار اگر ساہ محرم دیکھا

---

۲۹۸ - باغ ، امام علی

قلم[2] آتش بار اس کی آتش زبانی سے مثل قلم داغ ، موزوں الطبع ، امام علی متخلص بہ باغ ، پسر محمد پناہ ، شاگرد اشرف خاں ۔ یہ شعر اس کے کہ مثل گل ریز شرر بار[3] ہیں ، لکھے جاتے ہیں :

باغ کس کے کان کی بجلی پہ تم بے تاب ہو
آدمی ہو ، برق ہو ، شعلہ ہو یا سیماب ہو

کوئی ہمسرکس طرح ہو حسن میں صاحب بھلا
تم جہاں میں غیرت خورشید عالم تاب ہو

رشک کیا کیا ہو رقیبوں کو وہ محفل دیکھ کر
باغ ہو وہ گل ہو اور جامِ شرابِ ناب ہو

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۲- قلم اس کی آتش زبانی [سے] مثل قلم داغ ، امام علی تخلص باغ ۔
۳- شرر ریز ۔

۲۹۹ - منصف ، شیخ قادر علی

سخن وری[1] سے آگاہ اور واقف ، شیخ قادر علی تخلص منصف ، شاگرد اشرف خاں ۔ من کلامہ :

رخ کو گھونگٹ میں چھپایا جو دکھا کر مجھ کو
صورت برق کیا یار نے مضطر مجھ کو

ہو گا احسان بڑا مجھ پہ یہ ساقی تیرا
مے گل رنگ کا تو دے گا جو ساغر مجھ کو

آینہ رووں سے رہتی ہے مجھے صحبت روز
اے فلک تو نے دیا بختِ سکندر مجھ کو

ساقیا البتہ پھر لطف شراب ناب ہو[2]
جام ہو دریا ہو گل رو ہو شراب ناب ہو (کذا)

---

۳۰۰ - جمیل ، امیر علی خاں

خوش قال و قیل ، امیر علی خاں تخلص جمیل ، شاگرد اشرف خاں ، یہ[3] شعر اس کے ہنر کی دلیل :

بوسے بھی اس کے لیے توڑا مڑوڑا کیا کیا
نکلا ارمان مرا تھوڑا ہی تھوڑا کیا کیا

دل پر درد کو اس خط کا تصور ہے بہت
طالبِ مرہمِ زنگار ہے پھوڑا کیا کیا

۱- شعر گوئی سے . . . .
۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۳- من کلامہ -

کف افسوس ملے کیوں نہ ترا دیوانہ
یاد آتا ہے ترے ہاتھ کا توڑا کیا کیا

ادب لازم ہے میرا بادشاہ ملک وحشت ہوں
وہ مجنوں ہوں کہ قیس آتا ہے میری پیشوائی کو
اسیران قفس اے ہم صفیرو چھوٹے جاتے ہیں
ذرا صیاد سے پوچھو ہماری بھی رہائی کو

---

۳۰۱ - قلزم ، شیخ علی بخش

خوش تکلم ، شیخ علی بخش تخلص قلزم ، شاگرد اشرف خاں ، من کلامہ[1] :

ابھی ہم سے ملا تھا ، مستعد ہے پھر لڑائی کو[2]
ذرا دیکھے تو کوئی اُس کے دیدے کی صفائی کو
نتیجہ دل کے دینے کا یہ پایا ہے پس مردن
لگایا ہاتھ بھی اس نے نہ میری چارپائی کو
کبھیں آیینہ ٹوٹے ، رشک دل سے دور بھی ہووے
کہاں تک روز میں دیکھوں تمھاری خود نمائی کو
ہمارا امتحاں پہلے تجھے لازم ہے ، عاشق ہیں
اگر آیا ہے مقتل میں صنم تیغ آزمائی کو

۱- یہ اس سے یادگار ـ
۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ـ (مرتب)

برا ہو سخت جانی کا کیا کیا خجل اس نے[1]
تھکے قاتل کے شانے اور ہوا صدمہ کلائی کو

وہ رزاقِ جہاں ہے رزق دیوے گا مجھے قلزم[2]
ہوا گوشہ نشیں اس واسطے، چھوڑا گدائی کو

---

۳۰۲ ـ ساحل، گوہر علی

شناور بحر شاعری، گوہر علی عرف گوہری، تخلص ساحل، شاگرد[3] اشرف خاں ـ من کلامہ:

کہاں کا دشمن جاں ہے یہ باغباں میرا
وہ شاخ کاٹی کہ تھا جس پہ آشیاں میرا

حیا نہ آئی تجھے کچھ بھی اے سگِ دل دار
ہما کو کھانے دیا تو نے استخواں میرا

پس از فنا بھی نہ اس زلف کا خیال گیا
ہوا ہے کنگھیوں میں صرف استخواں میرا

نہ صبر ہے شب غم میں نہ نیند آتی ہے
کدھر گیا ہے الٰہی وہ نوجواں میرا

بہار باغ کی دو دن تو[4] سیر کرنے دے
ابھی سے دل نہ کڑھا موسمِ خزاں میرا

۱- دونوں نسخوں میں یہ مصرع سہو کتابت سے اس صورت میں ہے:
برا ہو سخت جانی کا کیا کیا خجل اس نے۔ (مرتب)

۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں۔ (مرتب)

۳- شرف سخن گوئی اشرف خاں سے حاصل۔

۴- کی۔

انگوٹھی اُس دریکتا نے دی تھی قاصد کو
گیا تھا ڈاک میں ساحل جو خط وہاں میرا

---

۳۰۳ - شجر ، لالہ گرو داس

مرد سخن‌ور ، لالہ گرو داس تخلص شجر ، شاگرد اشرف خاں ، یہ اشعار اس سے یادگار :

اپنی زلفیں چھپاؤ گے کب تک
مجھ کو وحشی بناؤ گے کب تک

زلف جاناں یہ مجھ سے کہتی ہے
دام میں تم نہ آؤ گے کب تک

خیر بوسہ لیا قصور ہوا
گالیاں تم سناؤ گے کب تک

کان کی بجلیاں دکھاؤ بھی
مجھ کو بالا بناؤ گے کب تک

محرمِ راز ہوں تمھارا میں
مجھ سے محرم چھپاؤ گے کب تک

آوے اس دن ، **شجر** سے کہہ دو یہ
سیر کو باغ جاؤ گے کب تک

---

۳۰۴ - رسا ، شیخ محمد بخش

آرائش سخن کا کارفرما ، شیخ محمد بخش تخلص رسا ، شخص بامروت ، اہل ہمت ، موافق ظاہر ، یار و آشنا سے حاضر ، (صاحب مشاعرہ ، بامزا) ، شاگرد اشرف خاں ، یہ اشعار اس سے یادگار :

مل گئے غیر سے تم ، تم کو صنم دیکھ لیا
بس جی بس جائیے ، سب قول و قسم دیکھ لیا
کبھی نالے کبھی آہیں کبھی رونا کبھی غل
شب فرقت کا بہت جور و ستم دیکھ لیا

کس کے ذقن نے ہائے یہ بیمار کر دیا
صدقہ بتایا ہے جو منجم نے سیب کا

تم سے جو مزاج دل شیدا نہیں اٹھتا
اچھا نہیں اٹھتا ہے تو اچھا نہیں اٹھتا
دوری کا تری دل سے تو صدما نہیں اٹھتا
یہ کوہ گراں اے بت رعنا نہیں اٹھتا
خوں ریز وہ مشہور جہاں میں ہے ولیکن
قاتل سے مرے قتل کا بیڑا نہیں اٹھتا
تو دیکھ نزاکت مرے مے نوش کی ساقی
محفل میں کبھی ہاتھ سے مینا نہیں اٹھتا
درگذرے ہم اس چاہ سے در گور تمہارے[1]
ہر روز تو سرکار کا غصا نہیں اٹھتا
تسلیم کو حاضر ہیں بہت دیر سے ہم تو
مغرور یہ ہو ہاتھ تمہارا نہیں اٹھتا
ڈوبا ہے مگر عاشق جاں سوز تمہارا
بے وجہ دھواں یہ لب دریا نہیں اٹھتا

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

اتنا تو کرم کر کہ ذرا ہاتھ لگا دے
بن تیرے صنم میرا جنازا نہیں اٹھتا

مارا ہے کجی نے تری زلفوں کی ستم گر[1]
جو خاک سے میری ہی بگولا نہیں اٹھتا

کس طرح رسا پیچ نہ کھائے دلِ وحشی
ہرگز ستمِ زلفِ چلیپا نہیں اٹھتا

داغ دل کو شمع ساں فرقت میں روشن کر دیا[2]
آتش غم نے مرے سینے کو گلخن کر دیا

شعلۂ برق تری تاب سے اے یار گھٹا
تیری زلفوں کی سیاہی سے گئی ہار گھٹا

---

۳۰۵ - شور ، مرزا آغا علی

ورزش سخن سے شہ زور ، مرزا آغا علی تخلص شور ، ساکن فیض آباد ، شاگرد اشرف خاں ، من کلامہ[3] :

جی چاہتا ہے تم کو گلے سے لگائیے
اس بھولی شکل کے قربان جائیے

آہوں نے میری طور کو جا کر جلا دیا
نالوں نے میرے برق کو بالا بنا دیا

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- یہ اور اس کے بعد کا ایک شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۳- یہ اس سے یاد ہے -

۳۰۶ - ذوق ، شیخ عبداللہ

موزونیت کا شوق ، (شیخ) عبداللہ تخلص ذوق ، پسر چودھری وزن کشان ، شاگرد (میاں) مصحفی۔ ارباب انصاف سے یہ احقر دادطلب ہے کہ میاں صاحب نے اپنے تلامیذ کو موافق اس[1] (کذا) کی حیثیت کے رقم فرمایا ہے اور میں نے بعض کو بطور پہیلی اور چیستاں کے لکھا ہے ، اس پر بھی وہ[2] بنے ہوئے اشراف مجھ سے ناصاف ہیں۔ المختصر یہ اشعار ذوق کے (یادگار ہیں) :

ہمارے ہم صفیروں کے پڑے ہیں
پس دیوار گلشن پر ہزاروں

یہ لاشہ کس کا ہے قاتل کھڑے ہیں
کمر بستہ جو شیون پر ہزاروں

کیا تھا ذبح کس کو ، قطرۂ خوں
پڑے ہیں تیرے دامن پر ہزاروں

ہم سے محفل میں کیا اس نے نہاں کیا کیا کچھ[3]
رات بھر ہم نے کیے دل میں گماں کیا کیا کچھ

ایک ہووے تو اسے دیویں ہم اے یار جواب
ہم کو کہتا ہے ہر اک پیر و جواں کیا کیا کچھ

۱- . . . اس کے نسب کے فرمایا (کذا) ہے - . . .
۲- یہ -
۳- اس زمین کے دونوں شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

گور پہ وہ جس کی ذرا ہو گئے
سینکڑوں واں فتنے بپا ہو گئے
عشق میں ہم تیرے صنم جوں ہلال[1]
خلق میں انگشت نما ہو گئے
برسر رحم آ تو گیا رات یار[2]
عقدۂ دل سب مرے وا ہو گئے
بہر تماشا جو گئے **ذوق**، سفت
ہم ہدفِ تیرِ بلا ہو گئے

چلنے سے پاؤں جب رہ الفت میں تھک گئے
ہم راہی سارے چھوڑ کے ہم کو سرک[3] گئے
بیداری کا کریں شب ہجراں کی کیا بیاں
آگے ہمارے دیدۂ انجم جھپک گئے
پیچھا چھڑانا ہو گا تجھے اے فلک محال
دامن میں تیرے خار سے جب ہم اٹک گئے
اس رشک گل کی آن و ادا دیکھ باغ میں
مرغ اسیر کنج قفس میں پھڑک گئے

---

۳۰۷ - ذاکر، شیخ بشارت اللہ

نیک شاعر، (خوش ظاہر، شیخ) بشارت اللہ تخلص ذاکر، قوم قدوائی، ساکن بسوہ، شاگرد میاں مصحفی - من کلامہ:

۱- عشق [میں] تیرے بسان ہلال -
۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۳- سٹک -

دیکھی جو اس کے ابروئے خم دار کی شبیہ
آنکھوں میں اپنی پھر گئی تلوار کی شبیہ

تری چشم شوخ سے کب بشر کوئی اپنی آنکھ ملا سکے
جو نگاہ بھر تو نظر کرے تو پری بھی پر نہ ہلا سکے[1]

---

۲۰۸ - حاذق ، حکیم شاہ عالم خاں

(مسیحائے خلائق) ، حکیم شاہ عالم خاں تخلص حاذق ، ولد مولوی محمد عالم ، قوم افغان یوسف زئی ، شاگرد[2] میاں مصحفی -
من کلامہ :

خود بخود تو جو ہوا آج پشیماں ایسا
کام کیا تجھ سے ہوا اے دل ناداں ایسا

سنبل زلف بتاں کو نہ رہی تاب نگاہ
ان دنوں حال ہوا اپنا پریشاں ایسا

---

۳۰۹ - واجد ، شیخ محمد بخش

طبیعت چست ، خمیرہ[3] اس کے سخن کا درست ، (مرد خوش عقائد) ، شیخ محمد بخش تخلص واجد ، شاگرد میاں مصحفی[4] طرز ایہام اس کی ہم دم اور استاد کو اس سے رغبت کم - یہ چند شعر اس سے یادگار :

۱- نسخۂ انجمن میں ذاکر کے بعد مہدی علی خاں مہدی کا ترجمہ ہے - (مرتب)

۲- شاگرد مصحفی -

۳- خمیر -

۴- . . . . مصحفی ، یہ اشعار دھواں دھار اس سے یادگار -

لکھا ہے ہر غزل میں میں نے مضموں چشم گریاں کا
بجا ہے گر ہو تار اشک سے شیرازہ دیواں کا

عیاں کر پنجۂ غم آفتاب داغ سینہ کو
کہ ہووے صرف چاک صبح تار اپنے گریباں کا

ضرر مینائے دل کو کیوں نہ ہو ان نرم رویوں سے[1]
رگ سنگ صنم ہر تار ہے زلف پریشاں کا

تڑپ کر کاٹتا ہے شب جو تیغ یار کا زخمی
بیاض صبح کرتی ہے اثر پیدا نمک داں کا

مری زنجیر میں موج رم آہو کا عالم ہے
نگہبان اسیری ہو گیا رہبر بیاباں کا

مرا شہرہ ہے طور چرخ پر آتش زبانی کا
صریر کلک کو دعویٰ ہے بانگ لن ترانی کا

جنوں اک طفل مکتب ہے میں وہ شوریدہ شاعر ہوں
رمِ آہو ہے مضموں میرے صحرائے معانی کا

تصور یار کا میری نگہبانی میں ہے ہردم
یہاں تک مرتبہ پہنچا ہے اس کی بدگمانی کا

اس بت کو غم ہوا نہ مرے دل کے داغ کا
کافر کو کب ہے پاس حرم کے چراغ کا

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

نغمہ سنجی نے مری پھیلائی بوئے بے خودی
ہم صفیروں کو ملا ساغر لب خاموش کا
عشق نے مجھ کو کیا **واجد** شہ دیوانگی
افسر مجنوں ہوا رتبہ مری پاپوش کا

یہ دل وحشی جو پابند بتاں ہو جائے گا
دیدۂ آہو چراغ کارواں ہو جائے گا

---

۳۱۰ - کیواں ، مرزا مغل

سحر بیاں ، مرزا مغل تخلص کیواں ، شاگرد[1] شیخ واجد ، یہ شعر اس سے یادگار :

قدرت حق سے عجائب گلستاں پیدا ہوا
خاک کیا شے تھی کہ جس سے یہ جہاں پیدا ہوا
سچ ہے مل سکتا ہے ہر جیسے کو تیسا دہر میں
ناقۂ لیلیٰ کا مجنوں سارباں پیدا ہوا
ہر سحر ہنگامۂ محشر ہے کوے یار میں
وہ ادھر نکلا آدھر شور فغاں پیدا ہوا

یاد میں زلف صنم کی سو گیا **کیواں** جو میں
خواب میں میرا گل شبّو سے دامن بھر گیا

۱- شاگرد واجد ، منہ -

صبح دم وہ بام پر سے منہ دکھا کر رہ گیا
آفتاب حشر اک نیزے پہ آ کر رہ گیا

لکھ سکا ذرہ نہ وہ میری مصیبت کا بیاں
لوح کاغذ پر قلم آنسو بہا کر رہ گیا

تھا خم شمشیر قاتل طاق مسجد کی شبیہ
سجدہ کرنے کے لیے میں سر جھکا کر رہ گیا

---

۳۱۱ - اظہر ، شیخ امین احمد

خوش سخن ور ، شیخ امین احمد تخلص اظہر ، شاگرد محمد بخش واجد ۔ یہ[1] بیتیں اس سے یادگار :

سوزش داغ جگر یوں ہی رہی گر بعد مرگ
شمع ساں روشن مرا ہر استخواں ہو جائے گا

شکل اس آیینہ رو کی دیکھی ناصح نے اگر[2]
محو حیرت بن کے وہ آیینہ ساں ہو جائے گا

---

۳۱۲ - مسرور ، شیخ پیر بخش

(شاعر معروف ، سخن ور مشہور) ، شیخ پیر بخش تخلص مسرور ، ولد حکیم حیات اللہ ، متوطن[3] قصبہ کاکوری ، شاگرد میاں مصحفی ۔ کلام اس کا مرہم ریش عشق بازاں بلکہ ولولہ افگن خاطر محبوباں ، یہ اشعار اس سے یادگار :

۱- یہ اس سے یادگار ۔
۲- شکل اس آیینہ رو کی دیکھے گا ناصح اگر۔
۳- ساکن ۔

گر دست جنوں کی یہی چالاکی ہے **مسرور**
تربت میں بھی ثابت نہ رہے گا کفن اپنا

تربت پہ مری کوئی صنم خانہ بنا دو
معلوم کریں تاکہ اسے عشق بتاں تھا

کون سی بخت سیہ پر ہے بلا آئی ہوئی
زلف اس کی کچھ نظر آتی ہے بل کھائی ہوئی

اس کشتۂ دیدار کے اوسان تو دیکھو
جو ذبح کے دم تک سوے قاتل نگراں تھا

اس صفائی کی مری جاں تری پیشانی ہے[1]
مہِ تاباں کو جسے دیکھ کے حیرانی ہے

چتون تو لگاوٹ کی نظر آتی ہے مجھ کو
پر زلف سیہ دیکھ کے بل کھاتی ہے مجھ کو

اپنے بیگانے ہوئے بیزار تیرے واسطے
یہ ستم ہم نے اٹھایا یار تیرے واسطے

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

کیا ہے اس نے کشتہ ، نکلے جب تیغ آزمائی کو
درِ قاتل پہ رکھ دینا ہماری چارپائی کو

خوشامد منہ پہ کرتے ہیں برا کہتے ہیں وہ پیچھے
کہوں کیا ایسے یارانے کو ، ایسی آشنائی کو

بتانا ہاتھ میں ڈالا ہے اس نے جی دھڑکتا ہے
کہیں صدمہ نہ پہنچے یار کی نازک کلائی کو

وہ کھولے وصل کی شب کس طرح سے بند محرم کا[1]
حیا کہتی ہے فرماؤ نہ کام اس بے حیائی کو

ہزاروں حسرتیں مردہ لیے بیٹھے ہوئے ہیں ہم
غمی کا بوریا سمجھو ہماری اس چٹائی کو

نہ مجھ کو خون رلواؤ نہ مجھ کو خون رلواؤ
دکھا دیجے دکھا دیجے ذرا دست حنائی کو

لب شیریں نے اس کے عمر بھر ہیں ہونٹ چٹوائے
بھلا **مسرور** جی چاہے نہ کیوں ایسی مٹھائی کو

---

۳۱۳ - بہتر ، میر اشرف علی

خوش سخن ور ، میر اشرف علی تخلص بہتر ، شاگرد[2] پیر بخش مسرور ، یہ اشعار اس سے یادگار :

بھولے بسرے کبھی تشریف نہیں لاتے ہو
اب تو دیدار کو بھی تم ہمیں ترساتے ہو

وعدہ آنے کا کسی اور کے ہو گا شاید
بیٹھنے سے مرے تم آج جو گھبراتے ہو

۱- یہ اور اس کے بعد کا ایک شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- شاگرد مسرور ، یہ اس سے مشہور -

قول و قرار اگلے وہ کیا ہو گئے
ہم سے جو یک بار خفا ہو گئے

دیکھ کے اس جعد سیہ رنگ کو
ہم تو گرفتار بلا ہو گئے

تیرگیٔ بخت سے بہتر ہم آہ[1]
محو سرِ زلف دوتا ہو گئے

چرخ نیلی کے نہیں خوش آتے ہیں اختر مجھے
جب سے آیا ہے نظر اس کان میں گوہر مجھے

رات دن رہتا ہے اے بہتر یہی مجھ کو خیال
کام وہ کیجے کہ جس سے سب کہیں بہتر مجھے

---

۳۱۴ - اظہار ، محمد وارث

پیر جواں شعار ، محمد وارث تخلص اظہار ، ابتدا میں شاگرد مسرور کا تھا ، درمیان میں میاں مصحفی سے بہرہ اندوز ہوا[2] ، بعد میاں صاحب کے پھر رجوع مسرور کی طرف لایا ۔ باوجود نوکری گاؤ خانہ کے کلام[3] اس کا چھکڑا اور پیری سے ٹھنڈا نہیں ۔ یہ شعر اس سے یادگار :

نکلتے ہی جاں تن سے کیا ہو گئی
ہوا کی طرح سے ہوا ہو گئی

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۲- رہا -

۳- . . . . کلام اس کا چھکڑا - یہ اشعار اس سے یادگار ہیں ، لکھے جاتے ہیں -

شب تار جب اس کا آیا خیال
تری زلف کافر بلا ہو گئی
شریک مصیبت نہیں ہے کوئی
مری جان مجھ سے جدا ہو گئی
چمن میں لڑانے لگی تجھ سے آنکھ[1]
یہ نرگس بڑی بے حیا ہو گئی
لگا چلنے جب کاروان بہار
صدا گل کی بانگ درا ہو گئی

چشمۂ بے فیض ہے اس شوخ کا چاہ ذقن
کیا پیاسا جائے اس پر جو کنواں بے آب ہو
ناتواں ہوں تو ہی پہنچا دے در دلدار تک[2]
کون اے باد صبا منت کش احباب ہو
رات کو سوتے ہوئے دیکھا ہے ساتھ اپنے اسے
یا الٰہی آج تو سچا ہمارا خواب ہو

کسی شب کو تو آ کر جلوہ گر وہ شوخ پُر فن ہو
ہمارے خانۂ تاریک میں بھی شمع روشن ہو
میں وہ بے کس مسافر وادیٔ غربت میں ہوں یارو
کہ جس کو لوٹ کر دل میں پشیماں اپنے رہزن ہو

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۲- ناتواں ہوں میں تو پہنچا دے در دل دار تک

کروں وہ گرم نالے کوچہٴ دل دار میں[1] جا کر
پھادوں موم کی مانند گر دیوار آہن ہو

رسائی اس کے دربانوں سے یہ اظہار اپنی ہے
پہنچ جاتے ہیں ہم اس تک اگرچہ لاکھ قدغن ہو

میرے رونے پہ ہوا کہہ کے یہ خنداں کوئی
ایسا بے صبر بھی دیکھا نہیں انساں کوئی

شبنم و گل کا تماشا ہے تری محفل میں
کوئی خنداں ہے صنم اور ہے گریاں کوئی

زلف کو رخ پہ کرے گا جو پریشاں کوئی[2]
پھاڑ ڈالے گا ابھی اپنا گریباں کوئی

آرسی میں نہیں معلوم نظر کیا آیا
صورت آینہ بیٹھا ہے جو حیراں کوئی

بل پہ بل کھاتی ہے ناحق تو سیہ بختوں پر
پیچ پڑ جائے نہ اے کاکل پیچاں کوئی

---

۳۱۵ - شاداں ، شیخ نبی بخش

خوش بیان ، شیخ نبی بخش تخلص شاداں ، شاگرد پیر بخش مسرور ، من کلامہ[3] :

ایک اشارے ہی میں اغیار کے اٹھ جاتے ہو
لاکھ منت سے کبھی میرے جو گھر آتے ہو

خون بہانا تمھیں شاید ہے کسی کا منظور
ہاتھ میں تب تو حنا غیر سے لگواتے ہو

۱- . . . . میں یارو
۲- یہ شعر نسخہٴ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۳- یہ اشعار اس شاعر سے یادگار ہیں -

میں تمھیں ذبح کے دم دیکھوں ہوں کس حسرت سے
قہر ہے اس پہ بھی تم رحم نہیں کھاتے ہو

کچھ اس کی فن عشق میں توقیر نہیں ہے
جس شخص کی گردن تہِ شمشیر نہیں ہے
کیا خاک خوش آئے مجھے عالم کا مرقع
پیش نظر اس شوخ کی تصویر نہیں ہے

---

۳۱۶ - بارش ، شیخ غلام حیدر

شیخ غلام حیدر تخلص بارش ، شیخ[1] پیر بخش مسرور کی شاگردی پر انھیں نازش ۔ من کلامہ :

باہر دہن سے اے دل نالاں نہ آہ ہو
مر جائیے پہ یار پہ ظاہر نہ چاہ ہو
خط بھیجنا ضرور مجھے روز یار کو
قاصد لٹے بلا سے کبوتر تباہ ہو

پہنچوں اڑ کر ہند سے میں روضۂ شبیر پر
ایسے اے خالق کرے پیدا مری تقدیر پر
کتنے بیکل ہو رہے ہیں دیکھ ہیکل اے پری
کتنے دیوانے ہیں منت کے تری زنجیر پر

غم سے خالی نہیں ہے اہل گلستاں کوئی
سو پریشاں ہے کوئی چاک گریباں کوئی

۱- شاگرد مسرور بے سعی و سفارش ، یہ امں سے یادگار ۔

گیسو پھر ان دنوں ہیں[1] بہت پیچ و تاب پر
کچھ لائیں گے بلا دلِ خانہ خراب پر

شاید یہ نامہ بر ہے کسی بے قرار کا
جاتا ہے مارتا جو کبوتر شتاب پر

فکر میانِ یار نے ایسا کیا ہے زار
یاروں کو میں نظر نہ پڑا فرش خواب پر

امڈی ہے خلق دیکھنے اے شہسوار حسن
عالم ہے ماہ عید کا تیری رکاب پر

---

۳۱۷ - شفق ، مرزا بندہ علی[2]

صاحب[3] عقل و شعور و اہل حق ، مرزا بندہ علی تخلص شفق ، شاگرد پیر بخش مسرور - من کلامہ :

آتی ہے گور میں جو صدا تیشے کی مجھے
شاید مرے مزار سے ہے کوہکن قریب

سیراب آب تیغ سے تو نے کیا انھیں[4]
لب تشنگاں سے تھا ترا چاہ ذقن قریب

سو بار پھٹے گا یہ مرے دست جنوں سے
ناصح نے گریباں جو سلایا تو ہوا کیا

۱- دونوں نسخوں میں سہو کتابت سے "ہے" - (مرتب)
۲- رک : شاعر ۲۸۰ - (مرتب)
۳- مرد دین دار و اہل حق ، مرزا . . . . . شفق ، واہ رے شوق شعر کہ شصت سال میں شاگرد مسرور کے ہوے - پہلے شاید مصحفی کے شاگرد تھے - من کلامہ -
۴- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

دل کو تو ترے کوچے میں ہم چھوڑ چلے ہیں
اسباب سفر یاں سے اٹھایا تو ہوا کیا

---

۳۱۸ - ثمر ، مرزا علی

نیک[1] سخن ور ، مرزا علی تخلص ثمر ، شاگرد میاں مصحفی ، یہ اشعار اس سے یادگار :

جستجو دل کی عبث گیسوئے خم دار میں ہے
چیز گم گشتہ کہیں ملتی شب تار میں ہے

ہو دم نالہ کشی دیکھیے کیا شعلہ بلند[2]
برگ گل تو ابھی بلبل تری منقار میں ہے

شکل وصل آئی نظر آیینۂ فولاد میں
زندگیِ خضر پائی[3] خنجرِ جلاد میں

اس نے نور آگیں تری تصویر کھینچی جو صنم
خامۂ مو بن گیا خور پنجۂ بہزاد میں

آہ موزوں پر ہماری کیوں نہ قمری جان دے
پائے رعنائی کہاں یہ قامتِ شمشاد میں

خاک جو ہم بعد فنا ہو گئے
بار گراں تجھ پہ صبا ہو گئے

بخیہ گری کا یہ ہوا شوق اسے
لاکھوں گریبان فنا ہو گئے

۱- منظور ارباب نظر ، مرزا علی تخلص ثمر ، منہ۔
۲- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے ''بند'' - (مرتب)
۳- دونوں نسخوں میں ''پائی'' کی بجائے ''یہ ہے'' لکھا ہے - یہاں ریاض الفصحا کے مطابق تصحیح کی گئی ہے - (مرتب)

اس کے جو رخسار سے پردہ اٹھا
شمس و قمر دیکھ فدا ہو گئے

۳۱۹ ـ ہنر ، مرزا مغل

(ہنر مندوں کا منظور نظر) ، مرزا مغل تخلص ہنر، برادر مرزا علی ثمر ، شاگرد میاں مصحفی ، من کلامہ :

شب رقص کی محفل میں لیا چھین دل اس نے
تھی گات غضب اس کی اور انداز ستم تھا

اک تیرے نہ آنے سے مری جان پہ ظالم
میں کیا کہوں جو کچھ کہ قلق[1] نزع کے دم تھا

۳۲۰ ـ ہلال

ہلال ، اول شاگرد میر دوست علی زلال ، بعد ازاں شاگرد مصحفی ، یہ [2]بیتیں اس کی :

تم جو سحر جلوہ نما ہو گئے
آیینہ خانے کی جلا ہو گئے

مانگ کا مضموں جو لگا سوچنے
بال مرے حق میں بلا[3] ہو گئے

۳۲۱ ـ جاہ ، محمد ابراہیم

کلام[4] میں ایک فصاحت ، سخن میں چوڑی کی نزاکت ، صاحب

۱- ستم ـ
۲- یہ دو بیت اُس کی ـ
۳- ہما ـ
۴- کلام میں اس کے فصاحت ، شیشے کی نزاکت ـ صاحب . . .

دست گاہ ، محمد ابراھیم (تخلص) جاہ ، شاگرد[1] میاں مصحفی :

زنجیر کا ہو کہ زلف کا ہو
وحشت کوئی تو سلسلا ہو[2]

دل مورد صد غم و بلا ہو
لیکن نہ کسی پہ مبتلا ہو

مٹ جائے مرا طلسمِ خاکی
یہ نقشِ فنا کہیں فنا ہو

آرام سے ہم لحد میں سوئے
اے خواب اجل ترا بھلا ہو

درویش ہوں گر برا کہیں وہ
اپنی تو صدا یہ ہے بھلا ہو

اس دل کی کشش سے کھینچ مانی
تصویر صنم جو کھینچنا ہو

خورشید چڑھے نہ منہ پر اس کے[3]
ہر چند کہ چرخ پر چڑھا ہو

عاشق مزۂ وفا سے گزرے
معشوق اگرچہ بے وفا ہو

بے کار نہ جان اس کو قاتل
جو صورت تیغ بجھ گیا ہو

۱- شاگر مصحفی ، یہ اس سے باقی -

۲- دونوں نسخوں میں یہ مصرع اسی طرح ہے ، ممکن ہے اصل میں یوں ہو : وحشت کا کوئی تو سلسلا ہو - (مرتب)

۳- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

میں سیف[1] زباں ہوں جاہ میرا
دشمن تہ تیغ مرتضیٰ ہو

۳۲۲ - عدل ، شیخ فضل رحمان

شاعر[2] خوش زبان ، شیخ فضل رحمان عدل تخلص ، شاگرد میاں مصحفی ، یہ اس سے یادگار :

دل میں آتا ہے کہ اب محتسب و قاضی کو
جمعہ کے روز لڑا دیجیے پالی کیجے

۳۲۳ - شعور ، عبدالرؤف

شاعر[3] مشہور و معروف ، شیخ عبدالرؤف تخلص شعور ولد شیخ حسن رضا ، وطن قصبۂ بلگرام ، ذہن اس کا رسا ، طرز سخن ایہام ، کلام میں بلاغت تمام ، ثابت راہ و رسم آشنائی ، شاگرد رشید میاں مصحفی - یہ اشعار اس سے یادگار :

کرے حمام پہنے جان جاں پوشاک و زیور کو
کیا ہے آتش یاقوت نے گرم آب گوہر کو

ملا ہے رتبۂ روح الامیں اس کے کبوتر کو
نسیم خلد سمجھا میں ہوائے جنبش پر کو

لب شیریں کے بوسے کی حلاوت جس نے چکھی ہے
ہوا یہ بدمزا تھوکا زباں پر رکھ کے شکر کو

۱- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے ''صیف'' - (مرتب)
۲- شاعر خوش بیان ، شیخ فضل رحمان تخلص عدل ، شاگرد مصحفی ، یہ بیت اس کی -
۳- ایہام گو ، معنی بند معروف . . . ذہن اس کا رسا ، کلام میں . . .

تمھارے حسن کا وہ مرتبہ ہے بت لہو تھوکیں[1]
اگر خورشید تاباں لعل کر دیتا ہے پتھر کو

سمجھ نشو و نمائے اہل جوہر مدعائے دل
نہ تھی منظور آیینے سے خود بینی سکندر کو

تری مشاطہ کی وحشت بھی اے بت جائے حیرت ہے
لگایا سر پہ آیینے کو جب پایا نہ پتھر کو

نہیں ہے درد مندوں کو غرض اسباب راحت سے
اڑی جب نیند فرقت میں کروں کیا تکیۂ سر کو

وبال گریۂ عاشق ہے خط پشت لب اے بت
رطوبت موسم باراں میں کردے سبز شکر کو

مخالف جان آسے جو ناموافق ہو طبیعت سے[2]
کہ آب زندگانی تیغ بـرّاں ہے سمندر کو

توبے کی بوند ہو کیوں کر نہ اس کے کان کا موتی[3]
جلایا آتش رخسار نے آیینے کے گھر کو

گلستاں کا ورق ہے جس کا مکتوب بہاریہ
کرے گا معجزے سے نامہ بر اپنا صنوبر کو

خدا ہمت جو دے کیا کم ہے اعجاز و کرامت سے
ید بیضا سمجھ دست کرم میں سکۂ زر کو

گماں ناتواں بینی بجا ہے تیغ عریاں پر[4]
غبار کوئے قاتل توتیا ہے چشم جوہر کو

شعور خستہ ناحق ہے تمنا عیش دنیا کی[5]
سمجھ دوران سر اس میکدے میں دور ساغر کو

۱تا۴- یہ شعار نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۵- شعور خستہ ہے ناحق تمنا . . . .

کلفت میں خانہ باغ بھی زنداں نظر پڑا
سامان عیش رنج کا ساماں نظر پڑا

صد شکر بعد سال کے جاناں نظر پڑا[۱]
رشک ہلال عید گریباں نظر پڑا

وحشت کدے میں اس دل ویراں کو رات بھر
گھر کا چراغ غول بیاباں نظر پڑا

اے کاش دل کو عشق حقیقی سے راہ ہو
دریاے معرفت میں یہ کشتی تباہ ہو

رونے پہ چشم تر کو مرے گر نگاہ ہو
تختہ زمیں کا صورت کشتی تباہ ہو

یوسف رخوں کا گرچہ ہوا پر دماغ ہے
پانی بھریں ضرور اگر میری چاہ ہو

کثرت شمار زر کی کرے انگلیاں کبود
کیا ہے عجب دنی کا اگر دل سیاہ ہو

ہوں شکل خار مستحق خلعت بہار
گل کی قبا ہو غنچۂ دل کی کلاہ ہو

ناسور زخم عشق کرے کام خضر کا[۲]
سبزے کا تاکہ تیرے لیے شاہ راہ ہو

نقطہ بڑھایا چہرے پہ سرمے کے خال نے
تا حسن سے تباہ جو چاہے تباہ ہو

۱، ۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

یا سرفراز کیجیے یا قتل کیجیے
وارفتۂ جمال کی کوئی تو راہ ہو

بخشش کی وجہ کثرت عصیاں ہے اے شعور
تعزیر کی بھی حد ہو[1] جو حصر گناہ ہو

آینہ کرتا ہے تحسیں آہ کی تاثیر پر
ہو گیا معشوق مائل عاشق تصویر پر

دم پھڑکتا ہے لب جاں بخش کی تقریر پر
کیوں نہ آیینے میں جھاڑے طوطیِ تصویر پر

(گورے گالوں سے ترے لپٹے ہے یوں زلف سیاہ
جس طرح گرتا ہے بھوکا سانپ جام شیر پر)

خون بسمل سے کرے جو مشق خط شمشیر پر[2]
کیوں نہ ہو وہ معترض حداد کی تحریر پر

قتل عاشق پر جوانی میں کمر باندھے گا وہ
پارہ رکھتا ہے جو طفلی میں دم شمشیر پر

بعد قتل عاشقاں ہوتی ہے جب صیقل وہاں
گدیاں لخت جگر کی پھرتی ہیں شمشیر پر

بے گنہہ کو قتل کر کے صورت سنگ فساں
رقص کرتی ہے کٹوری قبضۂ شمشیر پر

شدت تپ کا برا ہو بھاڑ میں جائے جنوں
گندم بریاں کا شک ہے دانۂ زنجیر[3] پر

۱- ہے ۔
۲- یہ اوراس کے بعد کا ایک شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۳- دونوں نسخوں میں سہو کتابت سے ''تحریر'' ۔ (مرتب)

جب لکھا میرے قلم نے گریۂ فرقت کا حال
ہو گیا نیزوں ہی پانی ماہیِ خوگیر پر
(جو لکھا قسمت کا ہے وہ مٹ نہیں سکتا **شعور**
کون دے اصلاح خطِ کاتب تقدیر پر)

---

۳۲۲ - کامل ، احمد علی[1]

مرد قابل[2] ، مولوی احمد علی تخلص کامل ، مقیم کان پور - شاگرد شعور ، یہ اشعار اس سے یادگار :

رخ پر نقاب ڈالے ہوئے وہ حیا سے ہے
شکوہ شب وصال بھی اس دل ربا سے ہے[3]

تا انتہاے عمر یہ عادت نہ جائے گی[4]
شوق نظارہ بازی مجھے ابتدا سے ہے

پہنچا دے کوئے یار تلک میری خاک کو
اتنی یہ التجا مری باد صبا سے ہے

تکرار کیا مقدمۂ وصل میں کروں
انکار یار کو سخن مدعا سے ہے

زندہ ہے تیرے لطف سے اے بت تمام خلق
تجھ کو غرور اپنی خدائی کا جا سے ہے

۱- نسخۂ انجمن میں ترجمۂ کامل ، شعور اور لئیق کے بعد ہے - (مرتب)

۲- خوش شمائل ، مولوی . . . . . کامل ، شاگرد عبدالرؤف شعور ، مقیم کان پور - یہ اشعار . . . . . .

۳- شکوہ شب وصال یہی دل ربا سے ہے

۴- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

(کس طرح پاس بیٹھے ہمارے وہ طفل شوخ
اس کو گریز صحبت اہل وفا سے ہے
یا رب نصیب سایۂ دیوار یار ہو
بہتر یہ سایہ سایۂ بال ہما سے ہے)
کیا پوچھتے ہو حال دم نزع دوستو
کامل کی اب تو لو لگی اپنے خدا سے ہے

۳۲۵ - لئیق ، محمد ظہور الدین

کلام[1] اس کا دقیق ، محمد ظہور الدین (تخلص) لئیق(ولد شیخ نجم الدین احمد) ساکن کاکوری ، شاگرد عبدالرؤف شعور - من کلامہ :

جو نکلا خط تو اس صیاد نے پرواز کے ڈر سے
کیا پر بند مرغ حسن کو زلف معنبر سے
دکھا کر قدِ آدم آینہ اس کو برابر سے
ملایا ہم نے مصرع ، مصرعِ قدِ سمن بر سے
عداوت بعد مردن بھی چلی جاتی ہے قاتل کو
کہ خنجر تیز کرتا ہے مرے مرقد کے پتھر سے
وہ بدقسمت ہوں اے ساقی دعائے اجر جب مانگی[2]
تو پتھر آسماں سے شیشۂ دل پر مرے برسے
زمیں ہر بیت روشن کی ہے اعلیٰ چرخ اخضر سے
مرا مطلع لڑا ہے مطلع خورشید انور سے

۱- نسخۂ انجمن میں ترجمۂ لئیق ، شعور کے بعد اور کامل سے پہلے ہے - (مرتب)

۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

(اے پری پاس ادب تھا تیری بازی گاہ کا
پھونک دیتا دشت ایمن ورنہ شعلہ آہ کا

بے سر و ساماں کو ساماں ہو میسر غیب سے
شامیانہ ہے شفق میری شہادت گاہ کا)

۳۲۶ ـ ابر ، محمد رضا

صاحب فہم و ذکا (تخلص) ابر[1] ، نام محمد رضا ، (ساکن کاکوری) شاگرد شعور ـ یہ اس سے یادگار (ہے) :

ابر ہے آب رواں ہے ساقیِ مخمور ہے
ساقیا رد و قدح اس دم خرد سے دور ہے

خواب سے ایسے خیال بد نہ لا کر چونک اٹھو
دیکھو میرا ہاتھ سینے سے تمھارے دور ہے

۳۲۷ ـ وحید ، محمد وحید الدین[2]

صالح و سعید ، محمد وحید الدین تخلص وحید ، ساکن کاکوری ، شاگرد (شیخ عبدالرؤف) شعور ، من کلامہ :

نکالا بلبلوں کو باغباں نے اپنے گلشن سے
کہ پردے گوش گل کے پھٹ گئے تھے ان کے شیون سے

(رہے گی سرنگوں وہ بھی جو مجھ کو شرم عصیاں ہے
بجائے سبزہ گر نرگس اگے گی میرے مدفن سے

کدورت سے بری رہتے ہیں وہ جو صاف باطن ہیں
بہ شکل آینہ ملتا ہوں یکساں دوست دشمن سے)

۱ـ نسخۂ انجمن میں تخلص ''امیر'' لکھا ہے جو درست نہیں ـ (مرتب)
۲ـ نسخۂ انجمن میں ترجمۂ وحید ، کامل کے بعد اور ابر سے پہلے ہے ـ (مرتب)

فروغ[1] حسن وہ ہے یار کی شکل و شمائل میں
چراغ صبح کا عالم ہے نور شمع محفل میں
وحید خستہ زنداں کی طرف کس کا گزر ہوگا
بنا ہے دیدۂ مشتاق ہر حلقہ سلاسل میں

---

۳۲۸ - تمنا ، شیخ غیاث الدین

خوش[2] فکر، خوش ادا ، شیخ غیاث‌الدین تخلص تمنا[3]، جوان غیور، شاگرد بلکہ خویش عبدالرؤف شعور - منہ :

آتش[4] عشق ہے سینے میں جو مجمر کی طرح
دل مرا آگ میں رہتا ہے سمندر کی طرح
وحشت دل ترے صدقے سے بیابانوں میں
پاؤں پھیلائے ہوئے بیٹھے ہیں ہم گھر کی طرح
(وہ نہ آیا تو اجل تو بھی نہ آئی مجھ تک
دہن گور بھی خالی ہے مرے گھر کی طرح
تنگ ہوں بسکہ شب ہجر کی طولانی سے
کاش نیند آئے مجھے میرے مقدر کی طرح
گلشن دہر میں وہ زمزمہ پرداز ہوں میں
ہوش بلبل کے اڑاتا ہوں کبوتر کی طرح)

۱- فروغ حسن ہے وہ یار . . . .
۲- خوش فکر و نازک ادا ۔
۳- . . . . تمنا ، شاگرد شعور ، یہ اشعار اس سے یادگار .
۴- آتش عشق سے سینہ ہے جو مجمر کی طرح ۔

یہ تکلف نہیں بندے کو پسند آتا ہے
آپ آئے ہیں تو پھر بیٹھیے اب گھر کی طرح
(پند ناصح پہ عمل خاک تمنا کرتا
اپنا کہنا بھی وہ سنتا ہی نہیں کر کی طرح)

گر مجھ فقیر پر نظر بادشاہ ہو
ماہی سے تابہ ماہ ابھی واہ واہ ہو
(بجلی گرے جو اپنی تڑپ کا بیاں کروں
پیدا غبار دل سے بھی ابر سیاہ ہو)
کہیے نہ یہ کہ تم کو بلاؤں میں کس طرح
دشوار کچھ نہیں ہے اگر دل میں راہ ہو
دل کا عجیب حال ہے جوش سرشک سے
طوفاں میں جس طرح کوئی کشتی تباہ ہو
فارغ خطیِ حسن کہوں خطِ سبز کو
اے خال روئے یار اگر تو گواہ ہو
افشاے راز عشق مناسب نہیں دلا
ڈر ہے قلم کی طرح نہ تو روسیاہ ہو
تابوت کشتۂ خط و گیسوے یار پر
ہو سبز شامیانہ تو جھالر سیاہ ہو
مہندی ملو نہ دیر تلک مجھ کو خوف ہے
کثرت سے رنگ کی نہ کف پا سیاہ ہو
کچھ انتہائے وعدہ خلافی بھی ہے بھلا
سچ تو یہ ہے کہ جھوٹوں کے تم بادشاہ ہو

۳۲۹-موجی ، لالہ موجی رام

شاعر منتہی ، لالہ موجی رام تخلص موجی ، قوم کایستھ ، ساکن قصبہ سانڈی ، معرفت محمد عیسیٰ تنہا (کے) شاگرد میاں مصحفی کا ہوا ـ یہ چند شعر اس سے یادگار :

گیا نہانے جو وہ بے نقاب در تہ آب
تو رنگ رخ سے کھلا اک گلاب در تہ اب

میں رویا یاس کی حالت میں تشنگی سے جب
تو آ گئی وہیں موج سراب در تہ آب

بہے ہیں دیدۂ گریاں سے اس طرح آنسو
رواں ہو چشمے[1] سے جس طرح آب در تہ آب

یہ طرح مرزا جعفر صاحب کے مشاعرے کی تھی ، مرزا حاجی قمر اور میر مظفر حسین ضمیر کو یہ منظور ہوا کہ موجی رام کو مرزا قتیل کی زبان سے ذلت دلوائیے۔ مرزا صاحب نے (سرمشاعرہ) یہ اعتراض (اس پر) کیے کہ گل کو گلاب کہنا غیر مستعمل اور چشمہ بیرون آب ہے اور سراب محض ریگستان[2] ہے ، ریگ سے اور موج سے کیا نسبت ـ جب[3] مرزا صاحب نے سرمشاعرہ اس پر یہ اعتراض کیے ، شیخ امام بخش ناسخ کو دلیری مرزا (صاحب) کی نہایت ناگوار گزری ـ موجی رام میاں مصحفی کے پاس التجا لے گیا ـ میاں صاحب نے کہا شاگرد کے واسطے آشنا سے بگڑنا نہ چاہیے ، ایسے بہت بن سکتے ہیں ـ جب ناسخ نے سنا کہ مصحفی حمایت موجی کی نہیں کرتے ، اسے اپنے پاس بلا بھیجا اور یہ سوال و جواب

۱- چشموں ـ

۲- . . . . . ریگستان ، ریگ . . . .

۳- جب مرزا صاحب نے اس پر . . . . شیخ ناسخ کو . . . .

ایک بند کاغذ پر لکھ کر اسے دیے ، دوسری صحبت میں سر مشاعرہ اس نے پڑھے ۔

"افصح الفصحا مرزا قتیل صاحب ، آپ نے جو مجھ ہیچمدان کی غزل پر یہ اعتراض کیے ہیں کہ گلاب بمعنی گل[1] گلاب غیر مستعمل اور ارود میں نہیں آیا ، ایسا کلام لایعنی آپ سا شاعر فخر زمانہ کہے بسا عجب ہے - نہیں جانتے ہو کہ محاورۂ اہل ہند میں گلابی جاڑا اسے کہتے ہیں کہ موسم گلاب میں ہو اور گلابی رنگ کہ منسوب بہ گلاب ہو ، قطع نظر میر (محمد) تقی کہ زبان ریختہ میں سہیم و[2] عدیل نہیں رکھتے تھے، فرماتے ہیں :

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

مرزا مظہر جان جاناں (فرماتے ہیں) :

عالم ہے یہ پسینے کا اس مست خواب پر
پڑتی ہے اوس جیسے سحر کو گلاب پر

میاں مصحفی :

سرخ ہے مے سے وہ چشم نیم خواب نرگسی
یا یہ باغ حسن میں پھولا گلاب نرگسی

دیگر[3] :

دلی بھی طرفہ جا ہے کہ ہر اک گلی کے بیچ
بکتے ہیں کوڑی کوڑی کٹورے گلاب کے

اور آپ نے جو فرمایا ہے کہ چشمہ بیرون آب ہے ، فی الحقیقت سعدی نے گلستان میں غلطی فرمائی ہے :

۱- . . . گل غیر مستعمل ہے اور . . . شاعر فخر . . .
۲- اور ۔ ۳- ایضاً ۔

سر چشمہ شاید گرفتن بہ میل
چو پر شد نہ شاید گذشتن بہ پیل

اور آپ نے جو کہا کہ سراب محض ریگستان ہے[1] اور موج سے کیا نسبت ، ناصر علی کہتا ہے :

نمی دانم کدامی شہسوار آمد دریں وادی
کہ از صد جا گریباں چاک شد موج سرابش را

جواب آپ کے ہر اعتراض کا یہ ہے ، اور غزل ثانی تصنیف ضمیر کو جو آپ بے عیب کہتے ہیں ، ایک شعر میں دو اعتراض ہیں :

وطن میں بھی نہیں سرکشوں کو چین ذرا[2]
کہ کم نہ ماہی کا ہو اضطراب در تہ آب

صاحب میرے ، اضطراب ماہی در تہ آب کوئی شاعر نہیں بولا ، کس واسطے کہ مچھلی کو سوائے پانی کے آرام نہیں اور[3] اگر اضطراب بہ معنی رفتار ہے ، اضطراب اور رفتار میں بڑا فرق ہے۔ سرگشتہ مفرد ، جمع اس کی جس وقت کیجیے گا ، بجائے ہائے ہوز کے کاف فارسی اور الف نون جمع کا آئے گا اور 'سرگشتگاں' ہوگا۔ 'سرگشتگوں' کی ایجاد کہاں سے ہے۔ زبان اردو کے جاننے والے

۱- . . . . ہے ، موج سے اسے کیا نسبت . . . .

۲- نسخۂ انجمن اور نسخۂ پٹنہ دونوں میں یہ مصرعہ اسی صورت میں ہے۔ نسخۂ انجمن میں وزن پورا کرنے کے لیے ''سرکشوں'' سے پہلے لفظ ''ہے'' اضافہ کیا گیا ہے ، لیکن صحیح مصرع ، جیسا کہ آیندہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے ، یہ ہے۔
''وطن میں بھی نہیں سرگشتگوں کو چین ذرا''۔ (مرتب)

۳- . . .اور اضطراب بہ معنی رفتار میں بڑا فرق ہے اورسرگشتہ . . .

فی زماننا میاں مصحفی اور انشا اللہ خاں ہیں ، آپ عبث دخل در معقولات دیتے ہیں ، فارسی آپ کی البتہ مشہور ، اس کو اصفہانی جانیں ، زیادہ والسلام والاکرام ۔

اشعار موجی :

روئے صنم پہ کاکل پیچیدہ دیکھنا
خورشید حشر شام میں پوشیدہ دیکھنا

اس ضعف پر اٹھا ہی لیا میں نے کوہ غم
اے عشق ہمت تن کاہیدہ دیکھنا

خط جو کھویا نامہ بر نے خوبیٔ تقدیر ہے
یوں ہی لکھا تھا ہمارا اس کی کیا تقصیر ہے

واں حنا بندی ہے اور زلف کا سلجھانا ہے
یاں پریشانی ہے اور خون جگر کھانا ہے

جو آہ گردن تاثیر کی کمند نہ ہو
کبھی وہ عاشق ناکام کے پسند نہ ہو

مرا صنم ہے وہ مہ وش کہ جس کے مجمر کا
بغیر خال رخ گل رخاں سپند[1] نہ ہو

۱- دونوں نسخوں میں سہو کتابت سے ''پسند'' ۔ (مرتب)

۳۳۰ - ریحان ، لاله دیا کشن

لاله دیا کشن تخلص ریحان ، خوش رو اور نوجوان ، ابتدا میں مشق سخن رام دیال سخن[1] سے بعد اس کے موجی رام موجی نے بہ سبب قرابت کے درستی اس کے کلام کی کی - یہ اشعار اس سے یادگار :

مے گلرنگ جو ساقی نے بھری شیشے میں
صاف دکھلائی دیا عکس پری شیشے میں

چودھویں شب کو جو الٹے یار چہرے سے نقاب
منہ چھپا لے بدر اپنا چادر مہتاب میں

ناز سے جھوٹا پیالہ جب شکر لب نے دیا
نوش دارو کا مزا پایا شراب ناب میں

اے زلیخا تجھ کو کیا قدر جمال یوسفی
میں نے بیداری میں دیکھا تو نے دیکھا خواب میں

دھڑکتا ہے جو ہر دم یہ دل بے تاب سینے میں
دل بے تاب ہے یا پارۂ سیماب سینے میں

خیال ابروے خم دار نے کی اس قدر کاوش
بنائی[2] ناخن غم نے مرے ، محراب سینے میں

۱- ابتدامیں مشق سخن اسے سخن سے تھی- موجی رام نے نیا مضمون سمجھ کر اسے اپنا شاگرد کیا- پیری میں بھی ولولہ اس کی طبیعت کا جوان اور اچھی صورت کا خواہاں ہے - دیوان اس کا امردوں پر تقسیم اور نقد سخن نوجوانوں کو تسلیم -القصہ یہ شعر ریحان کے-

۲- بنائی غم نے میرے صورت محراب سینے میں

ہوا ہرگز رفو چاک دل عاشق نہ عیسیٰ سے[1]
برنگ رشتہ کھایا گرچہ پیچ و تاب سینے میں
نہیں پرواہ(کذا) گلگشت چمن کی مجھ کو اے **ریحان**
کھلے ہیں داغ دل سے لالۂ شاداب سینے میں

رنگیں رخ گل کیا ہے ترے رو کے برابر
سنبل میں کہاں تاب ہے گیسو کے برابر
نافہ نہیں ہے حلقۂ گیسو کے برابر[2]
سودائی ہے جو مشک کہے مو کے برابر
پیری سے اسے وسمۂ ابرو کی طلب ہے
ہوگا مہ نو کیا ترے ابرو کے برابر
وہ سلسلہ و تاب وہ خم لائے کہاں سے
زنجیر ہو کیوں کر ترے گیسو کے برابر[3]
صیاد کا وہ صید یہ صیاد کی صیاد[4]
آنکھ اس کی نہ سمجھے کوئی آہو کے برابر

---

۳۳۱ - ضمیر ، میر مظفر حسین

شیریں سخن ، خوش تقریر ، جلیس بے نظیر ، میر مظفر حسین

۱،۲- نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۳- نسخۂ انجمن میں سہو کتابت سے اس مصرع کی بجائے ، اس سے پہلے کے شعر کا مصرع ثانی دوبارہ لکھ دیا گیا ہے اور اس میں ''ہوگا'' کی جگہ ''ہووے'' لکھا ہے - (مرتب)
۴- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

تخلص ضمیر ، خلف میر قادر حسین ، شاگرد میاں مصحفی ۔(میاں صاحب تذکرۂ دوم[1] میں لکھتے ہیں کہ ''معرفت واجد بخدمتم آمدہ ، شیرینی تقسیم کردہ ، روبرو ہمہ ہا شاگرد من شدہ ۔'' اس اعلان کے ساتھ لکھنا خالی اس سے نہیں ہے کہ پہلے کسی کی شاگردی سے انکارکیا ہو۔ المختصر) غزل میں (اس کی) سحر کا انداز ، مرثیہ گوئی بمنزلہ اعجاز ، عہد نصیر الدین حیدر بادشاہ سے تا حضرت اقدس و اعلیٰ معزز و ممتاز ۔ ایک[2] سال میں دو تین خواب کہ تعبیر ان کی دولت بیدار ہے ، مشاہدہ فرماتے ہیں ، بیان ان کا بشارت کی طرح زبان پر لاتے ہیں ۔ یہ شعر اس سے یادگار:

صدمے سے شب ہجر کے کب جان بر آئی
یہ شام نہیں آئی قضا ہے مگر آئی

دیکھا مرا بستر جو کل اس شوخ نے خالی
ہر چند کیا ضبط مگر چشم بھر آئی

کرتا ہے کئی دن سے مرے قتل کی تدبیر[3]
صد شکر کہ اس بت کی طبیعت ادھر آئی

آتے ہی ترے آ گئی اک جان سی تن میں
اے نکہت گیسوے معنبر کدھر آئی

گلشن میں خزاں آئی تو بلبل یہ پکاری[4]
اب فصل بہار گل داغ جگر آئی

۱۔ ریاض الفصحا ۔ (مرتب)

۲۔ وہ خواب کہ تعبیر اس کی دولت بیدار ہے مشاہدہ فرماتے ہیں اور ذکر اس کا بشارت کی طرح زبان پر لاتے ہیں ۔ اشعار اس کے ۔

۳تا۴۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ہیں ۔ (مرتب)

تربت پہ چڑھانے کو ترے سوختگاں کی
لے کر پرِ پروانہ نسیم سحر آئی
پوچھو تو ضمیرِ جگر افگار کہاں ہے[1]
جس دن سے گیا وہ نہ پھر اس کی خبر آئی

حالت مری جب اس کو دگرگوں نظر آئی
اوروں کی تو کیا، چشم مسیحا کی بھر آئی
کاہیدہ کیا آہ جنوں نے مجھے یاں تک
زنجیر مرے پاؤں سے آخر اتر آئی

حسرت کا داغ لے کے چلے ہم بجائے گل
سب میں کہیں گے ہم بھی گلستاں سے لائے گل
قسمت تو دیکھیے کہ صبا نے پس از وفات
سوکھے مرے مزار پہ لا کر چڑھائے گل
ہے یہ جگہ ادب کی تو آہستہ چل صبا
شمعِ سرِ مزار مری[2] ہو نہ جائے گل
اس کی نہ چشم سی ہے، نہ ابرو ہے، نے ادا[3]
بلبل تو کیا سمجھ کے ہوئی مبتلائے گل
ہے میری اور ان کی محبت میں فرق یار
میں نے جگر پہ، اوروں نے ہاتھوں پہ کھائے گل

۱- یہ اور اس کے بعد کا ایک شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- کہیں -
۳- یہ اور اس کے بعد کا ایک شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

معشوق بھی تو چرخ کی گردش میں آ گئے
دیکھو کہ ٹکڑے ٹکڑے ہے ساری قبائے گل

آیا ہوں سننے نالۂ مرغِ چمن **ضمیر**
لائی نہیں ہے باغ میں مجھ کو ہوائے گل

تب میسر مجھے اک بوسۂ جانانہ ہوا
جب کہ میں خاک ہوا، خاک سے پیمانہ ہوا

جب تک کہ تو جلوہ گر نہ ہووے[1]
میری شبِ غم سحر نہ ہووے

افسوس کہ جی سے ہم گزر جائیں
اور تیرا ادھر گزر نہ ہووے

صد حیف **ضمیر** ہم تو روویں
اس کی کبھی چشم تر نہ ہووے

---

۳۳۲ - دبیر، مرزا سلامت علی[2]

عطارد نظیر، مرزا[3] سلامت علی تخلص دبیر، جودت اس کی طبع کی تقریر سے باہر اور تحریر سے زیادہ (طبیعت اس کی مضمون کے پیدا کرنے پر آمادہ) - مرثیہ گوئی میں گوئے سبقت ہمگناں سے لے گیا ہے اور زمینِ سلام کو اس کی فکرِ بلند نے آسمان کیا ہے -

---

۱- یہ اور اس کے بعد کے دو شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۲- نسخۂ انجمن میں ترجمۂ دبیر، ترجمۂ منیر کے بعد اور ترجمۂ اسیر سے پہلے ہے - (مرتب)
۳- میاں دبیر . . . .

ہر مرثیہ لاجواب ، ہر بند اس کا انتخاب ، جو شہرت اس نے پیدا کی ہے ، بیان اس کا خیلے دشوار[1] ہے ۔ ایک ہم کیا ، ہزارہا زبان سے اس کا اظہار ۔ (وہ خوش تقریر طرۂ دستار میر ضمیر ہے) ۔ استاد[2] میں

۱۔ . . . .دشوار ۔ ایک کیا ہزار . . . .

۲۔ استاد اور اس میں . . . . ایک بزرگ کی زبان سے مختصر . . . .
. . . میاں دبیر نے یہ مرثیہ کہا :

ذرہ ہے آفتاب در بوتراب کا

اصلاح کے واسطے اسے استاد کی خدمت میں لے گئے۔ کہیں کہیں کچھ بنایا اور بہت پسند فرمایا ۔ پھر اس سے کہا ''یہ مرثیہ ہمیں دو کہ اس مہینے میں ہم نے اس احوال کا مرثیہ نہیں کہا ہے ۔ اگر موقع ہوگا تو راجہ میوہ رام کی مجلس میں دو چار بند اس کے ہم پڑھیں گے۔'' اس نے کہا ''بہتر ، میں اسے نقل کروا کے بھیج دوں گا۔'' دبیر نے اس مرثیے کی دو نقل لیں ، ایک اپنے پاس رکھی اور ایک بھیج دی ۔ دوسری روایت یہ ہے کہ میر ضمیر نے اُسے منع کیا تھا کہ اس مرثیے کو راجہ کی مجلس میں نہ پڑھنا ۔ قصہ کوتاہ . . . . کچھ پڑھو مگر وہ مرثیہ نہ پڑھنا ۔ اس حق ناشناس نے . . . وہی مرثیہ شروع کیا ۔ میر صاحب نے اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ اس سے کہہ دو کہ یہ کیا حرکت ہے ۔ خیر اگر اس مرثیے کو پڑھنا ہے تو علی الترتیب نہ پڑھ ۔ وہ بھی نہ مانا ، تمام و کمال مرثیہ پڑھا ۔ ایسی رقت ہوئی کہ کسی کے ہوش بجا نہ رہے اور خاتمہ مجلس کا اُسی پر ہوا ۔ میر ضمیر نے راجہ کے کہنے سے دو چار بند کسی مرثیے کے پڑھے اور نہایت بے مزا منبر سے اترے ۔ پڑھنا میوہ رام کی مجلس میں اور ملاقات دبیر کو برابر ترک کیا ۔ اس نقل سے تنک ظرفی دبیر کی ظاہر ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔ یہ شعر کہ اکثر دوستوں کی زبانی اس کے نام . . . .

اور اس میں جو بے لطفی ہے ، ایک بزرگ کی زبانی مختصر اُسے بیان کرتا ہوں ۔ میاں دبیر اوائل میں ایک مرثیہ اصلاح کے واسطے میر ضمیر کی خدمت میں لائے ۔ کہیں کہیں اصلاح دی اور بہت پسند کیا ، بلکہ فرمایا کہ یہ مرثیہ ہمیں دو کہ راجہ میوہ رام کے یہاں ہم پڑھیں ۔ اس نے کہا بہتر میں بھیج دوں گا ۔ دبیر نے اس مرثیے کی دو نقلیں لیں ، ایک بھیج دی اور ایک اپنے پاس رکھی ۔ دوسری روایت میں یوں ہے کہ میر صاحب نے اس سے کہا کہ اس مرثیے کو راجہ میوہ رام کی مجلس میں نہ پڑھنا ۔ قصہ کوتاہ جب مجلس کا دن آیا ، میر صاحب مع دبیر تشریف فرما ہوئے ۔ مجلس کے گداز کرنے کو دبیر سے کہا ، منبر پر جاؤ اور کچھ پڑھو ۔ اس ناحق شناس نے سامعین کو ہمہ تن اشک دیکھ کر وہی مرثیہ پڑھا ، رقت اور تعریف ایسی ہوئی کہ میر ضمیر کے پڑھنے کی گنجائش نہ رہی اور خاتمہ اسی پر ہوا ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔ یہ شعر کہ اکثر دوستوں سے اس کے نام پر سنا ہے ، لکھا جاتا ہے :

مے سے توبہ کی ستم گر نے غضب تو دیکھو
جب کہ طیار مری خاک سے پیمانہ ہوا

چند[1] اشعار سلام کے اور ایک رباعی مرزا دبیر صاحب کی برائے ملاحظۂ ناظرین تحریر ہوتے ہیں :

اشعار سلام مرزا دبیر صاحب :

غمِ آلِ عبا ہے اور میں ہوں
سلامی یہ غذا ہے اور میں ہوں

۱- یہاں سے آخر تک کی تمام عبارت نسخۂ پٹنہ کے حاشیے پر ہے ؛ نسخۂ انجمن میں نہیں ہے ۔ (مرتب)

خیالِ کربلا ہے اور میں ہوں
بہشتِ جاں فزا ہے اور میں ہوں

چنوں موتی بیابانِ نجف کے
سرورِ مدعا ہے اور میں ہوں

مثالِ دانہ پستا ہوں شب و روز
فلک کی آسیا ہے اور میں ہوں

نہ پہنچا کربلا میں تو دمِ حشر
یہ بختِ نا رسا ہے اور میں ہوں

زباں گویا ہے جب تک، ہے یہی عہد
ائمہ کی ثنا ہے اور میں ہوں

نبی کہتے تھے یا حیدر تمھارا
شناسا اک خدا ہے اور میں ہوں

مسیحا کہتے تھے جاں بخشِ عالم
بس اک خاکِ شفا ہے اور میں ہوں

یہی ہے نا، حقِ قدرت کی آواز
علی مشکل کشا ہے اور میں ہوں

کوئی دن کو دبیر اب فضل حق سے
نجف ہے، کربلا ہے اور میں ہوں

رباعی مرزا دبیر صاحب:

دنیا زنداں ہے جائے آرام نہیں
گہوارہ بجز گردشِ ایام نہیں
آنکھوں کی سپیدی و سیاہی کی طرح
جھپکی جو پلک صبح نہیں شام نہیں

اور غزل مرزا دبیر صاحب کی ہرچند تلاش[1] کی ، بجز ایک شعر سابق کے دستیاب نہ ہوئی ۔ بہ مجبوری سلام و رباعی تحریر ہوئے ۔ فقط ۔

رباعی :

بے فائدہ ہر بند پہ بتلانا ہے
اچھا نہ کہے گا اسے جو دانا ہے
[میں] اس شہ مرداں کا ثناخواں ہوں دبیر
صد شکر کہ پڑھنا مرا مردانا ہے

اس رباعی میں طعن ہے میر انیس صاحب پر کہ وہ اپنے پڑھنے مرثیے میں ہر بند پر بتلاتے جاتے ہیں :

''للعاقل کافیۃ الاشارہ''

۳۳۳ ۔ مشیر[2] ، شیخ گوہر علی

جوہری ٔ کلام ، سخن وری قلوب تسخیر ، شیخ گوہر علی تخلص مشیر ، مرد قصباتی و بیرونجاتی ۔ بعضے کہتے کہ ساکن قصبۂ جرول ، علاقۂ بہرائچ ، واللہ یعلم ۔ وارد حال لکھنؤ ، شاگرد روشن ضمیر مرزا دبیر صاحب ۔ یہ شخص بھی اپنے فنِ ہرسیہ گوئی میں لاجواب ہے ۔ چنانچہ شہر لکھنؤ میں جلسۂ عید شجاع نویں ماہ ربیع الاول میں ہر سال ہوا کرتا ہے اور اکثر مومنین یہ جلسۂ خوشی اپنے یہاں کیا کرتے ہیں ، چنانچہ میاں مشیر نے ہرسیہ ایسا کہا اور پڑھا کہ دوسرا شخص اس کے آگے نہ چمکا ۔ غرض کہ یہ جلسہ عید الشجاع ہرسال حاجی حسن رضا صاحب کہ بمکان تاج الدین حسین خان صاحب کے رہتے تھے ،

۱۔ اصل میں ''تالاش'' جو سہو کتابت ہے ۔ (مرتب)

۲۔ نسخۂ انجمن میں مشیر کا ترجمہ نہیں ہے ، نسخۂ پٹنہ میں حاشیے پر اضافہ ہے ۔ (مرتب)

کیا کرتے تھے اور میر ضمیر صاحب ہرسیہ[1] تو ہر سال حاجی صاحب کی خاطر سے جلسے میں پڑھا کرتے تھے ۔ ایک سال میر ضمیر صاحب علیل ہوئے ، حاجی صاحب موصوف [نے] میاں مشیر کو اس سال پڑھوایا ، اس دن سے یہ چمکا ۔ دویم یہ کہ اس شخص کا یہ معمول قدیم ہے کہ یہ جس کے مکان پر پڑھنے جاتا ہے ، اول اس کا حال نظم کر کے پڑھتا ہے ، بعد اس کے ہرسیہ پڑھتا ہے ۔ باوجودیکہ وزیر خاں چیلہ حضور عالم نواب علی نقی خاں بہادر نے اس شخص کو تیس روپیہ کا نوکر رکھا ، ماہوازی مقرر کی اور رہنے کو اپنے مکان کے پاس مکان بھی دیا ، اور اس وقت میں زمانہ[1] حکومت بھی حضور عالم کا باقی تھا ، باوجود ان سب امورات (کذا) کے اس ایام میں اتفاقاً گھوڑے . . . . .[1] حضور عالم کے کہ سائیس دریا نہلانے کو لیے جاتا تھا ، شام کے وقت چند بدمعاشوں نے سائیس کے ہاتھ سے وہ گھوڑے لے بھاگے (کذا) ۔ جب کہ نواب صاحب بہادر کو خبر ہوئی ، فوراً تدارک ہوا اور وہ بدمعاش مع گھوڑے گرفتار ہوئے اور حاضر در دولت نواب صاحب بہادر ہوئے ۔ چونکہ یہ حال تازہ میاں مشیر صاحب کے ہاتھ آیا ، فوراً یہ مضمون بھی اپنے کلام میں باندھ لیا گیا ۔ بعد اس کے ایک صاحب وثیقہ نے اپنے گھر میں یہ جلسہ کیا اور ان کو طلب کیا ۔ میاں مشیر صاحب نے اول کچھ حال نظم میں اہل وثائق کا بیان کیا ، بعد اس کے ہرسیہ پڑھا گیا ۔ چونکہ کوئی غزل میاں مشیر صاحب کی دستیاب نہ ہوئی ، جو کلام کہ[2] ساعت میں آیا ، واسطے یادگار کے لکھا جاتا ہے :

۱- ایک لفظ واضح نہیں ۔ (مرتب)
۲- اصل میں ''کے'' سہو کتابت ہے ۔ (مرتب)

کلام بے نظیر میاں مشیر صاحب :

مدّاحِ شہنشاہ انام آیا ہے
شاگردِ دبیرِ نیک نام آیا ہے
معمول ضمیر تھا ، پر آیا یہ مشیر
آقا نہیں آیا ، یہ غلام آیا ہے

تازی ہے بات چور نیا داغ دے گئے
نواب نامدار کے گھوڑے کو لے گئے

اک صاحبِ وثیقہ کے گھر میں جو میں گیا
باتوں میں ذکر حاتمِ طائی کا کچھ ہوا
ہنس کر لگے [یہ] کہنے کہ ہیں ہیں سخی تو تھا
ہم سے جو کوئی پوچھے تو واہی تھا مسخرا
اک آفتِ زمانہ تھا دولت لٹانے میں
بٹوائی لوٹ اس نے نہ جا کر خزانے میں

---

۳۳۴ ـ حسن ، حسن علی خاں[1]

امیر کبیر[2] ، شاعر خوش تقریر ، حسن علی خاں خلف رمضان علی خاں بہادر ، (تخلص اُس کا حسن) ، شاگرد میر ضمیر ـ من کلامہ[3] :

دلبر ہو ، صنم ہو ، دل ربا ہو
کچھ تم بھی تو بولو منہ سے کیا ہو؟

۱ـ نسخۂ انجمن میں ترجمۂ حسن ، ترجمۂ ضمیر کے بعد اور ترجمۂ منیر سے پہلے ہے ـ (مرتب)
۲ـ امیر کبیر ، حسن علی . . . .
۳ـ یہ کلام اُس سے یادگار ـ

بے کار ہے واں قبائے آتو
جس تن پہ کہ نقشِ بوریا ہو

جلوہ دے ابھی پری کی صورت
آیینۂ دل میں گر جلا ہو

کرتا ہے جفائیں گو[1] حسن وہ
تم اپنی طرف سے تو نباہو

۳۳۵ - منیر ، مرزا اکبر علی

جوانِ[2] متقی ، مرزا اکبر علی تخلص منیر ، خلف مرزا محمد تقی مخاطب بہ خان رسالۃ دار سواران ، وطن دہلی ، مقیم لکھنؤ۔ مرثیہ گوئے حضرت شبیر ، شاگرد میر مظفر حسین ضمیر - ہر مہینے میں بزم عزا کرتا ہے اور ایک مرثیہ نیا کہہ کے پڑھتا ہے - کبھی کبھی دو چار شعر عاشقانہ بھی بہ سبب تقاضائے جوانی زبان پر آ جاتے ہیں۔ و ہی هذا :

رخِ روشن پہ کھلی زلفِ چلیپا کیا ہے
سحرِ عید پہ لطفِ شبِ یلدا کیا ہے

شکل مشتاقوں کو برسوں جو نہیں دکھلاتے
ایسے قضیے کا مری جان ! نتیجا کیا ہے

۱- گر -

۲- مرثیہ گوے حضرت شبیر ، جوان . . . . منیر ، شاگرد میر مظفر حسین ضمیر ، خلف . . . . سواراں ، متوطن . . . . . لکھنؤ ہر مہینے . . . . پڑھتا ہے - اگر یہی شغل رہا تو مردم چیدہ میں شمار ہو گا ، اس واسطے کہ مرد با سر و سامان اور معاش کی طرف سے محل اطمینان رکھتا ہے -کبھی کبھی دو چار شعر عاشقانہ بھی تقاضائے جوانی سے کہتا ہے ، چنانچہ -

دہنِ تنگ کی توصیف میں عاجز ہے زباں
شعر اس سے نہیں کھلتا یہ معما کیا ہے

باتیں کرتے ہو ، مگر شکل نہیں دکھلاتے
بے تکلف ہوئے جس وقت تو پردا کیا ہے

وہ اگر حسن میں نایاب ، تو میں عشق میں فرد
بے مثالی کا مرے یار کو دعوا کیا ہے

چھوڑیو مرثیہ گوئی کا طریقہ نہ منیر
شعر کہتے ہیں کسے ، غزلوں کا چرچا کیا ہے

دور آنکھوں سے جو تیرا مہِ رخسار ہوا
روزِ روشن مری نظروں میں شبِ تار ہوا

ہے خریدار زلیخا کی طرح یوسف بھی
گرم جس دن سے ترے حسن کا بازار ہوا

دیکھ کر دانۂ خالِ رخِ پُر نورِ صنم
مرغِ دل دام میں الفت کے گرفتار ہوا

میں جو یادِ دُرِ دندانِ صنم میں رویا
جو گرا اشک کا قطرہ ، دُرِ شہوار ہوا

سبزہ ہے فصل گل ہے ہجومِ بہار ہے
اے گل عذار ! آ کہ ترا انتظار ہے

---

۳۳۶ - اسیر ، میر مظفر علی[1]

عطارد قلم[2] ، منشی بے نظیر ، شاعر خوش تقریر ، میر مظفر علی تخلص اسیر ، ساکن قصبہ امیٹھی ، شاگرد میاں مصحفی ، صحبت سراسر افادت میر صاحب کی ناقص کو کامل اور ذرے کو آفتاب کرتی[3] ہے - چند روز شاگرد مثل استاد صاحبِ ارشاد ہو[4] جاتا ہے ، یہ فیضِ عام ، خاص ان پر تمام کہ کلام تلامیذ کا استاد سے پہلو بہ پہلو ہو - باوجود کم فرصتی کے دیوان ان کا دیوان عام اور غلو شاعری تمام (ہے) - روانی[5] طبیعت میں ایسی کہ دو شخص ان کی تصنیف بدیہۃً نہیں لکھ سکتے - یہ چند شعر کہ مثل گوہر شہوار کے ہیں ، لکھے جاتے ہیں کہ ناظر کو اس سے حظ حاصل ہو :

ہو کربلا جو کوچہ ترا ، کیا بعید ہے
تیرے حسین ہند کا عالم شہید ہے

کیونکر نہ دیکھیں راحت و غم آسماں سے ہم
کوئی ستارہ نحس ہے ، کوئی سعید ہے

مردانِ حق پرست ہیں آلائشوں سے پاک
محتاج غسل کا وہ نہیں جو شہید ہے

۱- نسخۂ انجمن میں ترجمۂ اسیر ، ترجمۂ دبیر کے بعد اور ترجمۂ موزوں سے پہلے ہے - (مرتب)

۲- ''عطارد قلم'' نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۳- بناتی ہے -   ۴- . . . . ہوتا ہے -

۵- مشق سخن اس قدر کہ دو شخص ان کی تصنیف بدیہۃً نہیں لکھ سکتے - ہندی اور فارسی اور منقبت میں چار دیوان کہ چار دانگ ہندوستان میں ان کا شہرہ ہے ، طیار - یہ اشعار اس سید بزرگوار سے یادگار -

ہردم شبِ فراق میں دم توڑتا ہوں میں
سچ ہے کہ انتظارِ عذابِ شدید ہے

ہر موجِ بادہ ساقیٔ کوثر کے فیض سے
قفلِ درِ بہشت کی ساقی کلید ہے

لالے کے پھول کھلتے ہیں فصل بہار میں
ہر سال زندہ ہو گا جو اس کا شہید ہے

ہووے ہر ایک آبلۂ پا میں کیوں نہ خار
جو قفل ہے جہان میں ، اس کی کلید ہے

نبضِ بیمار جو اے رشک مسیحا ! دیکھی
آج کیا آپ نے جاتی ہوئی دنیا دیکھی[1]

خوف رکھتا ہے مرے[2] اشک کی طغیانی سے
تن چھپائے ہے فلک ابر کی بارانی سے

نشۂ بادہ اڑاتا ہے سلیماں کی طرح
کم نہیں کشتیٔ مے ، تختِ سلیمانی سے

اشکِ طوفاں اگر بپا کرتے
ناخدا بھی خدا خدا کرتے

ایک ٹھوکر اگر لگاتے وہ
مرغ فانی کو بھی ہما کرتے

۱- آج کیا جاتی ہوئی آپ نے دنیا دیکھی -

۲- نسخۂ پٹنہ میں ''مرے'' کی جگہ ''یہ'' ہے جو ظاہر ہے کہ کتابت کی غلطی ہے - (مرتب)

پیشِ نظر یہاں لبِ نانِ حلال ہے
میں آسماں فقیر ہوں اور یہ ہلال ہے

دے ہاتھ اور بھی تنِ مجروح پر لگا
قاتل ہر ایک زخم دہانِ سوال ہے

باقی ہے عشقِ موئے کمر بعدِ مرگ بھی
کاسہ جو اپنی خاک کا ہے ، اس میں بال ہے

شاید بساطِ دہر ہے شطرنج کی بساط
میں جس کو دیکھتا ہوں جدا اس کی چال ہے

خیالِ گردن و چشمِ بتِ مستانہ آتا ہے
ہماری بزم میں یہ شیشہ ، یہ پیمانہ آتا ہے

لباسِ ظاہری پر عاشقِ صادق نہیں مائل
نہ ہو فانوس میں گر شمع ، کب پروانہ آتا ہے

ترش کر زاہدو ! ہر بت بنا ہے سنگِ اسود سے
تمہاری فہم میں کب رتبۂ بت خانہ آتا ہے

پسینہ شمع کو آیا ترے عارض کے پرتو سے
پروں کا بادکش لے کر ہر اک پروانہ آتا ہے

پری رو خندۂ دنداں نما کو بھول جاتے ہیں
نظر جس دم تری شمشیر کا دندانہ آتا ہے

نہیں ہے خانۂ عالم میں لازم اضطراب اتنا
کہ پھرتے پھرتے سب کے ہاتھ میں پیمانہ آتا ہے

نہیں رہتا ہے عشقِ پاک کو کچھ شرم سے مطلب[1]
حضورِ اہلِ محفل شمع پر پروانہ آتا ہے

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

اسیر افتادگاں سے سرکشانِ دہر عاجز ہیں
جھکائے سر کو شیشہ جانبِ پیمانہ آتا ہے

تصورِ لبِ جاناں میں داغ کھاؤں گا
چراغ آتشِ یاقوت سے جلاؤں گا

کبھی تسبیح سے ہوتا نہیں زنّار جدا
کون کہتا ہے کہ ہیں کافرو دیں دار جدا

وائے بے رحمیِ صیّاد کہ ہے[1] ظلم پہ ظلم
سب اسیروں سے کیا مجھ کو گرفتار جدا

کبھی نہ نقل میں ہو اصل کا ہنر پیدا
جھڑی کی شام سے ہوتی نہیں سحر پیدا

کرے جو بند درِ باغ ، باغباں کیا غم
کبھی تو ہوں گے ہمارے بھی بال و پر پیدا

دیکھ کر خانۂ صیاد چمن بھول گیا
کیا غریبی میں مزا تھا کہ وطن بھول گیا

اس کی جب مانی و بہزاد نے کھینچی تصویر
اک کمر بھول گیا ، ایک دہن بھول گیا

مجھ سے وحشی کے جو ہمراہ چلا چار قدم
چوکڑی دشت میں ہر ایک ہرن بھول گیا

۱- یہی ۔

ہر طرح راہ عدم کی مجھے در پیش رہی
یاد آئی کمر اس کی جو دہن بھول گیا

میں وہ عریاں تھا ، رہا بعدِ فنا بھی عریاں
دفن کے وقت عزیزوں کو کفن بھول گیا

ہوں[1] وہ دیوانہ جو ہمراہ چلا میرے اسیر
اپنی رفتار کو یہ چرخِ کہن بھول گیا

اپنا تنِ خراب بنا اور بگڑ گیا
یک دم میں یہ حباب بنا اور بگڑ گیا

معلوم بے ثباتیِ گردوں ہوئی مجھے
پانی پہ جب حباب بنا اور بگڑ گیا

دل اپنا جمع ہو کے پریشان ہو گیا
شیرازۂ کتاب بنا اور بگڑ گیا

مثلِ نے انجمنِ دہر میں ناشاد ہیں سب
دہنِ غیر سے آمادۂ فریاد ہیں سب

یار کا ہے جگر و دیدہ و دل میں مسکن[2]
ہے عجب ایک مکیں سے یہ گھر آباد ہیں سب

قافلے سے ہے نہاں کون سا رشکِ یوسف
زنگ کی طرح جو آمادۂ فریاد ہیں سب

مصحفی جب سے گیا عالم فانی سے اسیر
ایک اُستاد نہیں ، کہنے کو اُستاد ہیں سب

۱- ہوں وہ دیوانہ اگر ساتھ چلا . . . .
۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

ہے داغِ عشق سے یہ دلِ پُرمحن درست
ماہِ شکستہ، مہر سے ہوتا ہے تندرست

کیا کیا نہ لوگ منزلِ ہستی سے اٹھ گئے[1]
کاشانہ عدم میں ہوئی انجمن درست

کیوں کر جلی کٹی نہ ہو گلگیر و شمع میں
اس کی زباں درست، نہ اس کا دہن درست

کیوں شوقِ تیغِ یار میں تڑپے نہ مرغِ[2] جاں
صیقل نے جوہروں کا کیا ہے چمن درست

بعدِ مردن استخواں لائے ہیں کوے یار میں[3]
مہرباں ہیں کس قدر مجھ پر سگانِ کوے دوست

ہے بجا باغِ ارم سے ہم اگر تشبیہ دیں
نام سنتے ہیں، نہیں پاتے نشانِ کوے دوست

تختہ گلزار ہے، خونِ شہیداں سے زمیں
دیکھ اے بلبل بہارِ بے خزانِ کوے دوست

روشن اس مہ رو کے آنے سے ہوا میخانہ آج
ہالہ مہ سے نہیں کم گردشِ پیمانہ آج

آج ساقی میں نہیں گو کہ مروت باقی
خیر، باقی ہے اگر یار تو صحبت باقی

۱- یہ شعر نسخہ انجمن میں نہیں۔ (مرتب)
۲- . . . . تڑپے نہ میری جاں۔
۳- یہ اور اس کے بعد کے چار شعر نسخہ انجمن میں نہیں۔ (مرتب)

۳۳۷ - موزوں ، میر نواب

جویائے تازہ مضمون[1] ، سید صحیح ، میر نواب تخلص موزوں ، لطف و اخلاق میں بے نظیر ، شاگرد میر مظفر علی اسیر - من کلامہ :

غنیمت جان لو زور آورو ! زور آزمائی کو
ضعیفی میں کرو گے یاد پنجے کو ، کلائی کو

جمایا رنگ اپنا رفتہ رفتہ بزم جاناں میں
کہاں سے میں کہاں پہنچا ، کوئی دیکھے رسائی کو

جو تیری راہ میں ہیں پاؤں اپنے توڑ کر بیٹھے
سمجھتے ہیں وہ بد تر خاک سے بھی مومیائی کو

ہمارا سوزِ فرقت ہے اندھیرے گھر کا اجیالا
رسائی ہے فلک تک آہِ سوزاں کی ہوائی کو

عروسِ حسن کا گھونگھٹ اٹھا دے جلد مشاطہ
لیے ہیں نقدِ جاں ہاتھوں میں عاشق رونمائی کو

مزا یہ ہے کہ ان شیریں لبوں سے گالیاں کھائے[2]
کبھی عاشق کا جی چاہے جو پستے کی مٹھائی کو

قدم گر درمیاں ہوتا نہ اُس محبوبِ عالم کا
نہ[3] دیتا جلوہ ہستی کا خدا اپنی خدائی کو

کوئی مشکل نہیں ایسی ، نہ ہو آساں جو اے **موزوں**
علی کا نام کافی ہے تری مشکل کشائی کو

۱- . . . . . . مضمون ، میر نواب . . . . . اسیر - یہ اشعار اُس سے یادگار ہے (کذا) -

۲- یہ شعر نسخہ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۳- نہ دیتا جلوۂ ہستی خدا اپنی خدائی کو -

شب گریباں عطر سے اُس کا جو خوشبو ہو گیا
اڑ چلا جگنو گلے کا یہ کہ جگنو ہو گیا

کینچلی کو جھاڑ کر جس طرح اُڑ چلتا ہے سانپ
چھوڑ کر موباف کو طرہ وہ گیسو ہو گیا

بیشتر[1] سنتے ہیں کنگھی کی زباں سے یہ بات (کذا)
بل کیا جس نے سیہ رو مثلِ گیسو ہو گیا

کم نہیں سکتے سے بوسہ غیر جاہل کا صنم
آج ناموزوں ترا مصراع گیسو ہو گیا

عشقِ چشمِ یار کی تاثیر دیکھو بعدِ مرگ
استخواں کھائے جو میرے سگ نے، آہو ہو گیا

محبت کیجیے اُس سے کہ جو معشوق پُرفن ہو
ادا و ناز و شوخی ہو، شرارت ہو لڑکپن ہو

اندھیری رات میں وہ مہ جبیں دلبر جو آ نکلے
تو گھر کو چاند لگ جائے، ہر اک دیوار روشن ہو

اگر کاتب لکھے تو تیزدستی میری وحشت کی
تو سو سو ٹکڑے اک اک حرف کا کاغذ پہ دامن ہو

جو اُس پر عکس پڑ جائے ترے دانتوں کا اے ساقی!
تو مالا موتیوں کا ہووے اور شیشے کی گردن ہو

اُسی محبوب کو دیجو مرا نامہ تو اے قاصد!
کتابی جس کا چہرہ ہو، بیاضی جس کی گردن ہو

۱۔ یہ شعر نسخہ انجمن میں نہیں۔ (مرتب)

تمنا ہے دمِ خوں ریز آگے تیغِ قاتل کے[1]
یہ ساعد ہو، یہ بازو ہو، یہ سینہ ہو، یہ گردن ہو

دلا اشکِ ندامت کی بزرگی کا نہیں پایاں
گرے گر ایک دانہ خاک پر تو ایک خرمن ہو

زبردستو! یہ ادنیٰ معجزہ ہے ناتوانی کا
کسی کے ہاتھ کا چھلا، کسی کا طوقِ گردن ہو

یہی ہے آرزو دولت سرائے یار میں **موزوں**
مری آنکھوں کے پردے ہوں مری پلکوں کی چلمن ہو

بعد مرنے کے بھی پیسا گردشِ افلاک نے
میری مٹی کو دیے چکر ہزاروں چاک نے

شیشۂ ساعت بعینہ بن گیا ہے آسماں
سر اٹھایا ہے ترے وحشی کی جس دم خاک نے

تیری دولت سے جنوں ہر ایک خارِ دشت کو
لال گودڑ کا بنایا ہے مری پوشاک نے

---

۳۳۸ ـ عالی، میر بندہ حسین

شاعر غالی، میر بندہ حسین تخلص عالی، برادر میر نواب، شاگرد میر مظفر علی اسیر ـ من کلامہ:

ابرو نہیں ہے اُس کے رخِ بے نقاب پر
آتے ہیں دو ہلال نظر آفتاب پر

افزوں ہے آفتابِ قیامت سے روے یار
عالم ہے صبحِ حشر کا اُس کی نقاب پر

---

[1] یہ اور اس کے بعد کے تین شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ـ(مرتب)

پھروں ترے فراق میں اے رشکِ آفتاب !
رویا کیا ہوں خندۂ جامِ شراب پر

دیکھی جہان میں نہ کوئی فرد بے رقم
خطِّ شعاعی ہے ورقِ آفتاب پر

آتی ہے یاد جب اُسے ساقی کی چشمِ مست
منہ رکھ کے شیشہ روتا ہے، جامِ شراب پر

سچ ہے کہ آسمان بھی کتنا بخیل ہے[1]
دیتا ہے جان اشرفیِ آفتاب پر

ہر لحظہ یاں دو چند نظارے کا شوق ہے
اور اُس طرف نقاب پڑی ہے نقاب پر

تابوت دوپہر کو جو اٹھے تو خوب ہے
ہم مر گئے ہیں یار کے حسنِ شباب پر

شاہی کسے نصیب ہوئی ہے گلیم میں
یہ ختم ہے جنابِ رسالت مآب پر

کس مہر کی سواری کا یہ اہتمام ہے
مشعل لیے جو ہاتھ میں ماہِ تمام ہے

تو گل میں عندلیب تو مہتاب میں چکور
عاشق ہوں ہر طرح سے مجھے تجھ سے کام ہے

گو وہ جفا کریں گے، نہ چھوڑیں گے ہم وفا
ان کا وہ کام ہے، تو ہمارا یہ کام ہے

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

ہے تو بے بنیاد ، دل رکھتا ہے پر فولاد کا
دے نہیں سکتا فرشتہ ساتھ آدم زاد کا

(قبرِ مجنوں پر چڑھائی جا کے لیلیٰ کی شبیہ
آبِ شیریں پر دلایا فاتحہ فرہاد کا

دیں تجھے اللہ نے سارے جہاں کی خوبیاں
حسن بخشا ہے پری کا ، جامہ آدم زاد کا)

دور ہووے کس طرح سے ابروے قاتل کا خم[1]
بل نکلتا ہے بہ دقت خنجرِ فولاد کا

یوں ہی دوڑائے گی وحشت گر بیاباں میں مجھے
ساتھ مجھ سے چھوٹ جائے گا مرے ہم زاد کا

ہیں گرفتارِ محبت عاشقوں کے مرغِ دل[2]
گیسوے خم‌دار ہے، یا دام ہے صیاد کا

اب تو نفرت ہو گئی عالی بتوں کے ذکر سے
دھیان رہتا ہے ہمیں ہر دم خدا کی یاد کا

---

۳۳۹ ـ درخشاں ، میر علی جان

شاعرِ بامزا ، صاحبِ مشاعرہ ، میر علی جان تخلص درخشاں ، کہنا اس کا نہایت چمک دمک کے ساتھ اور ترقی اور تنزل[3] اس کا میر مظفر علی اسیر کے ہاتھ ۔ یہ اشعار اس سے یادگار :

نہیں ہے فائدہ ناقص کے آزمانے میں
یہ تیغ ٹوٹتی ہے بیشتر کسانے میں

۱، ۲۔ یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔(مرتب)
۳۔ . . . . تنزل میر مظفر علی . . . .

مزا ملا ہے مجھے قید میں یہ اے صیاد!
قفس کو یاد کروں گا میں آشیانے میں

ملے نہ وصل کی لذت رقیب کو یا رب!
چھوئے جو زلف تو پیدا ہو سانپ شانے میں

دکھائے چہرہ وہ مطرب پسر ہمیں کیونکر
کہ لن ترانی کی آواز ہے ترانے میں

ہو آفتاب بھی اس[1] جا کلنک کا ٹیکہ
کب آئے نور ہمارے سیاہ خانے میں

اڑا رہے ہیں جو ہر روز آپ گلچھرے
خزانہ ہے کوئی بندوق کے خزانے میں؟

ہوا یہ چاند گہن دیکھ کر مجھے روشن
کہ رنج سے کوئی خالی نہیں زمانے میں

تمھارے آنے سے ہو گا چمن یہ بالیدہ
پھنسے گی پھول کے بلبل ہر آشیانے میں

جو[2] اپنی زلف میں لیلیٰ کرے تری کنگھی
لگاؤں توڑ کے آری کے دانت شانے میں

درخشاں بوے گل سے اور دم رکتا ہے گلشن میں
گریباں موسم گل میں نہیں، پھانسی ہے گردن میں
پری رُو تیرا دیوانہ کبھی آیا جو گلشن میں
بجائے گل بھرے گلچیں نے پتھر اپنے دامن میں

۱- نسخۂ انجمن میں ''اُس کا'' جو کتابت کی غلطی ہے - (مرتب)
۲- جو اپنی زلف میں لیلیٰ تری کرے کنگھی -

الٰہی ! کون دن ہو گا کہ چِلّائیں گے یہ گلچیں
چلو دیوانو ! زنداں سے بہار آئی ہے گلشن میں

خیالِ کوچۂ جاناں جو بعدِ مرگ رہتا ہے
درِ جنت کشادہ ہے ہمیشہ میرے مدفن میں

جو نازک دل ہیں، رہتے ہیں بری آفاتِ عالم سے[1]
نہ دیکھا طوقِ آہن ایک دن شیشے کی گردن میں

ہمیشہ باغباں پانی چھڑکتا ہے، نہیں بجھتی
یہ کس کے پرتوِ رخ سے لگی ہے آگ گلشن میں

صفائے قلب سے ہر ایک صحبت میں ہوں میں شامل
نہیں ہے فرق مثلِ آینہ کچھ دوست دشمن میں

خیال آیا یہ مجھ کو کوئے جاناں سے پھرا قاصد
فرشتے پرسشِ اعمال کو آئے جو مدفن میں

خدا سمجھے، دیے ہیں داغ اتنے اس نے بلبل کو[2]
بھرے ہیں پھول جتنے توڑ کر گلچیں نے دامن میں

یہ کس غنچے نے نقدِ جانِ بلبل کو چرایا ہے
کٹورا پھول کا جو پھول دوڑاتے ہیں گلشن میں

مجھ سا صید ناتواں پایا ہے اس تدبیر پر
گریہ آتا ہے مجھے صیاد کی تقدیر پر

قید کی مدت کو ہم سے پوچھتا ہے کیا جنوں
مورچہ لگ گیا ہے آہنِ زنجیر پر

تھا میں وہ بسمل، مرے ماتم نے بیدم کر دیا
دم تو دیکھو ہاتھ رکھ کر سینۂ نخچیر پر

۱، ۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

اے مصور خو مجھے رونے کی ہے واقف ہے تو
چاہیے دامن بھی میرے دیدۂ تصویر پر
کیا تڑپنے نے مرے اُس تُرک کو حیراں کیا
رہ گئی چٹکی لبِ سوفار بن کر تیر پر
تیرے بسمل پیاس میں شربت کے کب محتاج ہیں
آب پھل میں ہے، بتاسا قبضۂ شمشیر پر
با وفا دیکھو درخشاں سا نہ پاؤ گے کبھی
ہاتھ رکھیے گا سمجھ کر قبضۂ شمشیر پر

کیا[1] سامنے رکھے وہ پری پیکر آینہ
اعضاے تن سے اُس کے نہیں بہتر آینہ
طالب وہ حسن کا ہوں کہ جاے خطِ گناہ
ہاتھوں میں میرے ہوگا دمِ محشر آینہ

خوب واقف نہیں گلچیں گل و شمشاد سے ہم
ابھی آتے ہیں چلے خانۂ صیاد سے ہم
اُنس پیدا قفس و دام سے آخر یہ ہوا
چھوٹ کر بھی نہ گئے خانۂ صیاد سے ہم
مے کسی غیرتِ شیریں کے لیے کھنچوائیں
ہائیں انگور جو زخمِ سرِ فرہاد سے ہم

۱- یہ اور اس کے بعد کے چار شعر نسخۂ انجمن میں نہیں۔ (مرتب)

۳۴۰ - ابر ، شیخ رضا علی

شوقِ شاعری سے بے صبر ، شیخ رضا علی متخلص[1] بہ ابر، شاگرد میر مظفر علی اسیر - من کلامہ :

وہ خون ہے دریا بھی مقابل نہیں ہوتا
سیراب مگر خنجرِ قاتل نہیں ہوتا

کب تیغِ نگہ سے تری بسمل نہیں ہوتا؟
پر سیر کسی طرح مرا دل نہیں ہوتا

بچ جاتا ہے تلوار کا اور تیر کا کشتہ
اچھا ، نگہِ یار کا بسمل ، نہیں ہوتا

وہ جلوہ ترے حسن کا ہے غیرتِ خورشید[2]
ذرے کے بھی خورشید مقابل نہیں ہوتا

ٹھوکر سے جلاتا ہے یہ ، وہ اذنِ خدا سے[3]
عیسیٰ ، مرے عیسیٰ کے مقابل نہیں ہوتا

آتا نہیں ہے رنگ کبھی ہاتھ میں اس کے
مہندی میں مرا خون جو شامل نہیں ہوتا

کیا ابر کو نسبت ہے تری چشم سے اے ابر
چشمہ کوئی دریا کے مقابل نہیں ہوتا

خیال آتا جو پہلے ہجر کے صدمے اٹھانے کا
نہ کوئی نام لیتا عشق کے کوچے میں جانے کا

کروں گا نالہ جس دم میں پڑے گی برق گلشن پر
جلانا یاد ہے اے عندلیبو ! آشیانے کا

۱- . . . . تخلص ابر ، شاگرد اسیر ، یہ اُس کی تقریر -
۲تا۳- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

برہنہ پائی کو میری زبانِ خار سے پوچھو
بیاں کر دے گی وہ احوال کچھ صحرا میں جانے کا
سکندر نام رکھا ہے ہمارا ایک عالم نے
لیا ہے کام اس مہ رو کو آئینہ دکھانے کا

کیا کیا نہ تیرے عشق میں اے فتنہ گر ملا
تن کو بخار، سر کو مرے دردِ سر ملا
روشن ہے نام میرا گناہوں سے دہر میں
مانندِ شمع ہے مجھے دامانِ تر ملا
آنکھوں کے بند ہوتے ہی سب حال کھل گیا
مرنے کے بعد آنکھ[1] کو نورِ بصر ملا
عنقا ہوا ہر ایک کبوتر جہان میں[2]
خط یار کو لکھا تو نہ پھر نامہ بر ملا

---

۳۴۱ - نازش، میر الٰہی بخش

میر الٰہی بخش تخلص نازش، ساکن فیض آباد، شاگرد[3] میر مظفر علی اسیر۔ یہ اشعار اس سے یادگار:

گیسو کو ان کے ہاتھ لگایا تو کیا ہوا
زنجیر کو جنوں میں ہلایا تو کیا ہوا
زنجیرِ زیست حلقۂ دامِ وبال تھی
منت کو موت نے جو بڑھایا تو کیا ہوا

۱- چشم۔
۲- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں۔ (مرتب)
۳- میر مظفر علی اسیر سے مشورہ اور سازش۔ یہ اشعار . . . .

مضمونِ زلفِ یار گرہ در گرہ رہا
چوٹی کا شعر ہم نے سنایا تو کیا ہوا

اقرارِ وصل کر کے عبث منفعل ہیں اب[1]
حرفِ وفا زباں پہ جو آیا تو کیا ہوا

سنگیں دلوں کے دل میں نہ تاثیر کی ذرا
نالوں نے آسماں کو ہلایا تو کیا ہوا

دیتے ہیں داغ مہ کو کرن پھول آپ کے
بجلی کو بجلیوں نے جلایا تو کیا ہوا

ہے عرش پر دماغ ترے خاکسار کا
مٹی میں آسماں نے ملایا تو کیا ہوا

نازش کو کر دیا روش دور چرخ نے
سو مرتبہ بٹھا کے اٹھایا تو کیا ہوا

---

۳۴۲ ۔ حنا ، عبد الکریم خاں

عبد الکریم خاں تخلص حنا ، مدتوں مثلِ حنا دست بدست رہا ، جب[2] اس کے شعر نے کہیں رنگ نہ پکڑا تب میر مظفر علی اسیر کے دست گرفتگاں میں داخل ہوا ۔ من کلامہ :

جسم گھل کر ہجر میں جسمِ مثالی ہو گیا
وصلِ جاناں ہم کو مضمونِ خیالی ہوگیا

۱۔ یہ اور اس کے بعد کے دو شعر نسخۂ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)

۲۔ آخر میر مظفر علی کی آبیاری سے اس نے رنگ پکڑا ، شعار حق ناشناسی سے ترک استاد کر کے میر وزیر صبا کا آشنا ہوا ۔ کیا کیا رنگ لایا ہے ۔ اگرچہ اب لکھنا اس کو یہاں گنجایش نہ رکھتا تھا مگر میر مظفرعلی اسیر کا حق مجھ سے تلف نہ ہوسکا ۔

شیشہ ٹوٹا آبلے سینے کے کیا موقوف ہوں
زخمِ دل بھر جائیں کیوں کر جام خالی ہو گیا

ذکر جس نے یار کی زلفِ پریشاں کا کیا[1]
وہ ہمارا قصہ آشفتہ حالی ہو گیا

جی دیتا ہے بوسے پہ طلب گار تمھارا
لیتا ہے گراں جنس خریدار تمھارا

کھو دی گئی عاشق کی لحد گھر میں تمھارے
داخل ہوا جنت میں گنہ گار تمھارا

لیں ہاتھ بڑھا کر جو بلائیں تو وہ بولے
بس بڑھ نہ چلو دیکھ لیا پیار تمھارا

ہے جنسِ وفا حسن کے بازار میں عنقا
کیا لے گا بجز داغ خریدار تمھارا

صد شکر کہ تخفیف ہوئی دام بلا میں[2]
کوتاہ ہوا گیسوے خم دار تمھارا

خورشید ہمیشہ ہے بلائے یرقاں میں
کب عیسیٰ سے اچھا ہوا بیمار تمھارا

لگا ہے روگ آنکھوں کو برا ہو بدگمانی کا
کھٹکتا ہے مژہ کی طرح سایہ یار جانی کا

کلی کرتا ہے جو وہ غنچہ[3] دہن دریا میں
پھول جاتا ہے حبابوں سے چمن دریا میں

۱، ۲- یہ شعر نسخہ انجمن میں نہیں ۔ (مرتب)
۳- رشک چمن ۔

صحبتِ نیک دلِ بد میں اثر کرتی ہے
سانپ کا زہر سے خالی ہے دہن دریا میں
کیوں[1] خوش آئے نہ اُسے آبِ رواں کی محرم
کہ ازل سے ہے حبابوں کا وطن دریا میں

دیکھا کرے ہر چند زحل چشم حسد سے[2]
کیا آنکھ ملائے گا مرے طالعِ بد سے
صحرا میں مجھے دیکھ نہیں سکتا ہے مجنوں
اللہ بچائے نگہِ دیدۂ بد سے

آنکھیں ملا رہا ہے زحل اُس کے خال سے
لایا ہے زور رنگ کنہیا بلال سے
اے رشکِ ماہ ہیں جو یہی خوش خرامیاں[3]
پانی بھرے گا کبک دری تیری چال سے

نموئے برگ وحشت سے گلستاں مجھ کو جنگل ہے
میں ہوں وہ بیدِ مجنوں شاخِ آہو جس کی کونپل ہے
عجائب رنگ دکھلاتا ہے پرتو زلفِ شبگوں کا
کبھی ہونٹوں پہ مسی ہے، کبھی آنکھوں میں کاجل ہے
شبِ فرقت میں ایسا شام سے تا صبح رویا ہوں[4]
کہ بسترِ دامنِ دریا ہے بالا پوش بادل ہے

۱- کیوں نہ خوش آئے اُسے . . . .
۲- یہ اور اس کے بعد کا ایک شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۳،۴- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

نہ رکھا مثلِ قمر چرخ نے عریاں مجھ کو
تیس دن بعد ملا ایک گریباں مجھ کو
کیا زرِ داغِ جنوں سے مری مٹی ہے عزیز
گنج کی طرح کیا خاک نے پنہاں مجھ کو

حاصل کمال ہو گا نہ گھبرا زوال میں
پھولے گا پھول بدر کا شاخِ ہلال میں
کرتی ہے خون پنجۂ مژگاں سے چشمِ یار
ثابت ہوا کہ شیر ہے آہو کی کھال میں

نالہ کہتا ہے عصائے فلکِ پیر ہوں میں
آہ کہتی ہے درِ عرش کی زنجیر ہوں میں
معرکے جیت لیے جوہرِ خاموشی سے
ہمہ تن گو کہ زباں صورتِ شمشیر ہوں میں

ابھرے وہ دخل کیا ہے جو اس میں غریق ہے
پانی تمھارے چاہِ ذقن میں عمیق ہے
اے ناخدائے کشتیِ پیکر بہ ہوش باش
آبِ قضا سے قلزمِ ہستی عمیق ہے
لازم ہے کوہ و دشت میں مسکن ہو اے حنا[1]
فرہاد اپنا نام ہے مجنوں شفیق ہے

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۳۴۳ - کاظم ، شیخ کاظم علی[1]

فکر درست ، طبیعت سالم ، شیخ[2] کاظم علی ، تخلص کاظم ، قریب ترین اکرام محمد خان خانساماں ، شاگرد میر مظفر علی اسیر ، یہ اشعار اس سے یادگار :

جلوہ گر لخت جگر دیدۂ پُر آب میں ہے
لوگ کہتے ہیں کہ سرخاب یہ تالاب میں ہے

بے قراری جو ہمارے دلِ بیتاب میں ہے
نہ تو شعلے میں ، نہ بجلی میں ، نہ سیماب میں ہے

تیرے دانتوں کو جو ہنستے ہوئے دیکھا تھا کبھی[3]
یہ وہی شرم ہے جو گوہرِ خوش آب میں ہے

آینہ چہرۂ جاناں سے مقابل کیا ہو
جوہرِ مہر کب آینۂ سیماب میں ہے

آینے میں نہیں ہے عکس فگن روئے صبیح
جلوۂ شیر سحر کاسۂ مہتاب میں ہے

پیر گردوں بھی دکھاتا ہے جوانی ہم کو[4]
ہالہ یا خطِ سیہ چہرۂ مہتاب میں ہے

جتنے اونچے ہیں فقط نام ہی سن لو ان کا
نم نہیں نام کو بھی چشمۂ مہتاب میں ہے

۱- نسخۂ انجمن میں ترجمۂ کاظم ترجمۂ عزیز کے بعد ہے ۔(مرتب)

۲- کاظم علی خاں تخلص کاظم ، اہل خطہ ، برادری اکرام محمد . . . .
اسیر - من کلامہ -

۳- یہ اور اس کے بعد کا ایک شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

۴- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

لعلِ لب کا ہوں میں بیمار مسیحا سن رکھ
منحصر میری شفا شربتِ عناب میں ہے

جو اسے داغ کلف سمجھے ہیں وہ اندھے ہیں
ماہتابی کا تری عکس یہ مہتاب میں ہے

بینیٔ صاف تہِ ابروے خم دار نہیں
منبرِ نور عیاں نور کی محراب میں ہے

برق نالاں ہے تو سیاب طپاں ہے دن رات
میرے مرنے سے قیامت مرے احباب میں ہے

چاندنی سے ترے دالان کی نسبت کیا ہے
داغِ مہتاب عیاں چادرِ مہتاب میں ہے

کاظم آگاہ ہو تا حال سے وہ برق جمال
طپش اِس واسطے میرے دلِ بیتاب میں ہے

سر و گردن میں ہے مدت سے ستم گر جھگڑا
بیچ میں تیغ جو پڑ جائے صفائی ہو جائے

نزع میں یار کا جو آیا خط
جائے یٰسیں مجھے سنایا خط
کیا جلایا ہے نامہ بر تو نے
غیر کے خط میں میرا لایا خط

نہیں افشاں ہے یہ پیشانیٔ پُر نورِ جاناں پر
جڑے ہیں دستِ قدرت سے ستارے ماہِ تاباں پر
بجائے فاتحہ دیتے ہیں لاکھوں گالیاں آ کر
چڑھاتے ہیں وہ تیوری گل کی جا گورِ غریباں پر

(بے جا نہیں کمر سے جو الفت زیاد ہے
خیرالامور اوسطہا ہم کو یاد ہے)

---

۳۴۴ - عزیز ، شیخ تفضل حسین[1]

نوجوانِ سراپا تمیز ، شیخ تفضل حسین تخلص عزیز ، ولد مولوی عبدالاحد ابن مولوی فائق[2] مرحوم و مغفور، شاگرد میر مظفرعلی اسیر، یہ اشعار اس سے یادگار :

چھٹ کے دل چوٹی سے زلفِ پُر شکن میں رہ گیا
چین سے نکلا اگر آہو ، ختن میں رہ گیا

یار نے دستِ حنائی سے کیا زخمی مجھے
کیا ہوا گر چور ہر زخمِ بدن میں رہ گیا

سینہ کاوی جس نے کی مثلِ نگیں ہنگامِ فکر
نام اس شاعر کا بس ملکِ سخن میں رہ گیا

دل [کے] لینے پر تو خوش ہیں بوسہ لینے پر خفا[3]
میں تو حیراں ان بتوں کے مکر و فن میں رہ گیا

یہ وہ یوسف ہے نہ پائی قید سے جس نے نجات
زلف سے نکلا جو دل چاہِ ذقن میں رہ گیا

جو مزا ہجر میں اس بت کے اٹھایا ہم نے
بخدا لطف نہ وہ وصل میں پایا ہم نے

صورتِ نقش قدم خاک سے ہرگز نہ اٹھا
دل کو اس کوچے سے ہر چند اٹھایا ہم نے

۱- نسخۂ انجمن میں ترجمۂ عزیز ،ترجمۂ کاظم سے پہلے ہے -(مرتب)
۲- . . . . فائق ، شاگرد . . . . اسیر - من کلامہ :
۳- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

زلفِ جاناں کی درازی کو نہ پہنچا ہرگز
اپنے مضمون کو سو بار بڑھایا ہم نے

یادِ گلشن میں یہ[1] تڑپے کہ قفس کو توڑا
خوفِ صیاد کو خاطر سے اٹھایا[2] ہم نے

خاک میں مل گئے لیکن نہ خیال اس کو ہوا
کیسے بیدرد سے دل اپنا لگایا ہم نے

شوقِ پابوسی سے سر تیرے جو قدموں پہ دھرا[3]
آج پھر حد سے قدم اپنا بڑھایا ہم نے

اس کے در پر[4] جو اٹھا لائے دلِ ناداں کو
اے عزیز ایسا تو غم خوار نہ پایا ہم نے

چاہِ ذقن کی تیرے صنم جس کو چاہ ہو
آبِ حیات اس کو نہ مدِ نگاہ ہو

دیر و حرم سے کام بھلا اس کو کیا رہے[5]
جس کا کہ آستانِ صنم سجدہ گاہ ہو

دیکھے بدی کی آنکھ سے جو زلف و خالِ یار
مثلِ زحل جہان میں وہ روسیاہ ہو

تڑپے تھے اس امید سے کیسے قفس میں کل
شاید کسی طرف سے نکلنے کی راہ ہو

۱- وہ -
۲- بھلایا -
۳- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)
۴- سے -
۵- یہ اور اس کے بعد کا ایک شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

کیا فائدہ ہے تیغ کو کرنا علم وہاں[1]
جس جا کہ ایک آپ کی کافی نگاہ ہو

۱- یہ شعر نسخۂ انجمن میں نہیں - (مرتب)

اشاریہ

اسماء الرجال

ب

ص

ض

ط

ظ

ع

غ

ف

ق

ن

مقامات

ش

ع

ف

ک

گ

ل

م

ن

ہ

اقوام ، القابات ، اصطلاحیں ، متفرقات

کتابیں

تصحیح نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	٦	''خوش معرکہ ٔ زیبا ہے''	''خوش معرکہ ٔ زیبا'' ہے
۳	۱۰	اور آپ	اور اگر آپ
۴	۱۳	برسر سودا بہ خود...	برسر سودای خود...
۵	۱۴	اسی	ایسے
۹	۱۳،۱۲	سپر	سیر
۱۴	۱۱	تری	ترے
۱۵	٦	مری	مرے
۱۵	حاشیہ ۱	ہے میری	ہے میرے
۱٦	۹	سودا کا	سودا کی
۱۹	٦	ب	اب
۱۹	۱۳	...ہوں پھلوں ہوں برگ	...ہوں نہ پھلوں برگ...
۲۲	۱۳	فریفہ	فریفتہ
۳۵	۱۲	پیش	پیس
۳٦	۲	پھر	پھرا
۳٦	۱۱	جالے	جانے
۴۱	۱۱	واقع	واقعہ
۴۱	۱۲	دل	(دل)
۴۸	۱٦	زمین میں	زمین وہ
۴۹	۹	مونڈنے	مونڈتے
۵۰	۷	نظر آئے	نظر آئی
۵۰	حاشیہ ۲	آ	آخر
۵۰	حاشیہ ۵	انجمن ماہر ... کے	انجمن میں ماہر ... کے بعد
۵۱	۵	طاب سراہ	طاب ثراہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
٦٣	٢	بے طا	بےخطا
٦٥	١٣	جزام	جذام
٦٦	١٦	ناقہ	نافہ
٧٠	٥	قمرکے مغموم	قمر کے مغموم
٧٥	٧	گھو کرو	گو کھرو
٨١	١٠	کو آہوں کی	گواہوں کی
٨٣	١	گھونگرو	گھنگھرو
٨٧	٣	نجیر	زنجیر
٨٧	١٠	شہدان	شہیداں
٨٨	١٦	تھے	تھی
٩٠	١١	تجھ سا	تجھ سے
٩٠	١٨	رگڑتے	رگڑنے
٩٢	٢	دل کعبہ کی	دل میں کعبے کی
٩٦	٦	مشار'' الیہ	مشارا'' الیہ
٩٧	٥	جی	جس
٩٩	١٢	تو	نو
١٠٠	٥	کھکھلا	کھلکھلا
١٠٢	١٧	عاشق بت کا دل	عاشق کا دل
١٠٣	حاشیہ	کے شعر	کے چار شعر
١٠٨	٦	اپنی	اپنے
١١٠	١٣	نالہ گرم کیے	نالۂ گرم سے
١١٣	١٠	کے	کی
١١٣	١٢	(بھی)	بھی
١١٣	١٩	مرزا موصوف	مرزا صاحب موصوف
١١٧	٦	مری	تری
١١٨	٦	اجاڑے	اجارے
١٢٢	١٠	قفس	چمن

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۲۳	۱۱	مری	مرے
۱۲۶	۱۵ تا ۱۹	پھٹے کا	بنیے کا
۱۲۷	حاشیہ ۲	''نظر ہے''	''نظر'' ہے ۔
۱۲۸	۱۰	یہاں	نہیں
۱۲۹	۱۶	درگزرا	مرگزرا
۱۳۰	۳ ، ۴	امیر محمد خاں	میر محمد خاں
۱۳۱	۴	ہر	پھر
۱۳۴	۴	پیش آتی	پیش آئی
۱۳۷	۲۲	ان کی	اس کی
۱۳۸	۱	پڑا	سڑا
۱۳۸	۲۲	لکھنؤ	لکھنؤ سے
۱۳۹	۸	نہایت	بہت
۱۳۹	۱۴	مادام آں جناب	مادام الحیات
۱۴۰	۱۲	سخن کو	سخن کے
۱۴۴	۱۸	معائینہ	معائنہ
۱۴۵	۱۸	خراں	خزاں
۱۴۸	۱۸	آپی جو ہر کر رہیں	آپ جو مر کر رہیں
۱۵۲	۱۰	دستہ داغ فوج...	دستۂ داغ و فوج...
۱۶۱	۹	یہ	یہ؎
۱۶۱	حاشیہ ۱	شیخ ... من کلامہ	من کلامہ
۱۶۴	۷	امیر محمد	میر محمد
۱۶۵	۹	آنکھوں	آہوں
۱۶۵	۱۰	سے	کی
۱۷۰	حاشیہ۲،سطر۳	نہا	تھا
۱۷۱	۱۰	شرر	شور
۱۷۲	۳ - ۴	میر مراد علی	میر امداد علی
۱۷۹	۳	...کب تھا شعور	...تھا کب شعور

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
١٨٠	١٠	ہوئے تھے	ہوتے تھے
١٨٠	١٣	کھنڈی کے	کھنڈی کہ
١٨٠	١٧	موجد	موحد
١٨١	١٣	نار	ناز
١٨٢	٥ - ٦	گنج	کنج
١٨٥	١٩	ملا ہے	بلا ہے
١٨٩	٨	مجھے	تجھے
١٩٢	٥	اپنے	اس نے
١٩٦	٧	روتا...ہسنتا	رونا......ہنسنا
٢٠٨	١	کلمۃ الجر	کلمۃ الخیر
٢١١	١٥	دریا	رونا
٢٢١	١٦	خوب...	خوب گرفتی
٢٢٣	٧	باتحمل	باتجمل
٢٢٦	١٧	نیلی	نیکی
٢٣٠	١٦	چمکتے	چمکے
٢٣١	٥	بھا گا	بھا گا
٢٣٣	٣	طوطی	طوطے
٢٣٣	١٠	بڑی	پڑی
٢٣٥	٣	ہماری	ہمارے
٢٣٥	٩	تری	ترے
٢٣٨	٩	غربت	عزت
٢٤٢	٢	کے پھولے	کی پھلی
٢٤٣	٦	یہ	پہ
٢٤٣	١٧	کہتا تھا تو	کہتا تو
٢٤٥	١٧	ہی	ہو
٢٥٠	١٣	ہلالے	ہلانے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۵۱	۱۵	پہچتا	پہنچتا
۲۶۱	۲	کیسا	کب سے
۲۶۲	حاشیہ ۱، سطر ۵	گے	کے
۲۶۹	۹	کیسی	کی سی
۲۷۲	۱۶	خوش ور	خوش رو
۲۷۶	۱۴	بنا ہے	نبائے
۲۷۸	۵	پذیر	بدن پر
۲۸۳	۱۰	پر	پہ
۲۸۴	۱۲	کھینچی	کھینچے
۲۸۸	۱۳	یہ	مینہ
۲۹۶	۵	روز	روزن
۲۹۶	۶	سایے	سائے
۲۹۸	۴	مرزا جعفر حسن ۔ اخلاق میں	مرزا جعفر ۔ حسن اخلاق میں
۲۹۸	حاشیہ ۲۔ سطر ۸	خیرانی	خیراتی
۳۰۲	۱	قتل	قتیل
۳۰۲	۲۲	پھیلانا	پھیلاتا
۳۰۹	۹	مشتاق	مشاق
۳۱۷	۱	لگے	لگی
۳۱۷	۱۵	اشیر باد	اسیر باد
۳۱۸	۲	بدو عام	بدعام
۳۱۸	۱۶	کے	کی
۳۱۹	۱۵	خاک... دشت	چاک....دست
۳۱۹	۱۷	ہوتی	ہوئی
۳۲۰	۱	کے... تھے... گئے	کی...تھی... گئی
۳۲۱	۹	کام کا	کام رکھ
۳۲۲	۳	ایک	آگہ
۳۲۲	حاشیہ ۱	میر	میں
۳۲۳	۱۷	گا	کا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۲۴	۶	دہکدکی	دھکدھکی
۳۳۰	۲	گھنچا	کھنچتا
۳۳۸	۸	رڈو	روؤ
۳۴۰	۱۲-۱۱	دوہرا	دہرا
۳۴۳	۱۴	ملے	ملی
۳۴۴	۲۴	منی	پنتے
۳۴۵	۱۰	گھڑے	کڑے
۳۴۵	۱۲	پڑے	بڑے
۳۵۱	۱۷	(یہ)	یہ
۳۵۲	۹	جانے کیا	کیا جانے
۳۶۶	۱۸	ہلتے ہیں	ہلتی ہے
۳۶۷	۱	پٹے	لپٹی
۳۷۳	۶	بکرہ بندر	بکرہ و بندر
۳۷۳	۸	خسر	خر
۳۷۴	۴	...جب...تب...	...تب...جب...
۳۸۶	۷	پڑی	پڑے
۴۰۶	۱۸	عزیزوں	عزیزو
۴۰۸	۱۱	ایک بھی	ایک دن بھی
۴۱۹	۱۰	یہ	نہ
۴۲۰	۸	(مصحفی)	مصحفی
۴۲۰	۱۳	بھولے	بھولی
۴۲۱	۴	یہاں پر	بتاں پر
۴۳۵	۱۸	(میاں)	میاں
۴۳۹	۱۷	کو	گو
۴۴۰	۱۱	آپ	آپ کا
۴۴۶	۹	ہوئی	ہوئے
۴۴۹	۲	جلتے	جیتے
۴۴۹	۱۶	ظاہر	بہ ظاہر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۰۱	۲	شفق	شفیق
۴۵۳	۲	بیان نہیں	بیان کا نہیں
۴۵۳	۳	طالب کا علی	طالب علی
۴۵۹	۱۳	کسی دیر	کبھی دیر
۴۶۲	۳	مومنہ	(مومنہ)
۴۶۲	۴	اپنے باپ	اپنی ماں
۴۶۳	۵	جیسے	جی سے
۴۶۵	۱۴	تدبیر	تقدیر
۴۸۶	۱۳	بناؤ گے	بتاؤ گے
۴۸۸	۱۷	بنا دیا	بتا دیا
۴۹۱	۵	۲۰۸	۳۰۸
۵۰۲	۱۵	پائے	پائی
۵۰۲	۱۹	فنا	قبا
۵۰۴	حاشیہ ۱	شاکر	شاگرد
۵۰۵	۳	شح	شیخ
۵۰۶	۱۴	حلایا	جلایا
۵۱۲	۱	روغ	فروغ
۵۱۵	۵	ارود	اردو
۵۲۱	۶	رون	اورون
۵۲۹	۱۲	عاشفانہ	عاشقانہ
۵۳۲	۲	انتظار	انتظار (بغیر اضافت)
۵۳۲	۱۵	اشک	اشک (بغیر اضافت)
۵۳۴	۱۰	جوڑی	چھڑی
۵۳۳	۵	تُرش	تَرش
۵۵۲	۲۰	سے	نے
۵۵۵	۲	آب	آپ

وضاحت نامہ

صفحہ	سطر		
۴	۴	مذمت میں (تھا)	مذمت میں ہے (اضافہ حاشیہ از مرتب : نسخۂ انجمن میں ''تھا'' بجائے ''ہے'') ۔
۴	۸	اس کا (سر ؟)	اس کا سر
۱۱	۴	...دل فریب کو	اضافہ حاشیہ از مرتب : صحیح ''او'' بجائے '' کو''۔ تصحیح مطابق تذکرۂ ہندی (از مصحفی) صفحہ ۱۲۶ ۔
۱۲			پانچویں اور چھٹے شعر کی درمیانی لکیر حذف سمجھی جائے۔
۲۴	۱۶، ۱۷		قوسین حذف سمجھی جائیں ۔
۳۹	۳	زکی ، شیخ مہدی علی	اضافہ حاشیہ از مرتب : صحیح تخلص ''ذکی'' (ذال سے) ہے ۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ۔ ''تحقیق نامہ''۔
۷۹			تیسرے اور چوتھے شعر کی

۱۔ تذکرے کے مطبوعہ اوراق پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوا کہ پروف پڑھنے کے دوران متن کے بعض مقامات کی تصحیح نہیں ہوئی نیز بعض مقامات پر ضروری حواشی بھی شامل ہونے سے رہ گئے۔ یہ کمی ان صفحات میں پوری کی جا رہی ہے ۔ تیسرے کالم میں تذکرے کا مطبوعہ متن دیا گیا ہے اور چوتھے کالم میں اس کی تصحیح یا توضیح کی گئی ہے ۔ (مرتب)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
			درمیانی لکیر حذف سمجھی جائے ۔
۱۱۴	۸	موصوف کے	... کے (کذا)
۱۲۰	۱۶	ندیم ، مرزا علی تقی	اضافہ حاشیہ از مرتب : صحیح نام ''مرزا علی قلی''. ملاحظہ ہو ''تحقیق نامہ''۔
۱۲۵	۱۶	شاگرد	اضافہ حاشیہ از مرتب : دونوں نسخوں میں 'شاگرد' سہو کتابت ہے ۔ صحیح ''شاکر''جو نسخۂ علی گڑھ میں ہے ۔
۱۲۷	۱۳	مقطع	مطلع(اضافہ حاشیہ از مرتب : اصل میں ''مقطع'' جو سہو کتابت ہے ۔)
۱۲۹	۱	آرزو ، سراج الدین خان	آرزو ،سراج الدین [علی] خان
۱۳۷	۵	یہ امر کل	یہ امر کا [کذا]
۱۳۸	۲۱	حکیم صاحب	حکیم صاحب کی
۱۳۸	۲۱ ، ۲۲	لوگ لکھنؤ لکھتے	لوگ لکھنؤ [کے] کہتے
۱۳۹	۵	کی	[کانورتی] کی
۱۳۹	۶	کے	[کانورتیوں] کے
۱۳۹	۱۷	میر ، تقی میر	میر ، محمد تقی
۱۴۹	۲۰	سراج الدین خان	سراج الدین [علی] خان
۱۶۱	۷ ، ۸	فنا ، شیخ پیر محمد	فنا ، شیخ بہر
۱۷۱	۱	مرہون	اضافہ حاشیہ از مرتب : صحیح نام ''مرزا علی رضا''

صفحہ	سطر		
			ملاحظہ ہو ''تحقیق نامہ''۔
۱۷۲			اس صفحے کے آخری شعر پر نسخۂ پٹنہ میں مصنف کا یہ حاشیہ درج ہونے سے رہ گیا ہے: ''بے بس کی جگہ مجبور کہتے تو خوب تھا''۔
۱۷۹	۱۸	خلف الرشید شاہ گلشن	اضافہ حاشیہ از مرتب: درد کے والد کا نام خواجہ محمد ناصر عندلیب ہے۔
۱۸۰	۲	تیر زن	تبر زین (کذا)
۱۸۰	۹	حتیٰ کہ ایک دن بادشاہ	حتیٰ کہ بادشاہ
۱۸۰	حاشیہ ۲	نسخۂ انجمن میں	دونوں نسخوں میں
۱۸۸	۹	سید محمد نصیر	میر محمد نصیر
۱۹۸	۸	میر عزت اللہ	میر عزت اللہ خاں
۲۰۳	٦	ملول	اضافہ حاشیہ از مرتب: ان کا نام ''شیخ شرف الدین'' ہے۔ ملاحظہ ہو ''تحقیق نامہ''
۲۰۴	۴	(آخر کو)	آخر کو
۲۰۸	۱۲	ایسے تھے، ایک	ایسے تھے کہ ایک
۲۲۹	حاشیہ ۱ سطر ۲	چھنو لال	جھنڈو لال
۲۳۱	٦،۵	چنانچہ جس کو من کے پنڈت	چنانچہ...پنڈت (اضافہ حاشیہ از مرتب: یہاں دو لفظ واضح نہیں)۔
۲۳۲			اس صفحے کے چوتھے اور پانچویں اشعار میں مصرعوں کی ترتیب موجودہ ترتیب

صفحہ	سطر		
			کے بالعکس ہو گی ۔
۲۳۱	۱۷	خوردہ گیری	خردہ گیری ۔ اضافہ حاشیہ از مرتب: اصل میں "خوردہ گیری" ہے ۔
۲۴۴	۱۵،۱٦	اور دکھلانا منہ اور چھپانا نام	اور دکھانا منہ کا اور پھر چھپانا نام
۲٦٦	۷	بھاتا ہے مجھے	بھاتا مجھ کو ۔ اضافہ حاشیہ از مرتب : تصحیح مطابق کلیات جرأت ، مخطوطہ انجمن ترقی اردو کراچی ۔
			حاشیہ ۲ حذف سمجھا جائے ۔
۳۱۱	۳،۴	میر انشاءاللہ خاں تخلص انشا ، خلف الصدق میر ماشاء اللہ خاں ۔	میر انشاء اللہ خان خلف الصدق میر ماشاء اللہ خان ، تخلص انشا ۔
۳۱۱			حاشیہ ۱ حذف سمجھا جائے ۔
۳۲۲			حاشیہ ۱ حذف سمجھا جائے اور اس کی جگہ یہ عبارت درج کی جائے : نسخۂ پٹنہ میں سہو کتابت سے "کام کا" (مرتب)
۳۳۳			اس صفحے کے تیسرے شعر پر نسخۂ پٹنہ میں مصنف کا یہ حاشیہ یہاں درج ہونے سے رہ گیا ہے : "اس مطلع کے قافیے میں تامل" ۔
۳۷۴	۱۱	سے	میں (اضافہ حاشیہ از مرتب:

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
			تصحیح مطابق تذکرۂ ہندی) ۔
۳۷۵	۱۵	نکل آئے (کذا)	نظر آئے (اضافہ حاشیہ از مرتب : تصحیح مطابق تذکرۂ ہندی)
۳۸۰	حاشیہ۵	...لکھا ہے	...لکھا ہے ۔ متن نسخۂ انجمن کے مطابق ہے ۔
۳۸۱	٦	بلا	ملا (اضافہ حاشیہ از مرتب: دونوں نسخوں میں سہو کتابت سے ''بلا'' ۔
۴۰۸	۳	ہم	تم (اضافہ حاشیہ از مرتب : دونوں نسخوں میں سہو کتابت سے ''ہم'') ۔
۴۱۰	۱۳، حاشیہ ۵	اژدہام	ازدحام (اضافہ حاشیہ از مرتب : دونوں نسخوں میں سہو کتابت سے ''اژدہام'') ۔
۴۱۵			حاشیہ ۲ کے بعد ۳ کا ہندسہ حذف کیا جائے ۔ یہ نیا حاشیہ نہیں ، حاشیہ ۲ ہی کی عبارت ہے ۔ اس کے بعد کے حاشیے کو ۳ سمجھا جائے ۔
۴۲۴	۱۲	پردہ نشیں	خاک نشیں (اضافہ حاشیہ از مرتب : تصحیح مطابق ریاض الفصحا) ۔
۴۳۵	۱۹	خواجہ محمد مسیحی	اضافہ حاشیہ از مرتب : صحیح نام خواجہ محمد سخی ، جو ریاض الفصحا میں ہے ۔

صفحہ	سطر		
٣٣٧	٣	مارے پڑتے	مار مرتے (اضافہ حاشیہ از مرتب : تصحیح مطابق ریاض الفصحا) ۔
٣٣٧	١١	ترے بیار	مری رفتار (اضافہ حاشیہ از مرتب : تصحیح مطابق ریاض الفصحا)
٣٦٢			حاشیہ ٢ حذف سمجھا جائے
٣٦٣	١٣	عاشق میں	عاشق سے (اضافہ حاشیہ از مرتب : تصحیح مطابق ریاض الفصحا) ۔
٥٣١	٣	روز	روز [میں] ۔

صفحہ ٢٦٢ کے حاشیہ ١ میں مندرجہ ذیل عبارت اور اشعار درج ہونے سے رہ گئے ہیں :

(الف) نسخۂ انجمن صفحہ ٣٥٩ کے حاشیے پر محتشم کے بارے میں مندرجہ ذیل عبارت اور تین شعر ہیں :

''شہزادہ سلطان مرزا محمد محتشم بخت بہادر تخلص محتشم ، یہ ان سے یادگار :

آبرو رکھے خدا ، شدت سے بد خو ہوگیا
اب سخن تکیہ مرے محبوب کا تو ہوگیا
چاہ نے دونوں کی میرے حق میں کار سم کیا
زلف ناگن ہو گئی اور خال بچھو ہو گیا
اتنے خط لکھ لکھ کے بھیجے ہم نے اپنے یار کو
پاؤں قاصد کے تھکے ، شل اپنا بازو ہوگیا

(ب) نسخۂ انجمن صفحہ ٣٦٠ کے حاشیے پر محتشم کے مندرجہ ذیل شعر ہیں :

اک روز سوے گور غریباں جو میں گیا
آیا نظر مجھے وہاں اک طرفہ ماجرا
دو پھول جس کی قبر پہ دیتا تھا میں چڑھا
آتی تھی اس مزار سے بس یہ مجھے صدا
نازک تر است شیشۂ دل در کنار ما
آہستہ برگ گل بفشاں بر مزار ما

دل ہے یہ خانۂ خدا اپنا
اس کو توڑے ہے دل ربا اپنا
دوست جس دل کو ہم سمجھتے تھے
دشمنِ جاں وہی ہوا اپنا